جنّ زادہ
ایم اے راحت

ترتیب

❁❁❁

جن زادہ

نوچندی جمعرات تھی۔ طاہرہ بیگم معمول کے مطابق شاہ غازی کے مزار پر چادری چڑھانے آئی تھیں۔ سبھی ساتھ تھے۔ بس معظم علی موجود نہیں تھے۔ ویسے بھی وہ کبھی کبھار ہی آجایا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ انہیں شاہ غازی سے عقیدت نہیں تھی۔ بس وہ کاروباری آدمی تھے اور اپنی مصروفیتوں میں گم رہتے تھے۔ باقی نظم، نثر، کچھ ملازم، عشیرہ سبھی ہوا کرتے تھے۔

شاہ غازی کے مزار سے کچھ فاصلے پر زبردست خیمے لگائے جاتے تھے۔ ایک خیمے میں ساتھ آئے ہوئے ملازم ہوتے تھے اور دوسرے مین طاہرہ بیگم دونوں بیٹیوں اور عشیرہ کے ساتھ۔

شکر ہے کہ عشیرہ کو ملازموں کے ساتھ ہیں رکھا جاتا تھا۔ کم از کم اتنا خیال ضرور کرلیا جاتا تھا۔

آج بھی بارہ سوا بارہ بجے تک طاہرہ بیگم مزارِ اقدس پر فاتحہ خوانی کرتی

رہی تھیں، چادریں چڑھائی گئی تھیں، پھول چڑھائے گئے تھے، خیراتیں بانٹی گئی تھیں، لنگر تقسیم کیا گیا تھا۔ سوا بارہ بجے وہ واپس آئی تھیں۔ سب تھک گئے تھے لیکن عشیرہ کو نیند نہیں آئی تھی۔ ویسے بھی گرمیوں کا موسم تھا۔ فضا میں حبس کی کیفیت تھی اور موسم بہت ہی خراب ہو رہا تھا۔

عشیرہ خیمے میں اپنی جگہ لیٹی ہوئی سوچوں میں گم تھی۔ ماضی کی یادیں زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں اور صحیح معنوں میں یہ یادیں انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔ چاہے وہ تلخ ہوں یا خوشی سے بھرپور۔ انسانی ذہن کی میراث ہوتی ہیں۔

ابو اور امی زندہ تھے تو اس کا شمار بھی انسانوں میں ہوتا تھا۔ ہر طرح کی خوشیاں اس کے لئے تھیں۔ لیکن تقدیر نے اس سے اس کے ماں باپ چھین لئے۔ دونوں کار کے حادثے میں ہلاک ہوگئے تھے۔

عشیرہ ناسمجھ نہیں تھی لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں اسے کافی دن تک یہ احساس رہا تھا کہ امی ابو اس طرح نہیں جائیں گے۔ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ وہ واپس آجائیں گے۔

مگر یہ ایک معصوم سوچ تھی۔ جانے والے بھلا کہاں واپس آتے ہیں......؟ اسے بڑی تنہائی کا احساس ہوا لیکن اس کا کوئی حل اس کے پاس نہیں تھا۔

اعظم علی بھائی پر جان نثار کرتے تھے، معظم علی بھی برے انسان نہیں تھے۔ لیکن ان کی بیگم ذرا مختلف مزاج کی حامل تھیں۔ طاہرہ بیگم کی کبھی عشیرہ کی والدہ عمیرہ سے نہیں بنی۔ لیکن عمیرہ بیگم اچھے مزاج کی حامل تھیں۔ انہوں نے کبھی اپنے گھر کو تماشہ نہ بننے دیا اور اچھے لوگ جلد ہی دُنیا سے واپس چلے جاتے ہیں۔ البتہ وہ عشیرہ کو بے یار و مددگار چھوڑ گئے تھے۔ لے دے کر دادی

اماں تھیں جنہوں نے عشیرہ کا بہت خیال رکھا تھا اور ان کی زندگی تک طاہرہ بیگم عشیرہ کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کر سکی تھیں۔

جیسے ہی دادی اماں کا انتقال ہوا، طاہرہ بیگم نے اپنے پَر پُرزے نکال لئے۔ شوہر ان کے قبضے میں تھے۔ معظم علی کی یہ مجال نہیں تھی کہ بیگم کے احکامات کی خلاف ورزی کر سکیں۔ گھر میں نوکر چاکر تھے لیکن طاہرہ بیگم کے دل کی گھٹن ایسے سکون نہیں پا سکتی تھی۔

چنانچہ انہوں نے عشیرہ کو گھر کی ملازماؤں سے بدتر بنا دیا اور وہ سلوک کیا اس کے ساتھ کہ دیکھنے والے بھی پناہ مانگیں۔ پتہ نہیں ان کے دل میں ایسی کیا نفرت بیٹھی ہوئی تھی۔ غالباً یہ بھی تھا کہ عمیرہ بیگم نہایت خوب صورت تھیں اور ان کے مقابلے میں طہرہ بیگم کچھ بھی نہیں تھیں۔ ایسی ہی ان کی دونوں بیٹیاں نظم اور نثر بھی تھیں۔

بے شک جوانی میں تو سبھی خوب صورت ہو جاتے ہیں لیکن عشیرہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ حسن دیا تھا کہ دیکھنے والے عش عش کریں۔ خوب صورت ماں کی خوب صورت بیٹی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ اپنے آپ سے مکمل طور سے بے نیاز، سادہ سے مزاج کی حامل۔ اور اس کی یہ سادگی ہی اسے لے ڈوبی۔

اسی کی طرح نظم اور نثر بھی جوان ہوگئی تھیں۔ یہ طاہرہ بیگم کی بیٹیاں تھیں اور طاہرہ بیگم ان دونوں کے لئے اچھے رشتوں کی تلاش میں تھیں۔ معظم علی نے بھی طاہرہ بیگم کے کہنے سے اپنے کچھ دوستوں سے اس بارے میں بات کی تھی۔

چنانچہ مالی طور پر انہیں کے ہم پلہ ہاشم خان صاحب اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آگئے۔ بیگم ہاشم اور بیٹا ظفر خان بھی آیا تھا۔ نظم اور نثر دونوں کو بنا سنوار

کر سامنے لایا گیا تو ہاشم خان نے مسکرا کر کہا۔

''آپ نے بیٹیوں کے نام خوب رکھے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی نظم زیادہ خوب صورت ہے یا نثر۔''

''دونوں آپ کی بچیاں ہیں۔''

معظم علی نیازمندی سے بولے۔

اتنی دیر میں عشیرہ کولڈ ڈرنک لے کر آ گئی اور ہاشم خان اور خاندان اسے دیکھتا رہ گیا۔

معمولی قیمت کے کپڑے کا سادہ لباس پہنے ہوئے، اُلجھے ہوئے بال سلگتا چہرہ، اس قدر دلکش، اس قدر پرُکشش کہ انسانی آنکھ جھپکنا بھول جائے۔ پرُکشش جسامت، کولڈ ڈرنک سب کو پیش کیا پر ایک بار بھی نگاہیں اُٹھا کر کسی نہ دیکھا۔ اسی طرح گردن جھکائے چلی گئی اور سب دیکھتے رہ گئے۔ خود ہاشم خان نے پوچھا۔

''یہ...... یہ کون تھی......؟''

طاہرہ بیگم چونک پڑیں۔ انہیں ایک دم سے احساس ہوا کہ ہاشم خان کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت ہے۔ جلدی سے بولیں۔

''وہ عزیز ہے ہماری۔ بس ساتھ ہی رہتی ہے۔''

''شادی شدہ ہے......؟''

''نہیں......! بس کام دھندا کرتی ہے۔''

''ملازمہ تو نہیں ہے نا......؟''

''بس......! ملازمہ ہی سمجھ لیجئے......!''

ہاشم خان کو ایک دم احساس ہو گیا کہ ان کا تجسس طاہرہ بیگم کو پسند نہیں

آ رہا ہے۔ چنانچہ خاموش ہو گئے۔ لیکن واپسی پر عشیرہ ہی گفتگو کا موضوع تھی۔

''کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔ خاندان ہی کی بچی لگتی ہے مگر کس قدر حسین ہے۔''

بیٹے نے شرماتے شرماتے ماں باپ سے کہا۔

''امی......! اس کے لئے بات چلایئے......!''

''میں تو خود دنگ رہ گیا ہوں۔ ذرا معلومات تو کریں بیگم......! کون ہے......؟ ویسے طاہرہ بیگم کا لہجہ بتاتا تھا کہ ہمارا تجسس انہیں پسند نہیں آیا۔''

''پاپا......! نہ نظم نظم ہے، نہ نثر نثر...... آپ اگر میرے لئے اس گھر میں بات کریں تو صرف اس لڑکی کے لئے۔''

''میں معلوم کر لوں گی۔ صغیرہ کی ماں اسی کے گھر تو ملازم ہے۔ صغیرہ سے کہوں گی کہ اپنی ماں کو بلا کر لائے۔''

بیگم ہاشم خان نے کہا۔

صغیرہ نامی لڑکی انہی کے گھر کام کرتی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی ماں کو بلا لائی تو صغیرہ کی ماں نے پوچھ گچھ کے دوران کہا۔

''بس جی...... خون سفید ہونے میں دیر کتنی لگتی ہے......؟ وہ ان کے گھر کی بچی ہی ہے۔ میں تو بہت دن سے وہاں ملازم ہوں جی...... اس کے ماں باپ کار کی ٹکر سے مر گئے تھے۔ ہمارے بڑے صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ ایک ہی بیٹی تھی۔ عشیرہ ہے اس کا نام۔ کم بختوں نے نوکر بنا کر رکھا ہوا ہے۔ بہت ہی صابر شاکر بچی ہے۔

اللہ اس کی مشکل حل کرے۔ طاہرہ بیگم نے تو اس سے بیر باندھ رکھا ہے۔ حالانکہ ہم لوگ بھی ہیں، گھر میں سارے کام کرنے کے لئے۔ پر

طاہرہ بیگم اس سے ایسے کام لیتی ہیں کہ کانوں کو ہاتھ لگانے کو جی چاہتا ہے۔"

ظفر خان نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ جو کچھ بھی کریں۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسے اپنے گھر لے آئیں۔"

"گڑبڑ تو بہت کریں گے وہ لوگ۔ جیسا کہ صغیرہ کی ماں نے بتایا کہ طاہرہ بیگم نے اسے نوکر بنا کر رکھا ہوا ہے۔ کوئی وجہ ہی ہوگی۔ دولت جائیداد کا چکر انسان کو پتہ نہیں کہاں سے کہاں لے جاتا ہے......؟ اگر دونوں بھائی تھے تو یقیناً دونوں کی دولت بھی برابر ہوگی۔ بیچاری بچی کو اسی لئے طاہرہ بیگم نے نوکر بنا رکھا ہوا ہے کہ کبھی وہ سر نہ اُٹھانے پائے۔"

بیگم ہاشم خان نے جب طاہرہ بیگم پر اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ چراغ پا ہوگئیں۔

"نہیں......! ہم فرشتے نہیں ہیں۔ پہلے اپنی بچیوں کا رشتہ کریں گے۔ اس کے بعد اس کے بارے میں سوچیں گے۔ اگر آپ کے دل میں ایسا کوئی خیال ہے تو نکال رکھئے گا۔ ہمیں اس کی شادی ابھی نہیں کرنی۔"

بیگم ہاشم خان نے بہت سر مارا۔ ظفر خان نے بھی اپنے طور پر کوشش کی مگر بات نہیں بن سکی۔ دادی اماں اگر زندہ ہوتیں تو شاید کچھ ہو جاتا لیکن بیگم ہاشم خان کو اس طرح بے عزت کر کے گھر سے نکالا گیا کہ پھر بھلا وہ کیا ادھر کا رُخ کرتیں......؟

ظفر خان کا بھی کوئی سلسلہ تو تھا نہیں۔ چنانچہ بات ختم ہوگئی۔ البتہ اب نظم اور نثر بھی اس سے برگشتہ ہوگئی تھیں اور ڈھنگ سے بات نہیں کرتی تھیں۔ ادھر طاہرہ بیگم نے اس سے سختیاں شروع کر دی تھیں۔ لیکن صغیرہ بیگم

کی ماں نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ بالکل سچ تھا۔ وہ صابر وشاکر تھی اور اس نے اپنی تقدیر سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ نوکروں کی طرح ہی اسے ساتھ رکھا جاتا تھا اور اس نے کبھی اس بات کی شکایت نہیں کی تھی۔ رہی سہی کسر مشیرہ بیگم نے پوری کر دی۔

طاہرہ بیگم کی بہن تھیں۔ بیوہ ہوگئی تھیں۔ اولاد بھی نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں مرتبے ان کی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے ہی دیئے تھے۔ بلا کی جلاد اور کینہ پرور خاتون تھیں۔ بات بات میں ناک بھوں چڑھانا ان کی عادت تھی۔ دوسرے شہر میں رہتی تھیں۔ وہاں سے دل اُکتایا تو بہن کے پاس آگئیں۔

بس بے مثال شخصیت کی مالک تھیں۔ کسی نہ کسی عذاب کے طور پر نازل رہنا ان کی فطرت میں شامل تھا اور یہاں آکر انہیں علم ہوگیا کہ ایک ایسی شخصیت موجود ہے جسے زیرِ عتاب لایا جا سکتا ہے۔

طاہرہ بیگم تو خیر جو کچھ بھی تھیں، لیکن ان سے کہیں زیادہ ظلم وستم مشیرہ بیگم نے عشیرہ پر توڑ رکھے تھے اور وہ طاہرہ سے زیادہ خالہ مشیرہ سے خوفزدہ رہتی تھی۔

یہ تھیں ماضی کی وہ یادیں جو اس کی زندگی کا سرمایہ تھیں۔ ماں باپ کے ساتھ جو وقت گزرا تھا، اسے یاد کر کے دل کو ایک خوش گوار کیفیت میں مبتلا کر لیتی تھی۔ ورنہ بعد میں پھر وہی۔

اس وقت بھی سب گہری نیند سو گئے تھے۔ لیکن وہ جاگ رہی تھی۔ فضا میں حبس کی کیفیت بھی تھی اور خیمے کے اندر نہ جانے کیوں عجب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور خیمے سے باہر نکل آئی۔ قرب و جوار

میں روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ مزار شریف کی روشنیاں بھی بجھا دی گئی تھیں۔ بس بلندی پر ایک پیلے رنگ کا بلب روشن تھا جو تھوڑے سے حصے کو مدھم سی روشنی دے رہا تھا۔ یا پھر کہیں کہیں زائرین کے ڈیرے جن میں سے چند نے پیٹرومیکس جلا رکھے تھے اور شاید عبادت کر رہے تھے۔ وہ تھوڑی سی آگے بڑھی اور یوں ہی چند قدم پیدل چل پڑی۔ ہر طرف قبریں ہی قبریں تھیں۔

دن کی روشنی میں نظم اور نثر خیمے سے نکلی تھیں تو وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔ پھر دونوں ایک جگہ کھڑی ہوگئی تھیں اور کسی سوراخ میں جھانک رہی تھیں۔ وہ بھی قریب پہنچی تو اس نے بھی وہ روح فرسا منظر دیکھا۔ کوئی قبر تھی جو کھلی ہوئی تھی اور اس میں سے مردے کا کفن جھانک رہا تھا۔

وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی اور اس کے دل پر ایک عجیب سا خوف طاری ہوگیا۔ وہ کچھ اور پیچھے آ گئی تھی۔ نظم اور نثر وہاں سے آگے بڑھ گئی تھیں۔ لیکن وہ منظر اس کے ذہن پر نقش رہا تھا۔

وہ قبر زیادہ دُور نہیں تھی جس میں اس نے مردے کو دیکھا تھا۔ دُور سے ہی وہ کھڑے ہو کر اس قبر کی طرف اور پھر آس پاس کی قبروں پر نگاہیں دوڑانے لگی۔ اسی وقت پیچھے سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی بے اختیار بھاگا چلا آ رہا تھا اور اس کے منہ سے آوازیں نکل رہی تھیں۔

''چھوڑ دے ولی......! بچا لے ولی......! چھوڑ دے ولی......! بچا لے ولی......! اب نہیں کروں گا...... چلا جاؤں گا ولی......!''

یہ ایک نیم زنانہ اور نیم مردانہ آواز تھی۔ دوڑتے ہوئے قدم اس کے قریب آئے اور وہ چونکہ راستے میں آ گئی تھی، اس لئے ایک انتہائی زوردار دوہتھڑ اس کی پشت پر پڑا اور وہ بری طرح لڑکھڑا کر گرنے لگی۔

دوڑنے والا اپنی دُھن میں آگے نکل گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ عورت تھی یا مرد...... لیکن وہ آوازیں اس کے منہ سے برابر نکل رہی تھیں۔

ادھر عشیرہ گرنے لگی تو اچانک کسی نے اسے بازوؤں سے تھام لیا اور پھر ایک مدھم سی سرگوشی سنائی دی۔

''بسم اللہ......!''

پھر وہی سرگوشی اُبھری۔

''اس طرح باہر نہ نکلا کریں...... یہ گزرگاہ ہے اور یہاں سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔ جائیے......! براہِ کرم اندر جائیے......!''

اس نے چونک کر آنکھیں پھاڑ دیں۔ اسے سنبھالنے والے کا لمس ضرور محسوس ہوا تھا لیکن نہ شکل، نہ جسم کا ہیولہ...... ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی۔

جب اس کا توازن قائم ہوگیا تو وہ سخت دہشت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

یہ کون تھا جس نے اسے نہایت نرم لہجے میں اندر جانے کی تلقین کی تھی۔

''وہ کہاں گیا......؟''

آس پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔

اچانک ہی اس کو یوں لگا جیسے اس پر برف کا برادہ پھینک دیا گیا ہو۔ پورے بدن میں شدید سردی کی لہریں دوڑنے لگیں اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے خیمے کی طرف واپس چل پڑی۔

بمشکل تمام گرتی پڑتی خیمے تک پہنچی اور غڑاپ سے اندر داخل ہوگئی۔ اس کا سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا۔ حالانکہ نہ دوڑتی ہوئی آئی تھی نہ بہت دُور سے آئی

تھی۔ پھر بھی سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ اندر سب گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے۔ وہ جلدی سے آ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے کلیجہ پکڑ لیا۔

''ہائے اللہ......! کون تھا......؟ کوئی تھا تو...... نظر کیوں نہیں آیا......؟ اور یہ گزرگاہ کیسی تھی......؟ وہ کون تھا جو ''چھوڑ دے ولی......! بچا لے ولی......!'' چیختا ہوا گزر رہا تھا......؟ رات کی اس تاریکی میں کسی کو کیا مشکل پیش آئی تھی......؟''

پھر اسے وہ واقعات یاد آ گئے جو یہاں کے بارے میں کہے جاتے تھے۔ جن زدہ لڑکیوں کو یہاں علاج کے لئے لایا جاتا تھا۔ مزارات پر حاضری دیتی تھیں۔ ان کے لواحقین ساتھ آتے تھے اور پھر جب ان کی سن لی جاتی تھی تو پھر انہیں ہدایت ہوتی تھی کہ وہ فلاں مزار سے فلاں مزار تک جائیں اور وہاں جا کر حاضری دیں۔ ان کے اوپر جو بھی سائے ہوتے تھے انہیں سرزنش کی جاتی تھی کہ وہ ان کے وجود کو چھوڑ دیں اور اگر وہ نہیں مانتے تھے تو پھر انہیں سزائیں ملتی تھیں۔

''چھوڑ دے ولی......! بچالے ولی......!''

اسی سزا کے نتیجے کی آواز ہو سکتی تھی۔

بہرحال وہ یہ تمام باتیں سوچتی رہی۔ اسے ایک اور واقعہ یاد آیا جب دادی اماں حیات تھیں اور ایک مرتبہ وہ کسی تقریب میں گئے ہوئے تھے۔ جب جگہ گئے ہوئے تھے وہ حویلی نما جگہ تھی اور وہاں ایک بہت ہی بڑا باغ بھی تھا جو حویلی کے احاطے میں ہی تھا۔ لیکن وہاں جھاڑ جھنکاڑ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نگاہ اس جگہ کو دیکھا تو وہ اسے اتنی ہیبت ناک لگی کہ وہ وہاں سے

فوراً ہی بھاگ آئی۔ دادی اماں نے اس کا سرخ چہرہ دیکھا تو بولیں۔

''کہاں گئی تھی پگلی......؟''

''دادی اماں......! اس طرف ایسی بری جگہ ہے...... اللہ توبہ......! اللہ توبہ......! ایسی نحوست برستی ہے کہ آپ ادھر جاؤ تو آپ کو یوں لگتا ہے جیسے جھاڑ جھنکاڑ آپ کو کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔''

''تجھے خدا سمجھے......! وہ حویلی کا آسیب زدہ حصہ ہے۔ وہاں اجنہ کا بسیرا ہے۔ حویلی کا کوئی بھی بندہ ادھر نہیں جاتا۔ تبھی تو وہ جھاڑ جھنکاڑ پڑے ہوئے ہیں اور تو دیکھ کہ کھلے بالوں وہاں چلی گئی۔ ایک تو اللہ رکھے اس کالی گھٹاؤں کے شہر کو...... بال ہیں کہ طوفان کی طرح اُڈے چلے آ رہے ہیں۔ اری دیوانی......! کہتی ہوں کہ انہیں باندھ کر رکھا کر۔ کھلے بالوں ویسے بھی آسمان تلے نہیں جانا چاہئے اور پھر تیرے یہ بال تو...... اللہ توبہ......! اللہ توبہ......! کٹوانے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ بال ہیں کہ قیامت......؟''

اور یہ حقیقت تھی کہ اس کے بال اتنے زیادہ، اتنے گھنے اور اتنے لمبے تھے کہ ہر لڑکی اور عورت اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اس سے پوچھا جاتا تھا کہ بی بی......! یہ بال بڑھانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرتی ہو۔ وہ اختیار کرتی تو بتاتی۔ احمقوں کی طرح پوچھنے والے کی صورت دیکھتی رہ جاتی تھی۔

دادی اماں نے اس سے کھل کر کہا تھا کہ کسی وقت وہ اپنے انہی بالوں کا شکار وہ جائے گی۔ کوئی ہوا لگ جائے گی اسے، کوئی سایہ ہو جائے گا۔ لیکن وہ ہوا اور سایہ اس کی سمجھ میں آج تک نہیں آیا تھا۔

آج جو یہ سب کچھ ہوا تھا۔ اس نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ طرح طرح کی شکلیں آنکھوں کے سامنے آئیں تو اس نے جلدی سے لیٹ کر چادر

اوڑھ لی اور جوانی کی یہی دین ہوتی ہے۔ نیند ہے کہ سر پر سوار رہتی ہے۔ کیسی ہی کوئی مشکل، کیسی ہی کوئی بات ہو۔ بس نیند آنکھوں میں گھسی اور پٹ سے آ گئی۔ سو وہ بھی گہری نیند سو گئی تھی۔

دوسری صبح واپسی تھی۔ حاضری کا دن ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ تیاریاں ہوئیں اور طاہرہ بیگم اپنی بیٹیوں اور ملازموں کے ساتھ واپس چل پڑیں۔

ان کی کوٹھی بھی بہت شاندار تھی۔ معظم علی صاحب بھائی سے بہت محبت کرتے تھے۔ لیکن بھائی بھاوج کی موت کے بعد بڑے آرام سے وہ پوری جائیداد اور دولت ہڑپ کر گئے۔ بیوی کے غلام تھے اس لئے بیچاری عشیرہ بھی بس جی ہی رہی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اس نے اپنے آپ کو یہاں کے ماحول میں ضم کر لیا تھا اور مستقبل کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔

اس وقت بھی گھر کے تمام لوگ ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ باہر سخت لو چل رہی تھی جھلسا دینے والی لو۔

عشیرہ نے اُداسی سے اپنے کمرے کی کھڑکی کھولی اور لو کا تھپیڑا جیسے اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور اس کا چہرہ تمتما کر رہ گیا۔ اس نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔

''میرے خدا......! کیسی شدید لو چل رہی ہے۔''

اس نے سوچا اور چٹخنی لگا کر واپس اپنے بستر کی طرف چل پڑی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی سوئیاں دو بجا رہی تھیں۔ ٹھیک چار بجے اسے باورچی خانے کی طرف چل پڑنا تھا۔

شام کی چائے کا وقت پانچ بجے کا تھا۔ گویا ابھی آرام کرنے کے لئے دو گھنٹے موجود تھے۔ اور یہ آرام کا وقت بھی اسے شدید گرمی اور لو کی وجہ سے مل

گیا تھا ورنہ اگر دوسرے لوگ باہر ہوتے تو کسی نہ کسی کام میں اُلجھا دیتے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ کام لینے میں طاہرہ بیگم بڑی خوشی محسوس کرتی تھیں۔

نظم اور نثر بھی اب اسی راستے پر چل پڑی تھیں۔ چنانچہ وہ بھی اس کے لئے کام کی تلاش میں رہتی تھیں۔ اسے اس کے حسن کی یہی سزا دی جا سکتی تھی۔ کوئی بھی کام اس وقت بھی اس کے سپرد کر دیا جاتا اور کچھ نہ سہی تو کم از کم طاہرہ بیگم کے ہاتھ پاؤں ہی دبانے ہوتے تھے۔ لیکن اس میں بھی پوری سیاست کارگر تھی۔

یعنی اگر اس وقت اسے طاہرہ بیگم کے پاؤں دبانے پڑتے تو اسے بھی ائیر کنڈیشنڈ کے کمرے کی ٹھنڈک نصیب ہو سکتی تھی اور یہ بات کس کو گوارہ نہیں تھی کہ وہ بھی ائیر کنڈیشنڈ کے مزے لے۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور اس کی نگاہ آئینے پر جا پڑی۔ لو کے تھپیڑے سے سرخ چہرہ قوس و قزح کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سفیدی میں ایسی گلابی کھلی ہوئی تھی کہ دیکھنے والے کی نگاہیں ہٹنے کا نام نہ لیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئینے کے پاس پہنچ گئی اور آئینے نے اس کا سراپا پیش کر دیا۔

دن رات کی جھڑکیاں، بات بات میں طعنے، ہر قدم پر بے عزتی، طرح طرح کے الزامات، دن رات کی گھٹن اس کی زندگی میں یہ پورا فارمولہ موجود تھا۔ لیکن اس کا حسن شاید اس فارمولے کے لوازمات سے نکھر رہا تھا۔

ایسی بھی کیا بے غیرت زندگی...... ایک لمحے کا سکون میسر نہیں لیکن حسن و جوانی تھی کہ الامان الاحفیظ......! اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام محرومیوں کی کسر اسے توبہ شکن حسن دے کر پوری کر دی تھی۔ لیکن کس کام کا یہ حسن جو ہر وقت ملامت بنا رہتا تھا۔

طاہرہ بیگم کا بس نہیں تھا ورنہ زہر دے کر ہلاک کر دیتیں۔ وہ اس کے حسن و جوانی پر بھی کڑی تنقید کرتی تھیں اور یہ تنقید اس وقت سے اور زیادہ شدت اختیار کر گئی تھی جب نظم اور نثر کے لئے رشتہ آیا تھا اور عشیرہ کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

عشیرہ پر جو پابندیاں لگائی گئی تھیں اس میں بہت سی ایسی باتیں تھیں جو عشیرہ کے لئے سخت تکلیف دہ تھیں۔ اس نے صابن سے منہ دھونا تک ترک کر دیا تھا۔ لیکن اب یہ اس کے بس کی بات تو نہیں تھی کہ وہ اپنی شکل بگاڑ لیتی اور اگر شکل بھی بگاڑ لیتی تو جسم کا ایک ایک نقش چیخ چیخ کر اس کے حسن کی تشہیر کرتا۔

نہ جانے کب تک وہ آئینے سے حسن کا خراج وصول کرتی رہی اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر آئینے کے سامنے سے ہٹ کر بستر کی طرف چل پڑی۔ ذہن بدستور گھٹن کا شکار تھا۔

کچھ عرصے پہلے کم از کم نظم اور نثر کا روّیہ ہی ٹھیک تھا اور اسے ان کے ساتھ وقت گزارنے کا تھوڑا سا موقع مل جاتا تھا۔ لیکن اب وہ بھی رقابت کا شکار ہو گئی تھیں۔ عشیرہ کا معمولی لباس اس کا میک اَپ سے عاری چہرہ ان کے ہزار میک اَپ زدہ چہروں سے کہیں زیادہ حسین تھا۔

بات صرف وہیں تک نہیں رہی تھی بلکہ ہر آنے جانے والا عشیرہ کے حسن کی تعریف کرتا تھا اور رفتہ رفتہ عشیرہ کو پیچھے ہٹایا جاتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ گھر کی تقاریب سے بھی اس کا بائی کاٹ کر دیا گیا تھا۔

حقارت کی کون سی صورت تھی جو اس کے لئے نہیں تھی......؟ کون سا عذاب تھا جو اس پر توڑنے کے انتظامات نہیں کئے گئے تھے......؟ لیکن ہر

عذاب کو خاموشی سے جھیلنا اس کی زندگی کا مقصد تھا۔ اس کی زندگی میں کوئی بہار نہیں تھی۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کا مستقبل کیا ہوگا......؟

بہرحال بستر پر بیٹھی وہ انہی خیالات میں نہ جانے کب تک کھوئی رہی......؟ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی نے تین بجائے اور وہ خیالات کے بھنور سے نکل آئی۔ ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ اگر لیٹ گئی تو شاید نیند آ جائے۔ اور یہ نیند اس کے لئے قیامت ہوتی۔ اگر ذرا بھی دیر ہو جاتی تو گھر والے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔

کمرے میں تنہا بیٹھے بیٹھے دل گھبرانے لگا۔ باہر لو چل رہی تھی ورنہ باغ میں ہی چلی جاتی۔

''اونہہ......! لو کیا کر لے گی......؟ اچھا ہے بیمار ہو جاؤں...... کچھ دن تو سکون مل جائے گا۔ مر بھی جاؤں تو کیا ہے......؟ کون سی قیمتی زندگی ہے جو کسی کو تکلیف ہوگی......؟''

اس نے سوچا اور یہ سوچ اس قدر شدید ہوئی کہ وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ باہر قدم رکھتے ہی گرمی کی حقیقت معلوم ہوئی۔ لیکن اب کمرے میں بھی نہیں رہا جا سکتا تھا۔

وہ گرمی کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتی رہی اور راہ داری سے نکل کر صدر دروازے پر آ گئی۔ صدر دروازے کے باہر دُھوپ کا راج تھا اور یہ دُھوپ بھی روایتی دُھوپ تھی۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ چیل انڈہ چھوڑ دیتی ہے۔ حالانکہ اس محاورے کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

''چیل انڈہ چھوڑ دیتی ہے...... کیا مطلب ہوا اس بات کا......؟''

اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر خود ہی خود مسکراتی ہوئی صدر

دروازے سے باہر نکل آئی۔

درحقیقت یہ جملہ اس وقت صرف محاورہ نہیں تھا کہ آگ برس رہی ہے۔ گھاس زرد ہو رہی تھی۔ البتہ املی کا وہ گھنا اور سایہ دار درخت جھوم رہا تھا جس کے نیچے مالی کی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت مالی بیچارہ بھی اپنے کوارٹر میں گھسا ہوا تھا۔

تمام ملازموں کے کوارٹروں کے دروازے بند تھے۔ کچھ ملازم جو ڈیوٹی پر تھے وہ اندر تھے اور باقی اپنے کوارٹر میں آرام کر رہے تھے۔

املی کا یہ گھنا درخت اسے ہمیشہ سے پسند تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کے سائے میں دُھوپ دم توڑ دیتی تھی۔ وہ تیز قدموں سے درخت کی طرف بڑھ گئی اور اس کے نیچے پہنچ گئی۔ بلاشبہ یوں لگا تھا جیسے جہنم سے نکل کر جنت میں آگئی ہو۔ مالی کی خالی چارپائی پر اس نے قبضہ کرلیا اور پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

درخت کے پتے لو سے ہل کر ایک دلکش نغمہ بکھیر رہے تھے۔ وہ اس نغمے میں گم ہوگئی اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے تمام غم بھول گئی۔ دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ ویرانی اسے اپنے مقدر کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن املی کا یہ درخت ہمدرد تھا، وہ اسے گیت سنا رہا تھا۔

اس کی نگاہیں ایک چمکدار نقطے پر جم گئیں اور ذہن نہ جانے کن کن خیالات کا مرکز بن گیا۔ نہ جانے کیا کیا سوچیں دامن گیر ہوگئیں......؟

۔ اچانک اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ چونک پڑی۔ اس وقت کون ہے جو اس کی طرح سر پھرا ہے......؟ اور باہر نکل آیا ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور اسے ایک سایہ سا متحرک محسوس ہوا۔ وہ سایہ اس کے پاس سے

گزر گیا تھا۔ لیکن پیچھے تو کوئی نہیں تھا۔ اس نے دائیں اور پھر بائیں دیکھا۔

''یہ کیسا سایہ تھا......؟''۔

اور پھر اس کے کانوں نے قدموں کی چاپ بھی سنی تھی۔

''اونہہ......! وہم بھی ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات تصور نہ جانے کیا کیا کچھ سنا اور دکھا دیتا ہے......؟ ممکن ہے کوئی گلہری سوکھے پتوں سے گزر کر درخت پر چڑھ گئی ہو اور ممکن ہے وہ سایہ درخت کی کسی شاخ کے ہلنے سے بنا ہو۔''

خاص طور سے تو اس نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور سوچنے لگی کہ اس کی طرح کوئی اور تو دیوانہ نہیں ہوسکتا جو اس شدید گرمی میں باہر نکل آئے۔ سو فیصدی اس کا وہم ہوگا۔ کچھ ایسے ہی عجیب وغریب واقعات سے واسطہ پڑ رہا تھا۔

اس دن مزار کے سامنے کا واقعہ آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

کون تھا جس نے اسے سنبھالا تھا......؟ اور پھر وہ آواز...... وہ آواز تو بالکل وہم نہیں تھی۔ وہ اس آواز کو اپنے ذہن میں اس وقت بھی سن رہی تھی۔

''بسم اللہ......! اس طرح باہر نہ نکلا کریں۔ یہ گزرگاہ ہے اور یہاں سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔ جائیے براہِ کرم اندر جائیے......!''

''گزرگاہ......!

گزرنے والے

اور وہ آواز......!

یہ سایہ......!

توبہ ہے......!

کن احمقانہ حرکتوں میں پڑتی جا رہی ہوں میں بھی......؟ میرا اپنا بھی سایہ ہو سکتا ہے جو مُڑنے سے پڑا ہوگا۔''

وہ اپنے ذہن سے یہ خیال جھٹکنے کی کوشش کرنے لگی اور پھر اسی چمکدار نقطے کو تلاش کرنے لگی جس پر پہلے نگاہیں جمائے سوچوں میں گم تھی۔ ایسے نقطے اکثر نمودار ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ نقطہ جو اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کی جڑ میں تھا، چند ہی لمحوں میں وہ نقطہ اسے مل گیا۔ لیکن اس بار وہ بے خیالی کے عالم میں نظر نہیں آیا تھا بلکہ کوئی ٹھوس حقیقت تھی۔

اس نے اب اس چمکدار شئے کو غور سے دیکھا جسے وہ صرف پہلے اپنا خیال سمجھ رہی تھی اور اس کے بارے میں اس نے ابھی تک نہیں سوچا تھا۔ اب جو غور کیا تو اسے سفید سی چمکدار چیز نظر آئی اور یہ چیز صرف ایک تصور نہیں بلکہ حقیقت تھی۔

وہ چارپائی سے اُٹھ کر اس کی طرف بڑھ گئی اور اس نے اس دوسرے درخت کی جڑ سے وہ دُودھیا رنگ کا خوب صورت پتھر اُٹھا لیا جو دل کی شکل میں ترشا ہوا تھا اور اس کے کچھ حصوں پر مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے یہ مٹی دوپٹے سے صاف کی اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔

''کیسا خوب صورت پتھر ہے۔ نہ جانے کہاں سے آیا......؟ قیمتی بھی لگ رہا ہے...... ممکن ہے کسی زیور سے نکل گیا ہو...... لیکن اس درخت کے نیچے کہاں سے پہنچ گیا......؟ اور پھر اس کی تراش بھی ایسی نہیں تھی کہ کسی زیور سے اُکھڑا ہوا معلوم ہوا۔ اس کے علاوہ کافی پرانا بھی معلوم ہوتا ہے۔''

وہ پتھر کو ہتھیلی پر رکھ کر حیرت سے دیکھنے لگی اور اس نے دل ہی دل

میں تسلیم کیا کہ وہ بے حد حسین اور جاذبِ نگاہ پتھر ہے۔ اسے یہ پتھر بے حد پسند آیا اور اس نے سوچا کہ اب اس کی تاریخ تو اسے پتہ نہیں چل سکتی تھی کہ کہاں سے آیا اور کہاں سے یہاں تک پہنچا......؟ لیکن اس قابل ہے کہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھا جائے۔

ہاں اگر کسی نے یہ کہا کہ اس کے کسی زیور کا کوئی پتھر گم ہو گیا ہے تو پھر اسے واپس کر دیا جائے گا۔

کوٹھی میں مہمان آتے رہتے تھے۔ باغ کی سیر بھی کی جاتی تھی۔ ان میں بڑے آدمیوں کی بیٹیاں بھی ہوتی تھیں۔ بیگمات بھی ہوتی تھیں۔ معظم علی صاحب کے ملنے جلنے والوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ اگر اسے کہیں سے پتہ چلا کہ کوئی کسی قیمتی پتھر کی تلاش میں ہے تو وہ اسے واپس کر دے گی۔

اس خیال کے تحت اس نے اسے مٹھی میں دبایا اور واپس چارپائی پر آ بیٹھی۔ لیکن بیٹھنے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک پتھر کو ہتھیلی پر رکھ کر دیکھتی رہی تھی۔

''بالکل دل کی شکل کا ہے۔ نہ جانے کون سے پتھر سے تراشا گیا ہے......؟ ممکن ہے پلاسٹک کا ہی ہو۔ لیکن پلاسٹک کا ہوتا تو اتنا وزنی نہ ہوتا۔''

کچھ بھی ہو اب تو وہ اس کا اپنا ہے اور اس نے اسے رکھ لیا۔ اسی وقت اس کے کانوں میں ایک مردانہ آواز اُبھری۔

''شکریہ......! یہ آپ ہی کے لئے ہے......!''

وہ پھر اُچھل پڑی۔

اس بار اس کے کانوں نے دھوکہ نہیں کھایا تھا۔ یہ مردانہ آواز ایک لمحے کے اندر جانی پہچانی محسوس ہوئی تھی۔ لیکن اسے یاد نہ آیا کہ یہ آواز اس نے

کہاں سنی تھی......؟ البتہ وہ الفاظ اب بھی اس کے کانوں میں اُبھر رہے تھے۔ وہ بدحواسی سے کھڑی ہوگئی اور پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''کون ہے......؟''

لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

البتہ اسے وہ چاپ اور سایہ یاد آگیا۔ ایک بار پھر وہ بوکھلا گئی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ چلچلاتی دُھوپ اور لو کے تھپیڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

پھر اس کی نگاہ درخت کی طرف اُٹھ گئی۔ ممکن ہے کوئی اوپر درخت پر چھپا ہوا اسے پریشان کر رہا ہو۔ لیکن اوپر بھی کسی کا وجود نہیں تھا۔ درخت بالکل صاف پڑا ہوا تھا۔

ایک دم اسے کچھ خوف کا احساس ہونے لگا اور وہ چارپائی سے دُور ہٹ گئی۔ وہ پتھر اب بھی اس کے پاس موجود تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ تاحد نظر کسی کا وجود نہیں تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے صدر دروازے کی جانب چل پڑی اور پھر دوبارہ اپنے کمرے میں آگئی۔

اس کا سینہ پھول پچک رہا تھا۔ سانس بہت تیز ہوگیا تھا۔ بات ہی اتنی عجیب تھی۔ اسے اپنے کانوں پر پورا بھروسہ تھا اور اس نے صاف طور پر شکریہ اور اس کے بعد کے الفاظ سنے تھے۔

کافی دیر تک وہ اسی طرح کھڑی حیرت سے کانپتی رہی۔ پھر اس کی نگاہ گھڑی کی جانب اُٹھ گئی۔ چار بجنے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔ وہ سب کچھ بھول کر خود کو باورچی خانے کے لئے تیار کرنے لگی۔

بدن پر اب بھی ہلکی ہلکی کپکپاہٹ طاری تھی۔ مٹھی میں دبے ہوئے پتھر کو اس نے مسہری کے سائیڈ ریک میں رکھ دیا اور باتھ روم میں چلی گئی۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں نے چہرے کی تمتماہٹ کو بڑا سکون دیا۔ وہ کافی دیر تک چہرے اور آنکھوں کو پانی سے نم کرتی رہی۔ پھر تازہ دم ہوکر باہر نکل آئی۔

پورے چار بجے تھے۔ کمرے سے نکل کر وہ باورچی خانے میں پہنچ گئی۔ باورچی خانے میں داخل ہوکر اس نے اپنے ذہن سے کچھ دیر پہلے کا واقعہ محو کر دیا اور اپنے ذہن میں شام کی چائے کے لئے فرمائشات کی اس فہرست کو ٹٹولا جو گھر کے حاکموں نے اسے دی تھی۔ سب کی فرمائشیں پوری کرنا لازمی تھا۔

چنانچہ وہ جلدی جلدی تیاریاں کرنے لگی اور ٹھیک پانچ بجے وہ خوب صورت ٹرالی کو انواع و اقسام کے لوازمات سے سجائے ہوئے مشیرہ بیگم کے بڑے کمرے میں پہنچ گئی۔ باہر کا موسم ابھی تک گرم تھا اس لئے لان پر چائے پینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا اور پھر یوں بھی گرمیوں میں تو پانچ بجے بھی دوپہر ہوتی ہے۔

برف کی طرح ٹھنڈے کمرے میں سب لوگ صوفوں پر بیٹھے قہقہے لگا رہے تھے۔ جوں ہی وہ اندر داخل ہوئی، قہقہے ایک لمحے کے لئے رُک گئے اور پھر جاری ہوگئے۔ جیسے اسے یہ احساس دلایا جا رہا ہو کہ اس کی یہاں آمد سے کسی کے مشغلوں پر کوئی اثر نہیں پڑا اور وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

وہ ان تمام باتوں کی عادی تھی۔ اس لئے اس نے تاثر کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ یہ تو روز کا معمول تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہی اور اس نے سلیقے سے سینٹر ٹیبل درست کی۔ چائے اور دوسری چیزیں سرو کر دیں۔ باورچی

خانے کی گرمی میں اس کا چہرہ تمتما کر آگ ہوگیا تھا۔ خشک ہونٹ اور بھبھوکا چہرہ اور اپنی اس ادا میں بھی وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"اس گرمی میں بھی تمہیں میک اَپ کی فرصت مل جاتی ہے عشیرہ......!"

نظم نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میک اَپ......؟"

اس نے حیرت سے نظم کو دیکھا۔ اس نے تو زندگی میں کبھی میک اَپ نہیں کیا تھا۔

"اونہہ......! موا رنگ ہی اپنا ہے۔ اجی......! ایک بات ہے۔ تم لوگ سونے کے نوالے بھی کھاؤ تو ایسا رنگ نہ نکال سکو۔ اللہ میاں بھی بعض اوقات خوب مذاق کرتا ہے۔"

مشیرہ بیگم نے فوراً ہی ٹکرا لگایا۔ لیکن ان کی اس بات میں بھی نظم اور نثر نے اپنی تضحیک محسوس کی تھی۔

"آپ جب بھی بولیں گی...... کفن پھاڑ کر ہی بولیں گی مشیرہ خالہ......!"

نثر نے منہ بنا کر کہا۔

"ایں......! میں نے کیا بات کہہ دی......؟"

"ہونہہ......!"

وہ دونوں منہ بنا کر خاموش ہوگئیں۔

وہ باہر نکل آئی۔ ابھی بہت سے کام تھے۔ سورج اب بھی قہر برسا رہا تھا۔ لیکن وہ گرمی سے بے خبر کاموں میں مصروف ہوگئی۔ شام ہوئی اور پھر رات

ہوگئی۔ اس دوران اپنی شدید ترین مصروفیات کی بناء پر وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔

درخت کے نیچے ملنے والا پتھر......

شکریہ کے وہ الفاظ......

کوئی بات اسے یاد نہ رہی تھی۔ گیارہ بجے کے قریب جب سب کے سب اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے تب اسے فرصت ملی اور وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے گہری گہری سانسیں لیں۔ دن بھر کی تپش کے بعد کمرہ اب بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے مسہری پر بیٹھ گئی۔ آئینہ سامنے موجود تھا۔ اس نے فخریہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کا ہمدم اور مونس اس کا آئینہ ہی تو تھا جو اس کو کبھی کبھی اس کی اہمیت کا احساس دلا دیتا تھا۔

اور وہ سوچنے لگتی تھی کہ کچھ بھی ہو، وہ اب بھی ان سب سے اچھی، سب سے باوقار لگتی ہے۔ شاید ان کی ضرورت سے زیادہ جلن کی یہی وجہ ہو۔ دادی اماں کے انتقال کے بعد خاص طور سے اس کے لئے سادہ اور معمولی کپڑے کے لباس بنتے تھے جیسے دوسری نوکرانیوں کے پاس ہوا کرتے تھے۔ یہ بات اس نے فوراً ہی محسوس کر لی تھی لیکن مزاج ایسا تھا کہ کسی بھی سلسلے میں اعتراض نہیں کر سکتی تھی۔

ہاں......! اس کی مرحوم ماں کے چند جوڑے اب بھی موجود تھے۔ قیمتی جوڑے جو نہ جانے کیوں اس سے نہیں لئے گئے تھے......؟ اس سے پہلے اسے کبھی اس طرح کے جوڑے پہننے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ لیکن آج نہ جانے کیوں اس کا دل چاہا کہ کوئی اچھا لباس پہنے......؟ اور یہ خواہش اتنی شدید ہوئی

کہ وہ اس سے باز نہ رہ سکی۔

اس نے الماری کھول کر ایک خوب صورت جوڑا نکالا اور غسل خانے میں جا کر اسے پہننے لگی۔ زرکار جوڑے نے اسے سحر انگیز بنا دیا۔ اس نے باہر نکل کر آئینے میں اپنی شکل دیکھی اور خود ہی شرما گئی۔

کاش......! اس وقت اسے دیکھنے والا کوئی ہوتا اور ایمانداری سے اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتا۔ اس نے سوچا اور دفعتہً اسی وقت ایک آواز اس کے کانوں میں گونج اُٹھی۔

''چشم بددور......!''

وہ گرتے گرتے بچی تھی۔

یہ آواز بالکل صاف شفاف آئی تھی۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دیکھا۔ لیکن دروازہ تو اندر سے بند تھا۔ اس نے مسہری اور پھر کمرے کے دوسرے کونوں میں دیکھا لیکن کوئی نہیں تھا۔

''یہ میرے کان کیوں بجنے لگے ہیں آخر......؟ اس وقت شکریہ کی آواز اور اب......''

اس تصور کے ساتھ اچانک ہی ایک اور انکشاف بھی ہوا۔ شکریہ والی آواز اس آواز سے مختلف نہیں تھی اور اس سے بھی پہلے اس نے یہ آواز سنی تھی اور اب پہلی بار اس پر غور کیا تھا۔

''آہ......! یہ نرم نرم انداز......!''

یہ آواز اس سے پہلے بھی اس نے سنی تھی۔ وہاں جب ایک دوہتھڑ اس کے جسم پر پڑا تھا اور وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ کسی نے اسے اپنے بازو میں تھام لیا تھا۔

''مم......مگر کون......؟ کون تھا وہ......؟ کیا صرف وہم......؟ آہ......! کیا وہ صرف وہم تھا......؟''

لیکن اس وقت تو اس نے اس کا لمس بھی محسوس کیا تھا اور آواز جس میں اسے نصیحت کی گئی تھی کہ وہ یہاں نہ آئے۔

''کون ہے وہ......؟ نہیں......! بالکل نہیں......! میں کچھ پاگل ہوگئی ہوں۔ شاید......شاید مجھے کوئی عجیب سا احساس ہونے لگا ہے۔''

اس نے پھر دل کو تسلی دی اور آئینے کے سامنے سے ہٹ آئی۔

رات اپنی تھی۔ اب کسی کے بلانے کے امکانات نہیں تھے چونکہ سب خواب گاہوں میں جا چکے تھے، وہ انہی کپڑوں میں بستر پر آلیٹی اور تکیہ اونچا کر کے دراز ہوگئی۔ لیٹے لیٹے اسے اچانک ہی اس خوب صورت پتھر کا خیال آ گیا۔

اس نے جلدی سے مسہری کے برابر کی دراز کھولی اور پتھر نکال لیا۔ اس بار اس نے بالکل اجنبی نگاہوں سے اس پتھر کو دیکھا تھا اور سوچا تھا کہ کیسا پیارا پتھر ہے......؟ پھر اسے چمکانے کے لئے اس نے اسے اپنے لباس سے رگڑا۔ پتھر درحقیقت ایک دم سے بھڑک سا اُٹھا۔ لیکن اس کے ساتھ کمرے کے اوپر روشن دان سے کوئی پرندہ اندر گھس آیا۔ وہ حیرانی سے اس پرندے کو دیکھنے لگی۔ پرندہ فضاء میں کئی چکر لگا کر اسی روشن دان سے باہر نکل گیا۔ لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں تھی۔

اس کے بعد اچانک اور دو تین پرندے اندر گھس آئے اور وہ سکتے کے عالم میں انہیں دیکھتی رہ گئی۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ چمگادڑیں تھیں۔ ان میں سے تین چمگادڑیں نیچے اُتر آئیں اور اچانک ان کی جسامت بڑھنے لگی۔ عشیرہ کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ وہ انتہائی خوفزدہ ہوگئی تھی اور اس کی آنکھوں

سے دہشت جھانکنے لگی تھی۔

اس نے بغور دیکھا کہ یہ چمگادڑیں انسانی ہیئتِ اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ عجیب سی شکلیں تھیں ان کی۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز بھی دہشت کی وجہ سے نہ نکل سکی۔ خوف سے اس کے پورے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ اسی وقت ایک چمگادڑ نے گردن خم کر کے کہا۔

''ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے عشیرہ......! ہم تمہارے اپنے ہیں۔ ہم کسی بھی حالت میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ تمہارے ایک اشارے پر بڑے سے بڑا کام کر دیں گے۔ ہم سے بالکل خوف نہ کھاؤ۔ کاش ہم کسی خوب صورت شکل میں تمہارے سامنے آتے اور تم ہم سے خوفزدہ نہ ہوتیں۔''

عشیرہ یہ تمام باتیں سن رہی تھی، بڑے صاف شفاف الفاظ تھے اور وہ دیکھ رہی تھی کہ یہ الفاظ ان چمگادڑوں کے منہ سے ہی نکل رہے ہیں۔ ان کے انداز میں یقیناً احترام تھا۔

اس نے سوچا کہ کیا وہ پاگل ہوگئی ہے......؟ کیا یہ خواب ہے......؟ وہ آنکھیں ملنے لگی۔

لیکن وہ خواب نہیں تھا۔ درحقیقت عجیب وغریب مخلوق اس کے سامنے تھی۔ ان کی شکلیں بے شک بھیانک تھیں لیکن الفاظ اور لہجہ بے حد نرم تھا۔

عشیرہ کو اچانک ہی یوں لگا جیسے اس کے اندر ہمت کی ایک لہر بیدار ہوتی جا رہی ہو۔ وہ ہمت کر کے بولی۔

''تت......تم......تم کون ہو......؟''

''اب تمہارے خادم......تمہارے غلام......ہمیں حکم دو ہم......ہم کیا کریں......؟ ہم تمہارے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں عشیرہ......! ہمیں حکم دو......!''

''مم......مگر تم تو......تم تو پرندے ہو۔''

وہ معصومیت سے بولی۔

''ہم کیا ہیں......؟ اس کا اندازہ تمہیں ابھی نہیں ہو سکے گا عشیرہ......! ہمیں ہمارے مالک نے بھیجا ہے۔''

''مالک......؟ وہ کون......؟''

''افسوس......! ہمیں یہ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔''

جواب ملا۔

''مم...... مگر میری بات تو سنو......! مم...... میں...... میں......''

''ہمیں حکم دیں عشیرہ......! ہم آپ کے لئے کیا کریں......؟''

''دیکھو......! میں ڈر رہی ہوں...... مجھے ڈر لگ رہا ہے...... میرے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا ہے...... میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔''

''نہیں......! آپ ہم سے بالکل خوف نہ کھائیں...... غلاموں سے خوف نہیں کھایا جاتا۔''

''مگر تم میرے غلام کہاں سے ہوگئے......؟''

''یہ بتانے کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔ وقت آنے پر آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

''اور وہ وقت کب آئے گا......؟''

''بہت جلد......! بہت جلد......! جب ہمارے آقا کا حکم ہوگا۔''

''مم...... میری...... میری بات سنو......! میری بات تو سنو......!''

''عشیرہ......! آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں، ہم ان کے ساتھ برا سلوک کریں۔''

''میں صرف ایک بات جاننا چاہتی ہوں۔ میں نہ بے وقوف ہوں نہ خوابوں میں رہنے والی...... یہ سب کچھ جو میں سن رہی ہوں...... جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں...... خواب ہے کہ حقیقت......؟''

''یہ حقیقت ہے۔ آپ کے برے دن گزر گئے۔ اب کوئی آپ کو آنکھ نہیں دکھا سکے گا۔ ہم آپ کے خدمت گار ہیں۔ ہم آپ کی خدمت کے لئے ہر لحظہ حاضر ہیں۔''

عشیرہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

عجیب و غریب پرندے ایک کارنس پر بیٹھ گئے تھے اور اس طرح گردن جھکائے ہوئے تھے جیسے واقعی وہ اس کے غلام ہوں۔

کبھی کبھی عشیرہ کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی چمک اُٹھتی تھی اور وہ سوچتی تھی کہ اگر یہ کوئی خواب ہے تو واقعی اس سے انوکھا خواب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ خواب ناک آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی اور پرندے اسی طرح بیٹھے رہے۔ پھر ان میں سے ایک پرندے نے کہا۔

''ہمیں کوئی کام بتائیے......! آپ کا کوئی بھی کام کر کے ہمیں خوشی ہوگی۔''

عشیرہ ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

''بھلا میں تمہیں کیا کام بتاؤں......؟ تم کیا کام کر سکتے ہو......؟''

''وہ سارے کام جن کی آپ کو ضرورت ہو۔ آپ بے دھڑک ہمیں اپنے کام بتا دیا کریں۔''

''تم ننھے ننھے سے پرندے...... بے شک تمہاری شکلیں انسانوں جیسی ہیں، لیکن تمہارے ہاتھ پاؤں تو انسانوں جیسے نہیں ہیں۔ ان ننھے ننھے ہاتھ پیروں سے بھلا تم کیا کر سکو گے......؟''

''وہ سب کچھ جس کا حکم آپ ہمیں دیں گی......!''

''چلو ٹھیک ہے......! جب مجھے کوئی کام ہوگا تو میں تمہیں بتا دوں گی۔ اب تم جاؤ......!''

عشیرہ نہ جانے کیوں کچھ بے خوف سی ہوگئی تھی......؟ شاید اب اسے یقین ہوگیا ہوگا کہ وہ کوئی بہت ہی دِلچسپ خواب دیکھ رہی ہے۔ ایک ایسا خواب جو جاگتی آنکھوں سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ ان پرندوں کو دیکھتی رہی اور پرندے اپنی جگہیں تبدیل کرتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہم حاضر ہوتے رہیں گے۔ اگر آپ ہم سے خوف کھاتی رہیں تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ آپ دل سے خوف نکال دیں۔ ہمارے جانے کے بعد آپ کو نیند نہیں آئے گی اور آپ یقیناً ہمارے بارے میں سوچتی رہیں گی۔ اس لئے آپ یہ شربت پی لیں۔ آپ کو پرُسکون نیند آجائے گی۔''

ان میں سے ایک نے ہاتھ بڑھایا اور عشیرہ نے اس کے ہاتھ میں ایک خوب صورت بلوری گلاس دیکھا جس میں ہلکے گلابی رنگ کا کوئی شربت تھا۔ عشیرہ حیران ضرور تھی لیکن نہ جانے کیوں اس کا ہاتھ گلاس کی جانب بڑھ گیا۔

دُودھ جیسے گاڑھے شربت سے نفیس خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ نہ جانے وہ

کیا تھا......؟ اس نے ان تینوں کو دیکھا اور گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر منہ سے لگا لیا۔ پھر گلاس اسی وقت ہٹا جب شربت ختم ہوگیا۔

اتنا خوش ذائقہ شربت اس سے قبل اس نے کبھی نہیں پیا تھا۔ ایک لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا جسم پھول کی طرح ہلکا ہوگیا ہو۔ پورے بدن میں ایک خوش گوار سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

اور پھر اچانک اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ وہ آنکھوں کو بھینچ کر سر جھٹکنے لگی لیکن نیند اس طرح ٹوٹی کہ فوراً ہی تکیے پر سر رکھ کر گرہی نیند سو گئی۔

اور پھر صبح کو جب اس کی آنکھ کھلی تو دُھوپ کا ایک دھبہ اس کی مسہری کے سامنے دیوار پر موجود تھا۔ یہ دھبہ ٹھیک پونے آٹھ بجے یہاں تک پہنچتا تھا۔

اچانک ہی اس کے ذہن پر ایک ضرب سی لگی۔

"پونے آٹھ بج گئے......؟ آ گئی موت......!"

اس نے بدحواسی سے سوچا۔ ٹھیک آٹھ بجے گھر کے تمام افراد ناشتے کی میز پر ہوتے تھے اور انہیں ناشتہ دے دینا اس کی ذمے داری ہوتی تھی۔

"گویا صرف پندرہ منٹ باقی ہیں......!"

اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"آج ضرور موت آجائے گی۔ اسے ناشتہ نہیں ملا تو وہ سب کے سب اسے کھا جائیں گے۔"

صرف ایک لمحے یہ سوچ ذہن پر رہی اور اس کے بعد وہ بجلی کی طرح مسہری سے اُٹھ گئی۔ اس کے جسم پر وہی کپڑے تھے جو اس نے رات کو تبدیل کئے تھے۔ اس وقت یہ کپڑے بھی اس کے لئے وبالِ جان بن گئے۔

"انہیں اُتارنے میں بھی دو تین منٹ خرچ ہو جائیں گے۔"

اور اگر انہوں نے اسے ان کپڑوں میں دیکھ لیا تو مزید مصیبت آئے گی۔

"میرے اللہ......! مشکل آسان کر......!"

اس کے حلق سے رُندھی ہوئی آواز نکلی۔ کپڑے بدلنا ضروری تھا ورنہ ہزاروں سوال کئے جاتے۔ پوچھا جاتا کہ بی بی رات کو تیار ہو کر کہاں گئی تھیں......؟ خاص طور سے مشیرہ بیگم جو اس کے لئے بہت بڑا عذاب تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے ان کی ڈیوٹی صرف اسی پر لگی ہو۔ ایک ایک بات پر نکتہ چینی، کپڑے بدلنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

اس نے بڑی پھرتی سے کپڑے بدلے، منہ پر اُلٹے سیدھے چھینٹے مارے، بالوں کو بھی نہیں سنوارا اور باورچی خانے کی طرف چوروں کی طرح دوڑی کہ کوئی اسے راستے میں دیکھ نہ لے۔

مشیرہ خالہ کی لعن طعن اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"گھوڑی ہو رہی ہے، دیوانی ہوگئی ہے، کیسی مست نیند سوتی ہے، کم بخت سوگئی ہوگی۔ ذرا دیکھو طاہرہ......! اس کا کوئی حل نکالو...... یہ ہاتھوں سے نکلی جاتی ہے۔"

اسی طرح کی بے شمار باتیں، ہانپتے کانپتے دل سے وہ باورچی خانے میں داخل ہوگئی۔ اسے تو کوئی بہانہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت نہیں تھی۔

دروازے سے اندر قدم رکھا تو اچانک ہی دل پر ایک گھونسہ سا پڑا۔

پاؤں اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔ ہاتھ پاؤں کچھ اور پھول گئے۔ نہ جانے ناشتہ کس نے تیار کیا تھا۔ تمام ناشتہ تیار تھا۔ چائے کا پانی کیتلی میں کھول رہا تھا۔ ہر چیز قرینے سے لگی تھی۔

''یا خدا......! کیا گھر والوں نے اسے سوتے ہوئے دیکھ لیا ہے......؟ کسی اور نے ناشتہ تیار کیا ہے......؟ اگر یہ بات ہے تو پھر تو آج سارے بال نوچ لئے جائیں گے۔

آہ......! یہ سب کچھ کس نے کر ڈالا......؟ ویسے گھر میں نظم اور نثر کو تو یہ سلیقہ نہیں تھا کہ اتنی نفاست سے پورا باورچی خانہ سنبھال دیں۔ انہیں تو اگر یہ کام سونپا جاتا تو پورا دن لگا کر بھی وہ یہ سب کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

کیا ہوا......؟ کیا ہوا......؟ کس نے کیا......؟''

اب پیچھے سے کوئی آئے گا۔ اس کی چوٹی پکڑی جائے گی اور اسے لات مار کر باورچی خانے سے نکال دیا جائے گا۔

''جب نیند ہی تجھ پر ٹوٹ پڑی ہے تو پھر یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟ بھول جا اس بات کو کہ تو ہی ہمیں کھانے پینے کو دے گی......اس سے پہلے بھی اور کچھ کیا جا سکتا ہے......؟''

پھر وہ نوکروں کے بارے میں سوچنے لگی۔ کوئی نوکرانی اتنی باسلیقہ نہیں تھی کہ یہ سارے کام کر ڈالتی۔

''آہ......! پھر کس نے یہ سب کچھ کیا ہے......؟ بہرحال اب جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔''

اس نے بھاری بھاری قدم اُٹھائے اور چائے کا پانی اُتار لیا۔ اسے دوسری کیتلی میں ڈال کر پتی ڈالی اور سرپوش ڈھک دیا۔ پھر تمام چیزیں اس

نے ٹرالی پر سجائیں۔

دل میں ہول اُٹھ رہا تھا کہ اب کسی طرف سے کوئی آیا اور اس پر بم پھٹا۔ لیکن کوئی نہیں آیا۔ وہ سہمے سہمے قدموں سے ٹرالی دھکیلتی ہوئی باورچی خانے سے نکل آئی اور ناشتے کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے مجرم پھانسی کے تختے کی جانب لے جایا جاتا ہے۔ ناشتے کے کمرے میں حسب معمول سب موجود تھے۔ وہ نظریں اُٹھائے کانپتے ہوئے دل کے ساتھ میز کے قریب پہنچی۔ سب خاموش تھے جیسے کوئی بہت ہی اہم بات ہوگئی ہو۔

اس نے ناشتہ میز پر لگایا۔ بدن تھا کہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو رہا تھا۔ آخر کانپتے ہاتھوں سے اس نے ناشتہ سرو کر دیا۔ کسی نے کچھ نہیں کہا اور ناشتے میں مصروف ہوگئے۔

اب اس کے اندر حیرت جاگ رہی تھی۔ اس نے نظریں اُٹھا کر ان سب کے چہروں کو دیکھا۔

کیا وہ سب پاگل ہوگئے ہیں......؟ اگر نہیں تو انہوں نے اس ناشتے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھا کیوں نہیں......؟ اسے برا بھلا کیوں نہیں کہا......؟

لیکن ان میں سے کسی کے چہرے پر ایسے آثار نہیں تھے۔

''یا خدا......! یا خدا......! یہ کیا ماجرا ہے......؟ کیا ان لوگوں میں سے کسی نے ناشتہ تیار نہیں کیا......؟''

اچانک ہی مشیرہ خالہ نے پیالی آگے بڑھائی۔

''میرے لئے چائے ڈال دے......!''

وہ کسی مستعد بیرے کی طرح آگے بڑھی۔ اس نے مشیرہ خالہ کی پیالی میں چائے بنائی اور پیچھے ہٹ گئی۔

''پھر بھول گئی...... اللہ توبہ......! اری دیدہ اُچھال...... دیدہ اُچھال...... روزانہ کہتی ہوں میری چائے میں نمک ڈال دیا کر...... مگر شہزادیوں کو بھلا غلاموں کی باتیں کہاں یاد رہ سکتی ہیں......؟''

عشیرہ خالہ کو آخر کار موقع مل ہی گیا۔

اس نے جلدی سے اپنی غلطی محسوس کر لی اور نمک دان سے تھوڑا سا نمک نکال لیا۔ لیکن مشیرہ خالہ کو جلن نکالنے کا بہترین موقع ملا تھا۔ وہ اس موقع کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتیں......؟ انہوں نے لپک کر اس کے ہاتھ سے نمک دانی چھین لی۔

''بس بس......! احسان مت کر میرے اوپر...... اب تو میں بھی ڈال سکتی ہوں۔ تیرے زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟''

وہ نمک دانی لے کر کرسی پر بیٹھیں۔ لیکن نہ جانے کرسی کیسے پیچھے کھسک گئی......؟ مشیرہ خالہ بری طرح نیچے گریں۔ گرتے گرتے انہوں نے میز کی ٹاپ پکڑنے کی کوشش کی لیکن چائے کی پیالی ہاتھ میں آ گئی۔ نتیجے میں وہ نیچے گریں اور چائے ان کے اوپر۔

مشیرہ خالہ کی چیخوں نے زمین آسمان ایک کر دیا تھا۔ چائے کھولتی ہوئی تھی اور ان کے چہرے اور سینے پر پڑی تھی۔ وہ ذبح کئے ہوئے بکرے کی طرح ڈکارتی اور کبوتر کی طرح پھڑ پھڑاتی ہوئی لوٹیں لگانے لگیں اور سب لوگ اپنی اپنی کرسیوں سے اُٹھ کر ان پر دوڑ پڑے۔

طاہرہ بیگم ہانپتی ہوئی بولیں۔

''ارے......! یہ ناشگنی جو کچھ نہ کرا دے کم ہے...... ارے......! خدا کے لئے میری بہن کو بچاؤ......! ارے خدا کے لئے......!''

وہ مشیرہ بیگم پر جھک گئیں۔ مشیرہ بیگم کے حلق سے صرف ایک ہی آواز نکل رہی تھی۔

''ہائے......! میں مرگئی......! ہائے......! مار ڈالا......! ہائے......! میں مرگئی......! ہائے......! مار ڈالا......!''

بہرحال دوسرے لوگ بھی مشیرہ بیگم کی جانب متوجہ تھے۔ اس لئے عشیرہ کو ڈانٹنے ڈپٹنے کا موقع نہیں ملا تھا انہیں۔ سب سے پہلے مشیرہ بیگم کے لئے کچھ کرنا تھا۔ تمام گھر والے ناشتہ وغیرہ تو بھول گئے۔ مشیرہ بیگم کی دیکھ بھال ہونے لگی۔

تایا ابو ڈاکٹر کو فون کرنے کے لئے دوڑ گئے۔ دوسرے لوگ مشیرہ خالہ کو اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جانے لگے۔ ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب ان تمام باتوں میں اس کا کیا قصور ہے......؟

مشیرہ خالہ کو تو ایسے موقعوں کی تلاش ہی رہا کرتی تھی۔ انہوں نے نمک ہی کو بہانہ بنا لیا۔ اول تو جہالت کی بات یہ تھی کہ چائے میں چینی کے ساتھ نمک بھی ڈالا جائے، لیکن بہرحال وہ جو کچھ نہ کرتیں کم تھا، ان کی حرکتیں اسی طرح کی ہوا کرتی تھیں۔

مگر اس وقت انہیں واقعی زبردست سزا ملی تھی۔ انہوں نے خود ہی اُٹھ کر نمک دانی چھیننے کی کوشش کی تھی۔ کرسی یقیناً ان کے پاؤں سے پیچھے کھسک گئی ہوگی اور وہ اسے دوبارہ برابر کرنا بھول گئی تھیں۔ حالانکہ اسے مشیرہ خالہ کے اوپر گرنے والی چائے سے پیدا ہونے والے اثرات کا بخوبی اندازہ

تھا۔

ایک دو بار چائے ہی سے اس کا بھی ہاتھ جلا تھا اور وہ جانتی تھی کہ جلن کیسی ہوتی ہے......؟ چنانچہ اسے افسوس بھی تھا۔ لیکن مشیرہ خالہ نے جہ طرح چیخم دہاڑ مچائی تھی، اس پر اسے ایک دم ہنسی آگئی۔

شکر تھا کہ اس وقت سارے لوگ کمرے سے باہر نکل گئے تھے ور یہ ہنسی بھی اس کے لئے عذابِ جان بن جاتی۔ البتہ دل میں اس نے سوچا غصے کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ ابھی وہ یہ سوچ کر پلٹی ہی تھی کہ اس کے کان قریب مکھی جیسی بھنبھناہٹ اُبھری۔

"آپ کے ساتھ برا سلوک کرنے والوں کا یہی انجام ہوگا عشیرہ.... جو بھی آپ کے ساتھ برا سلوک کرے گا، ہم اس کا برا حشر کردیں گے۔"

بڑے صاف ستھرے الفاظ تھے۔ آواز باریک سی تھی لیکن الفاظ پور طرح سمجھ میں آرہے تھے۔

وہ پھر خوف سے اُچھل پڑی۔ یہ الفاظ سماعت کا واہمہ نہیں تھے ا انہیں اچھی طرح محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اسے وہ خوف ناک لمبے دانتوں وا چمگادڑ نما مخلوق یاد آگئی اور اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھا۔

وہ معصوم اور سیدھی سادی ضرور تھی لیکن پے در پے واقعات کو نظر اندا نہیں کر سکتی تھی۔ تمام واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑی معلوم ہوتے تھے۔ اس مقصد ہے کہ کوئی پُراسرار قوت اس کی مدد کر رہی ہے۔

"لیکن کون......؟ آخر کون......؟"

❀ ❀ ❀

اس کا ذہن یہ گتھی حل نہیں کر پا رہا تھا۔

"پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے......؟"

کسی کی نظرِ عنایت اس پر ہوگئی ہے۔ بہت کچھ سوچتی لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔

املی کے درخت کے نیچے سے ملنے والا پتھر......

وہ پُراسرار آواز......

رات کو نظر آنے والی وہ خواب نما سچائی......

شربت......

اور پھر صبح کو ناشتے کی تیاری......

"یہ سب کیا ہے......؟"

اس کا دل لرز رہا تھا۔ لیکن دل ہی کے کسی گوشے میں ایک خوشی سی پھوٹ رہی تھی۔ ایک انجانی سی خوشی۔

وہ کون ہے جو اس کا اتنا ہمدرد ہے......؟ اور وہ نگاہوں کے سامنے کیوں نہیں آتا......؟

وہ دلکش آواز جسے اس نے شاہ غازی کے مزار پر سنا تھا اور جو اس کے بعد بھی اسے سنائی دی تھی۔

وہم نہیں تھا......سچائی تھی۔

بہت دیر تک وہ ناشتے کی میز کے پاس کھڑی سوچتی رہی۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد طاہرہ بیگم اندر داخل ہوگئیں۔ ان کا موڈ بری طرح خراب تھا۔ کہنے لگیں۔

''اب یہاں کھڑی سوگ کیوں منا رہی ہے......؟ جا خوشی سے ناچ گا......عیش کر...... تیری تو دلی مراد پوری ہوئی ہے......ہمیں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو تجھے......''

ابھی ان کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ بری طرح اُچھل پڑی اور پھر مسلسل اُچھلنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے منہ سے ''ارے......! ارے......!'' نکل رہا تھا۔

اچھے خاصے بھاری بدن کی مالک تھیں اور اتنے وزن کے ساتھ اُچھلنا ایک مشکل کام تھا۔ لیکن اس وقت وہ اس طرح اُچھل رہی تھیں جیسے پیروں کے نیچے اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ ساتھ ہی ان کے منہ سے ''ارے......! ارے......!'' کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر انہوں نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

''اری کم بخت......! دیکھ...... دیکھ تو سہی......! دیکھ تو سہی......! میری قمیص میں کیا گھس گیا ہے......؟''

تب عشیرہ کو معلوم ہوا کہ اُن کے اُچھلنے کی وجہ کیا ہے......؟ اس نے بمشکل تمام طاہرہ بیگم کے بدن میں پھنسی ہوئی قمیص کو اُٹھایا تو اس سے ایک چھپکلی نکل کر فرش پر دوڑنے لگی۔

طاہرہ بیگم چھپکلی سے تو بے پناہ ڈرتی تھیں۔ ان کی چیخیں بھی کسی طرح مشیرہ بیگم سے کم نہیں تھیں۔ یہ تصور ان کے لئے انتہائی بھیانک تھا کہ ان کے بدن پر چھپکلی رینگتی پھر رہی تھی۔ ان کی چیخیں بھی باہر سن لی گئیں۔

ابھی خالہ مشیرہ ہی کی تیمارداری ہو رہی تھی کہ سب لوگ ان کو چھوڑ کر ناشتے کے کمرے کی طرف دوڑ پڑے جہاں سے طاہرہ بیگم کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ طاہرہ بیگم اب بھی چیخے جا رہی تھیں۔

''ارے......! کیا ہو......؟ کیا ہوگیا......؟''

معظم علی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

طاہرہ بیگم پسینے میں شرابور ہو رہی تھیں۔ اُکھڑے ہوئے سانس کے ساتھ بولیں۔

''بچ گئی...... آج اللہ نے بچا ہی لیا...... چھپکلی چڑھ گئی تھی کمر پر...... اللہ اس بچی کو خوش رکھے...... جان جوکھوں میں ڈال کر چھپکلی نکال دی ورنہ نہ جانے کیا حشر ہوتا میرا......؟ ہائے......!''

طاہرہ بیگم مختصر الفاظ میں ہانپتے ہوئے بولیں۔ لیکن شاید زندگی میں پہلی بار ان کے منہ سے عشیرہ کے لئے کچھ اچھے الفاظ نکلے تھے۔

اصل میں چھپکلی کو ان کی کمر سے ہٹا دینا اور وہ بھی بغیر کسی حادثے

کے ان کی دانست میں عشیرہ کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

معظم علی نے ایک گہری سانس لی۔ چچی کو سنبھالا اور پھر اس کمرے میں لے گئے جہاں مشیرہ بیگم بستر پر نیم مردہ پڑی ہوئی تھیں۔ کسی نے ابھی تک عشیرہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ عشیرہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔

ایک لمحے کے لئے اس کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا تھا جب یہ کہا گیا تھا کہ اس کے خلاف اب ایک بھی لفظ برداشت نہیں کیا جائے گا اور الفاظ ادا کرنے والے کو سزا ملے گی۔

نہ جانے اسے کیوں یقین ہو رہا تھا کہ چھپکلی والا واقعہ بھی اتفاقیہ نہیں ہے، یقینی طور پر یہ واقعہ بھی کسی انوکھے ذریعے سے ہوا ہے کیونکہ اس وقت طاہرہ بیگم بھی اس پر لعن طعن کر رہی تھیں۔ اس نے گردن جھٹک دی۔

کیا ہی عجیب بات ہے......؟ جیسے میرا دماغ خراب ہو گیا ہو......؟ بلاوجہ اُلٹی سیدھی باتیں سوچنے لگتی ہوں۔ آخر ایسا کون ہو سکتا ہے جو نظر بھی نہ آئے......؟ بات چیت بھی کرے اور اس کے لئے عمل بھی کرے......؟

ہاں......! وہ بھیانک چمگادڑیں جن کے منہ انسانوں جیسے تھے، اگر ایسا کر رہی ہیں تو تعجب کی بات ہے...... کیا پرندے بھی انسانوں جیسی شکل رکھتے ہیں......؟ یا اختیار کر سکتے ہیں......؟ شکلیں ان کی انسانوں جیسی ہی تھیں اور بدن چمگادڑوں جیسا۔''

اس نے ناشتے کی میز کی طرف دیکھا۔ مشیرہ خالہ کی مصیبت نے ناشتہ خراب کر دیا تھا۔

''اب پتہ نہیں گھر کے لوگ ناشتہ کریں گے بھی یا نہیں......؟''

ابھی وہ ہی رہی تھی کہ نظم اور نثر کمرے میں آگئیں۔ عشیرہ نے ایک لمحے کے اندر اندر ان کے اندر بھی ہلکی سی تبدیلی محسوس کی تھی۔ انہوں نے کرسیاں گھسیٹیں اور ان پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''تمہیں تو پتہ ہے عشیرہ......! کہ خالہ مشیرہ سنکی ہیں۔ چائے میں ذرا سا نمک ڈال دیتیں تو سب پر یہ مصیبت نہ آتی۔ ہمارا ناشتہ بھی خراب کر دیا۔ پڑی ہائے ہائے کر کے بور کر رہی ہیں۔''

''بس......! غلطی ہوگئی...... لیکن زیادہ وقت بھی تو نہیں گزرا تھا۔ ایک سیکنڈ میں نمک ڈالا جا سکتا تھا۔''

عشیرہ نے شرمندگی سے کہا۔

''تم نے ناشتہ کر لیا......!''

نظم نے پوچھا۔

یہ سوال بھی پہلی بار ہی کیا گیا تھا۔

''ابھی نہیں......! کرلوں گی۔''

وہ اہستہ سے بولی۔ کیونکہ وہ ناشتہ باورچی خانے میں کیا کرتی تھی۔ آج تک کسی نے اسے قابل نہیں سمجھا تھا کہ اسے اپنے ساتھ ہی ناشتہ کرا لے۔

''آجاؤ......! بیٹھ جاؤ تم بھی......!''

نظم نے کہا اور وہ حیرت سے نظم کو دیکھنے لگی۔

پتہ نہیں اسے کرسی پر بٹھا کر نظم کیا کرنا چاہتی تھی......؟ وہ ہمت نہ کر سکی۔ نظم اور نثر ناشتے میں مصروف ہوگئی تھیں۔

انہوں نے دوبارہ اس سے بیٹھنے کے لئے نہ کہا لیکن وہ بہت دیر تک ان تصورات میں گم رہی۔ جب ان دونوں نے ناشتہ کر لیا تو وہ برتن سمیٹ کر

ٹرالی پر رکھنے لگی اور پھر باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔

یہاں پہنچ کر کچھ اور حیرتیں اس کی منتظر تھیں۔ رات کے جھوٹے برتن جو اسے صاف کرنے ہوتے تھے، دُھلے دُھلائے الماری میں سجے ہوئے تھے۔ باورچی خانے کے باقی کام بھی مکمل ہو چکے تھے۔

وہ حیرت سے منہ پھاڑے کھڑی یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔

''آہ......! میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا...... کون ہو تم......؟ کیا تو مجھے بتا تو دو...... میرے نادیدہ ہمدردو......! آخر تم ہو کون......؟ اور پھر تم چھپ کیوں جاتے ہو......؟ میری تو بڑی مدد کر ڈالی ہے تم نے...... نہ جانے یہ سب کچھ کیا ہے......؟ اور کیوں ہے......؟''

گھر کا ملازم ابھی کھانا پکانے کی چیزیں نہیں لایا تھا۔ اسے اور کوئی کام بھی نہیں تھا۔ اس لئے وہ ناشتے کے برتن صاف کرنے لگی۔ لیکن اچانک ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی غیر مرئی لمس نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی مدھم سی منمناہٹ گونجی۔

''یہ سب کام اب آپ کے کرنے کے نہیں ہیں۔ آپ براہِ کرم یہ سب کچھ کر کے ہمیں شرمندہ نہ کیا کریں۔''

وہ پھر خوفزدہ ہو گئی۔ اس کے ہاتھوں سے وہ لمس ہٹ گیا تھا۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے برتنوں کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑیں۔ تمام برتن پلک جھپکتے میں صاف ہو گئے تھے۔

''میرے خدا......! یہ کیا اسرار ہے......؟''

اس کے منہ سے بڑبڑانے کے سے انداز میں نکلا۔

کئی منٹ تک وہ سوچ میں ڈوبی رہی اور پھر ایک گہری سانس لے کر

باہر نکل آئی۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے......؟ کہاں جائے......؟ برتن وغیرہ دھونے کا کام تو ساڑھے نو بجے تک ہوتا تھا۔ اس کے بعد ملازم کھانا پکانے کا سامان لے کر آ جاتا تھا اور وہ اس میں مصروف ہو جاتی۔ لیکن برتن دُھل چکے تھے اور پکنے کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا۔

بہت دیر تک وہ واپس آ کر اپنے کمرے میں بیٹھی رہی۔ پھر ایک دم سے اُچھل پڑی۔ اگر کسی نے اسے اس طرح اس کے کمرے میں بیٹھے دیکھ لیا تو سوچے سمجھے بغیر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دے گا اور اس کے علاوہ اس نے مشیرہ خالہ کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

مشیرہ بیگم کی نہ جانے کیا کیفیت تھی......؟ کوئی بات پتہ نہیں چل سکی تھی۔ اسے طاہرہ بیگم کے الفاظ بھی یاد تھے کہ اگر یہ بچی نہ ہوتی تو چھپکلی پتہ نہیں میرا کیا حال کرتی......؟

بہرحال وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور مشیرہ خالہ کی طرف چل پڑی۔ گھر کے دوسرے لوگ اب بھی اسی کمرے میں تھے۔ یہاں تک کہ معظم علی صاحب بھی گھر سے باہر نہیں گئے تھے۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

ڈاکٹر نے مشیرہ خالہ کے چہرے پر کوئی مرہم لگایا تھا جس سے ان کا پورا چہرہ چکنا ہو رہا تھا۔ البتہ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کراہتے ہوئے بولیں۔

''اب جلے پر نمک چھڑکنے آئی ہے......؟ کیوں اپنی منحوس شکل دکھا رہی ہے مجھے......؟ سب کچھ تیری وجہ سے ہوا ہے ناشگنی......!''

''خالہ......! مجھے افسوس ہے......!''

اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ خود ہی کچھ زیادہ غصے میں آ گئی تھیں مشیرہ باجی......! نمک بعد میں ڈالا جا سکتا تھا اور پھر میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ چائے میں نمک نہ پیا کریں۔ سخت مضر ہوتا ہے۔''

معظم علی صاحب نے کہا۔

''ٹھیک ہے......! ٹھیک ہے......! بیرن......! ٹھیک ہے...... جو کچھ بھی ہے میرے ہی سر ڈال دو......! ساری غلطی مجھ پر ٹھوک دو...... ٹھیک کہتی ہے دُنیا...... گوشت سے ناخن جدا نہیں ہوتے...... وہ تمہاری بھتیجی ہے...... میرا تم سے کون سا خون کا رشتہ ہے......؟ ارے......! میں کون ہوں......؟ تمہاری بیوی کی بہن......! ٹکڑوں پر پلنے والی...... مگر کیا کروں......؟ اللہ نے وقت ہی بگاڑ دیا۔

ہائے...... ایک وہ دور تھا کہ میرے آگے پیچھے بھی نوکر بھاگتے تھے اور اتنے نخرے اُٹھائے جاتے تھے میرے...... اللہ......! مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے...... میری شکل دیکھ کر جیتے تھے...... کہتے تھے مشیرہ......! اگر میں نہ رہا کبھی تو تمہیں پتہ چلے گا......

ہائے......! پتہ چل رہا ہے مجھے...... چل رہا ہے مجھے پتہ...... ارے......! دیکھ لو دُنیا کیا کہہ دیتی ہے منہ کھول کر۔''

''آپ تو بلاوجہ بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں مشیرہ باجی......!''

معظم علی گھبرا کر بولے۔

''ایسی ہی ناگوار گزر رہی ہیں تو ہاتھ پکڑ کر نکال دیجئے گھر سے...... ان لاڈلی سے کچھ نہیں کہا جاتا...... جب وہ چائے میں نمک پیتی ہیں تو آخر کیوں نہیں یاد رکھا جاتا......؟''

طاہرہ بیگم پھر پلٹ پڑیں۔

چھپکلی والے واقعے سے دل میں ذرا سی نرمی پیدا ہوئی تھی۔ وہ مشیرہ بیگم کے آنسوؤں میں بہہ گئی تھی اور وہ ان کی حمایت میں بولے بغیر نہیں رہ سکیں۔

''خدا سے ڈریں بیگم......! میں نے بھلا کیا کہا ہے......؟''

معظم علی صاحب نے دو رخی ما[illegible]شت نہ کرتے ہوئے کہا۔

''کلیجہ نوچ لیتے [illegible] اور کہتے [illegible] کہ پوچھنے [illegible] کہا [illegible]؟ ارے [illegible]! میں اس کم بخت کی وجہ سے نہیں جلی تو اور......''

ابھی مشیرہ بیگم نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ روشن دان سے ایک چڑیا اُڑتی ہوئی اندر آئی اور پیتل کے اس گلدان کے اوپر بیٹھ گئی جو مشیرہ بیگم کے سر کے عین اوپر رکھا تھا۔ چڑیا بیٹھتے ہی پھر اُڑی اور گلدان مشیرہ بیگم کے سر پر آ پڑا۔

''ارے......! مرگئی......! ارے......! مرگئی رے......! مرگئی......!''

مشیرہ بیگم دہاڑیں مارنے لگیں اور سب لوگ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

گلدان خاصا وزنی تھا۔ مشیرہ بیگم کے سر سے خون بہہ نکلا اور ایک بار پھر لے دے مچ گئی۔

''نکل جا مردود......! یہاں سے...... کیا میری بہن کی جان لے کر دم لے گی......؟''

طاہرہ بیگم غصے میں آپے سے باہر ہو گئیں اور جوشِ غضب سے اس کی طرف بڑھیں۔

وہ شاید اسے دھکے دے کر نکالنے کا ارادہ رکھتی تھیں لیکن دو ہی قدم

آگے بڑھائے تھے کہ ان کے اوندھے منہ گرنے کا دھماکہ بہت زور سے سنائی دیا۔ نہ جانے ان کے پاؤں کہاں پھنس گئے......؟ ان کی دونوں کلائیوں کی چوڑیاں ٹوٹ گئیں اور ٹکڑے ان کی کلائیوں میں گھس گئے۔

''ہائے امی......!''

نظم اور نثر مشیرہ بیگم کو چھوڑ کر طاہرہ بیگم کی جانب لپکیں۔

معظم علی البتہ سیدھے کھڑے تھے اور آج ان کے چہرے کے تاثرات عام دنوں سے مختلف تھے۔ وہ سرد لہجے میں بولے۔

''اب بھی عبرت حاصل کرو طاہرہ بیگم......! بے زبان کا نگہبان خدا ہوتا ہے۔ مشیرہ بیگم نے دو مرتبہ اس پر الزام تراشے...... انہیں دونوں بار سزا ملی اور آپ بھی جذبات میں نقصان اُٹھا بیٹھیں۔ اگر اب بھی آپ نہ سنبھلیں تو انجام جو ہوگا، اس کی ذمے داری صرف آپ پر ہوگی۔''

معظم علی کا لہجہ انتہائی سخت تھا۔ اسی وقت ایک ملازم اندر آگیا۔

''صاحب......! ایک شخص آیا ہے، کہہ رہا ہے کہ ڈرائیور کے بارے میں جو اشتہار چھپا ہے وہ پڑھ کر آیا ہے۔ ملازمت کا خواہش مند ہے۔''

''ہوں...... آجاؤ......! عشیرہ......! تم آجاؤ......!''

معظم علی نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھے۔ اسی وقت طاہرہ بیگم چیخیں۔

''ارے خدا تمہیں سمجھے......! کیسے بے حس ہوگئے ہو تم......! ارے......! میری بہن بے ہوش ہوگئی ہے...... ڈاکٹر کو تو بلاؤ......! ہیں......! بہت محبت آرہی ہے بھتیجی کی۔''

طاہرہ بیگم بری طرح چیخ پکار کر رہی تھیں۔ انہوں نے بڑے کرب

سے مشیرہ بیگم کو دیکھا جن کے سر سے خون بہہ کر پیشانی اور گالوں تک لڑھک آیا تھا۔

''ڈاکٹر ہمارا ملازم نہیں ہے جو بار بار دوڑا آئے گا۔ کسی ملازم کو بھیج کر دوسرے ڈاکٹر کو بلوالیں۔''

معظم نے بے رُخی سے کہا اور دروازے سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے بدستور عشیرہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

یہ سب انوکھے واقعات ہو رہے تھے۔ اس سے پہلے معظم علی کی کبھی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ طاہرہ بیگم کے سامنے عشیرہ سے محبت کا اظہار کر سکیں۔ لیکن آج تو دُنیا ہی بدل گئی تھی۔

طاہرہ بیگم کو ان کی اس جرأت پر سخت حیرت ہو رہی تھی۔ وہ تو ہمیشہ ہی بھیگی بلی بنے رہنے کے عادی تھے۔

''اس وقت وہ شیر کیسے بن گئے......؟''

بہرحال وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم میں پہنچے اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

''عشیرہ بیٹی......! میری آنکھیں بند نہیں ہیں۔ میں تمہارے ساتھ ان لوگوں کا رویہ دیکھتا ہوں۔ لیکن بعض حالات کچھ ایسے ہیں کہ مجھے خاموش ہونا پڑتا ہے۔ بہرحال میں تم سے بہت سی باتیں کروں گا۔ ذرا اس شخص کو نمٹا دوں جو ڈرائیوری کے لئے آیا ہے۔''

پھر انہوں نے ملازم کو آواز دی اور جب ملازم آیا تو انہوں نے کہا۔

''جاؤ......! جو کوئی آیا ہے اسے بلا کر لے آؤ......!''

ملازم یہ سن کر باہر نکل گیا تھا۔

معظم علی صاحب نے اسے اپنے برابر صوفے پر بٹھالیا۔

آج ان کی محبت اُمڈی تھی تو اس طرح کہ خود عشیرہ دنگ رہ گئی تھی۔ اس کا دل بھر آیا تھا۔ بہت عرصہ گزر گیا تھا کسی نے اس سے اس محبت بھرے لہجے میں بات نہیں کی تھی اور پھر خاص طور سے معظم علی جو اس کوٹھی میں اس کا واحد خون تھے، اس کے تایا ابو جو اس کے باپ کی زندگی میں اس کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے تھے۔ بہت سی ایسی باتیں تھیں جو عشیرہ کے لئے یادگار حیثیت رکھتی تھیں۔ معظم علی صاحب کا رویہ اپنی بھاوج یعنی عشیرہ کی امی کے ساتھ بھی بہت اچھا تھا۔ اکثر وہ ان کے پاس جاتے اور بڑے پیار سے کہتے۔

''بھئی چھوٹی......! چائے پلاؤ......! تمہارے ہاتھ کی چائے پی کر تو یوں لگتا ہے جیسے جیسے......''

عام طور سے معظم علی صاحب کو کوئی جملہ نہیں ملتا تھا اور پھر جب ماں باپ اس سے رُخصت ہوگئے اور دادی اماں بھی دُنیا سے چلی گئیں تو معظم علی صاحب اس طرح روڈ ہوگئے جیسے کبھی ان کا تعلق عشیرہ سے رہا ہی نہ ہو۔

لیکن یہ بات عشیرہ جانتی تھی کہ معظم علی صاحب دل کے اتنے برے نہیں ہیں۔ البتہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی بیگمات سے بہت ڈرتے ہیں۔ معظم علی صاحب کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ طاہرہ بیگم کے سامنے کچھ بول سکیں۔

آج تو کمال ہی ہوگیا تھا۔

عشیرہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ ایک شخص ملازم کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ عشیرہ کی نگاہیں بے اختیار اس کی جانب اُٹھ گئی تھیں۔

ڈودھ جیسا رنگ، سنہرے بال، گہری نیلی آنکھیں، دُبلا پتلا جسم، معمولی قسم کی پتلون اور قمیص پہنے ہوئے تھا۔ چہرے سے شرافت اور وقار ٹپکتا تھا۔

آنے والے نے ادب سے سلام کیا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

معظم علی صاحب نے سر سے پاؤں تک اسے گھورا اور پھر گردن ہلا کر بولے۔

''بیٹھو......!''

''وہ جناب......! میرا نام شاہ نم ہے......!''

''ٹھیک ہے......! بیٹھو......!''

''معافی چاہتا ہوں۔ یہ گستاخی ہوگی۔ آپ مجھے ملازمت دیں یا نہ دیں۔ وہ الگ بات ہے۔ لیکن میں آپ کے سامنے بیٹھ نہیں سکتا۔''

''اوہو بھئی......! اچھا چلو ٹھیک ہے......! کیا نام بتایا تم نے......؟''

''شاہ نم......!''

''پڑھے لکھے ہو کچھ......؟''

''جی......! تھوڑا سا لکھ پڑھ لیتا ہوں۔''

''ڈرائیونگ لائسنس موجود ہے......؟''

''جی ہاں......!''

اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر سامنے رکھ دیا اور معظم علی کاغذ دیکھنے لگے۔

''ٹھیک......! کتنی تنخواہ لو گے شاہ نم......؟ اس کے علاوہ دو تین باتیں میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ کہ تمہیں یہیں کوٹھی میں رہنا ہوگا۔ ایمانداری سے اپنا

کام کرو گے اور کسی بھی ذاتی مسئلے میں کبھی مداخلت نہیں کرو گے۔ جو کچھ تم سے کہا جائے گا، تم پر فرض ہے کہ وہی سب کچھ کرو گے۔''

''جی جناب......! مجھے منظور ہے۔ میں بھی سر چھپانے کی جگہ چاہتا ہوں۔ تنخواہ جو بھی مل جائے۔ میرے اخراجات زیادہ نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے......! یہاں تمہیں ملازموں کے کوارٹر میں رہنے کی جگہ مل جائے گی۔ ہم پانچ ہزار روپے ماہوار دیں گے تمہیں۔ اس کے علاوہ کھانا پینا جس کا ذکر ہی غیر مناسب ہے، ظاہر ہے ہمارے ساتھ رہو گے تو کہیں اور سے تو نہیں کھاؤ گے۔ لباس وغیرہ یعنی وردی ہماری ذمے داری ہوگی۔ باقی اپنے اہل خانہ کے لئے جو کپڑے وغیرہ بناؤ گے، وہ تمہاری اپنی جیب سے ہوں گے۔ کون کون ہے تمہارے ساتھ......؟''

''کوئی نہیں جناب......! تنہا ہوں۔''

''اچھا اچھا......! ٹھیک ہے......! میں زیادہ گہرائی میں نہیں جاتا۔ ورنہ تم سے شناختی کارڈ وغیرہ طلب کرتا۔ لیکن کوئی بات نہیں ہے۔ نہ تمہیں میری ذات سے کبھی نقصان پہنچے گا اور نہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو گے۔''

''جی جناب......! بہت بہتر......!''

''اور کوئی ایسی بات جو تم کہنا چاہو......؟''

''نہیں جناب......! آپ میری ٹرائی لے لیجئے......!''

''تمہارا ڈرائیونگ لائسنس بے شک بہت پرانا نہیں ہے۔ لیکن تم مجھے کافی ایکٹو معلوم ہوتے ہو۔ اس لئے میں ٹرائی وغیرہ نہیں لے رہا۔ بس خود ہی احتیاط رکھنا۔ ظاہر ہے گورنمنٹ نے تمہیں لائسنس دیا ہے تو گاڑی چلانا جانتے

ہی ہو گے۔''

معظم علی صاحب نے فراخ دلی سے کہا اور اس نے گردن خم کر دی۔

''کب سے کام پر آؤ گے......؟''

''جب سے جناب حکم دیں گے......!''

وہ نرم اور شیریں لہجے میں بولا۔

''میرے خیال میں پھر آج سے ہی شروع کر دو۔ وہ جو کہتے ہیں نا کل کرے سو آج کر اور آج کرے سو اب......!''

معظم علی صاحب خفیف سے مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

''ٹھیک ہے جناب......! جو آپ کا حکم......!''

اس نے گردن خم کر کے جواب دیا۔

معظم علی صاحب اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس نے ایک بار بھی عشیرہ کی طرف نگاہیں اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

لیکن عشیرہ جیسے پتھرا گئی تھی۔ اس کے دل کی دُنیا بری طرح ڈانواں ڈول ہوگئی تھی۔ اس نوجوان کے چہرے میں نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے دل میں کسک سی پیدا ہوگئی۔

وہ بہت معصوم صفت تھی۔ زندگی کی بہت سی ضروریات سے ناواقف چھوٹی سی دُنیا تھی اس کی اور وہ اسی دُنیا میں مگن رہی تھی۔ اِدھر اُدھر کے بارے میں اس نے کبھی کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن اس نوجوان کو دیکھ کر نہ جانے اس کے ہاتھوں میں کیوں اینٹھن سی پیدا ہوگئی تھی۔

معظم علی صاحب نے ملازم کو بلا کر کہا کہ ڈرائیور والا کوارٹر اس لڑکے کو دے دیا جائے اور اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھا جائے۔

"خانساماں کو ہدایت کر دو وقت پر کھانا اور دوسری تمام چیزیں اسے بغیر مانگے دی جائیں۔ ٹھیک ہے......! شاہ تم......! تم جاؤ......!"

نوجوان نے گردن خم کی اور اسی پروقار انداز میں چلتا ہوا ملازم کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گیا۔ ایک عجیب سا وقار، ایک عجیب سی تمکنت تھی اس کے اندر جسے معظم علی صاحب محسوس کر رہے تھے۔ وہ خود بھی ذرا مختلف مزاج کے انسان تھے۔ بہت زیادہ گہرائیوں میں نہیں جاتے تھے۔ ابھی نوجوان باہر گیا ہی تھا کہ طاہرہ بیگم آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئیں اور عشیرہ کی طرف رُخ کر کے بولیں۔

"عشیرہ......! تم جاؤ...... مجھے بات کرنی ہے۔"

عشیرہ جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

طاہرہ بیگم کے سامنے معظم علی صاحب کے ساتھ صوفے پر بیٹھنا ہی بڑی بات تھی۔ لیکن خود انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔ ورنہ وہ یہ جراُت کہاں سے کر سکتی تھی......؟

اور وہ جانتی تھی کہ اب معظم علی صاحب کی خود بھی خیر نہیں ہے۔ طاہرہ بیگم اس بات کا بھی ان سے حساب لیں گی۔ اس نے ایک بار پھر معظم علیہ صاحب کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے پر کشمکش کے آثار پا کر وہاں سے اُٹھ گئی۔

یوں بھی اس وقت اس کا چلے جانا ہی بہتر تھا۔ نہ جانے طبیعت کیسی ہو رہی تھی......؟ نہ جانے بدن کی یہ کیفیت کیوں ہوئی تھی......؟ نہ جانے دل اس سے کیا کہہ رہا تھا......؟

ایک عجیب سی کہانی......

ایک عجیب سا احساس......

وہ باہر نکلی اور اس نے دُور سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

ایک معمولی سا ڈرائیور......

معمولی سا ڈرائیور......

"لیکن کیا وہ واقعی کوئی معمولی شخصیت ہے......؟"

عشیرہ کا دل تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بہت ہی اچھے گھرانے کا چشم و چراغ ہو۔ نہ جانے کیوں اس کا دل اسے ڈرائیور تسلیم کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"ایسی حسین صورت والا ایک عام ڈرائیور نہیں ہو سکتا...... اونہہ......! کیا ہو رہا ہے مجھے......؟ کیسے دن گزر رہے ہیں یہ......؟ انوکھی باتیں ہو رہی ہیں...... ایسی باتیں جو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچیں۔"

عشیرہ نے اپنے بارے میں سوچا اور سیدھی باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔ ابھی وہ باورچی خانے میں داخل ہوئی تھی کہ ایک بار پھر حیرت کا ایک جھٹکا اسے لگا۔

چولہوں پر دیگچیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ کھانا تقریباً تیار تھا۔ ان سے خوشبوئیں اُٹھ رہی تھیں۔ حالانکہ ابھی صرف پونے گیارہ بجے تھے۔ اس نے تمام ہانڈیاں کھول کر دیکھیں۔ ایک سے ایک شاندار کھانا جس سے ایسی خوشبو اُٹھ رہی تھی کہ آج تک کبھی محسوس نہیں کی گئی تھی۔

ابھی تک وہ جن حالات سے گزری تھی اس کی وجہ سے ناشتہ کرنا بھی بھول گئی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ اسے بھوک لگ رہی ہے۔ وہ بچے کھچے ناشتے کی طرف بڑھ گئی۔ روز کا معمول تھا۔ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ان لوگوں کے

سامنے سے ناشتہ واپس آتا تو عشیرہ کو کھانے کے لئے ملتا۔ اس سے پہلے اس
کی مجال نہیں تھی کہ ناشتہ اپنے لئے نکال لیتی۔

اس نے ڈھکی ہوئی پلیٹیں کھولیں اور ایک بار پھر اس کے حلق سے ایک
گہری سانس نکل گئی۔ ناشتہ بالکل تازہ اور گرم تھا۔ جبکہ اب تک اسے خراب ہو
جانا چاہئے تھا۔

وہی بات جو آج کل ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیا کیا ہو رہا تھا......؟
یہاں کبھی کبھی تو اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک بہت ہی طویل خواب دیکھ رہی
ہے ورنہ ایسا سب کچھ تو ممکن نہیں ہوتا۔

بہرحال بھوک لگ رہی تھی۔ اس لئے ناشتہ شروع کر دیا اور اب بھی
اسے حیران ہونا پڑا کیونکہ اس سے پہلے اتنا لذیذ ناشتہ نہیں کیا تھا۔

یااللہ......! کس قدر عنایتیں کر رہے ہو تم مجھ پر......؟ کیا ہو رہا ہے یہ
سب کچھ......؟ میں اس قدر عنایتیں کیسے برداشت کر سکوں گی......؟ جب میری
آنکھ اس حسین خواب سے کھلے گی تو میرا کیا حشر ہوگا......؟ یہ خواب ہے بھی یا
نہیں......؟ سارے کام تو مجھے اپنے ہاتھوں سے کرنے پڑ رہے ہیں...... سب
کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں...... اس کے باوجود میں اسے کیسے خواب
سمجھوں......؟

آہ......! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے......؟''

وہ سوچنے لگی اور ایک بار پھر اس کے ذہن کے چور دروازے سے شاہ
نم داخل ہوگیا۔

''ہائے......! نام بھی کیسا ہے......! اسے نام عام طور سے سننے کو کہاں
ملتے ہیں......؟ اور پھر دوسری بات یہ کہ اس طرح کے جدید اور حسین نام عام

لوگ تو نہیں رکھتے۔ اگر یہ نام شاہ نم کے ماں باپ نے بھی رکھا ہے تو اس کا
مطلب ہے، وہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔''

اس کا دل چاہا کہ شاہ نم سے معلوم کرے کہ تمہارے بقیہ ساتھی کہاں
ہیں......؟ ماں کہاں ہے......؟ باپ کہاں ہے......؟ پھر ایک دم اسے جھرجھری
سی آگئی۔

''میں پاگل تو نہیں ہوگئی کیا......؟''

اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

''بھلا میں کیوں اس کے بارے میں اتنی زیادہ سوچ رہی
ہوں......؟''

اکثر اس خاندان کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں یہاں بھی آتے رہتے
تھے اور اس سے پہلے جبکہ امی ابو زندہ تھے تو خاندان کے بہت سے لوگوں سے
ملی تھی۔ باہر کے لوگوں سے بھی ملی تھی۔ بڑے بڑے حسین نوجوان اس نے
دیکھے تھے بلکہ ان دنوں جب نثر اور نظم کے رشتے آ رہے تھے، بہت سے حسین
نوجوان یہاں آئے تھے۔ خاص طور سے وہ لڑکا جس نے یا جس کے اہل خانہ
نے عشیرہ کو دیکھ کر نظم اور نثر کا رشتہ مسترد کر دیا تھا، وہ بھی کافی حسین تھا۔

رشتے لگانے والی اس دوران اور بھی کئی رشتے دکھا چکی تھی۔ لیکن اب
صورتِ حال بالکل مختلف تھی۔ آنے والوں سے عشیرہ کو اتنا دُور رکھا جاتا تھا کہ
اس کا سایہ بھی ان پر نہ پڑ سکے۔ گھر کے تمام لوگ عشیرہ کے حسن سے خوف زدہ
تھے۔ سب جانتے تھے کہ اس کے سامنے نظم یا نثر کی دال گلنا مشکل ہے۔

بہرحال یہ سب کچھ تھا۔ کئی لڑکوں کی وجاہت عشیرہ کو بھی پسند آئی تھی
لیکن اپنے لئے نہیں، نظم یا نثر کے لئے۔ خود اس کے دل میں آج تک اس

طرح کی کوئی تحریک نہیں پیدا ہوئی تھی۔

"لیکن شاہ نم......!

اس کی نیلی آنکھیں کتنی پرُکشش ہیں......

نہ جانے بیچارہ کن حالات کا شکار ہے......؟"

اچانک ہی وہ چونک پڑی۔

"پتہ نہیں شاہ نم نے ناشتہ کیا بھی ہے یا نہیں......؟

اس احمقانہ سوچ پر وہ خود ہی شرما گئی۔

"بھلا میرا اس سے کیا رشتہ ہے...... جو اس کے بارے میں میں اس طرح سوچوں......؟ گھر کا ڈرائیور ہے...... گھر میں تو اور بھی بہت سے ملازم ہیں۔

یا اللہ......! مجھے سنبھال......! مجھے کیا ہو رہا ہے......؟ اس قسم کی بے وقوفی تو میں نے پہلے کبھی نہیں کی۔"

پھر اس نے اپنے ذہن کو دوسری طرف منتقل کرنے کی کوشش کی اور بمشکل تمام شاہ نم کے خیال کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا گھسے۔ گھر کی فضاء خراب تھی۔ معظم علی صاحب بھی آفس نہیں گئے تھے۔ طاہرہ بیگم سے ان کی کافی کھٹ پھٹ ہوئی تھی۔ جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا تھا کہ کھانے سب نے اپنے اپنے کمرے میں کھائے تھے اور پھر دروازے بند کر کے لیٹ گئے تھے۔ وہ بھی تمام معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے کمرے کی جانب چل پڑی۔

دوپہر معمول کے مطابق گرم ہو چکی تھی اور باہر وہی ہی گرمی پڑ رہی

تھی۔ وہ اپنی مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی اور اس نے ایک دیوار پر نگاہیں جما دیں۔

پھر اچانک ہی اس کی نگاہ وہاں سے ہٹ کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں وہ پتھر رکھا ہوا تھا۔ اس وقت بالکل اتفاقیہ طور پر اس نے اس پتھر کے بارے میں سوچا تھا۔ حالانکہ یہ سوچنے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔

وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھ گئی اور اس نے بڑی چاہت سے اس پتھر کو اُٹھایا اور بغور دیکھنے لگی۔

"کیسا پیارا پتھر ہے......! میں اس کا کیا کروں...... ؟ اگر میں تایا ابو سے کہوں کہ یہ پتھر مجھے ایک لاکٹ میں لگا کر دے دیں تو کیا وہ حیران نہیں ہوں گے......؟ اور پوچھیں گے نہیں مجھ سے کہ یہ پتھر میرے پاس کہاں سے آیا......؟"

دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ یہ پتھر کسی لاکٹ میں جڑوا کر گلے میں ڈال لے اور ہر وقت پہنے رہے۔ لیکن یہ کسی بھی طور ممکن نہیں تھا۔ اگر اسے پہنتی تو گھر والے اس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے اور پھر اس سے سوالات بھی کئے جاتے کہ آخر یہ پتھر یا لاکٹ کہاں سے آیا......؟ کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جو اس پتھر کو کسی لاکٹ میں جڑوا کر اپنے گلے میں پہن لے۔

پھر وہ ایک دم اپنی بے وقوفی کی سوچ پر خود مسکرا دی اور واپس پلٹ کر مسہری پر دراز ہوگئی۔ اس وقت بڑی بحرانی کیفیت طاری تھی۔ اپنے آپ کو ہر طریقے سے پرُسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یوں لگتا تھا جیسے سکون کا اب اس کی زندگی میں کوئی گزر نہ رہا ہو۔

ایک عجیب سی تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ امی

کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ جائے۔

وہی ٹھنڈی چھاؤں......

وہی خوب صورت فضاء......

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ہلکا سا خوف بھی اس کے ذہن میں اُبھر آیا۔

''پتہ نہیں وہاں کیا ہو......؟''

اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ تو بڑا ہی عجیب تھا۔ اگر کسی کو یہ کہانی سنائے گی تو اس کے سر پر جوتے لگائے جائیں گے کہ دماغ میں خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن سچائیاں تو سچائیاں ہوتی ہیں۔

نہ جانے وہ سب کچھ کیا تھا......؟ وہ پرندے جو انسانی شکل رکھتے تھے اور اس کے بعد وہ ساری باتیں جو انہونے طور پر ہو رہی تھیں۔ حالانکہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ وہ پُراسرار پرندے جو انسانی شکلوں میں تھے اور بات چیت بھی کرتے تھے، اس کے بہت ہی ہمدرد بنے ہوئے تھے اور ہر نازک لمحے میں نہ صرف اس کی مدد کر رہے تھے بلکہ اسے برا کہنے والوں کا دماغ بھی درست کر رہے تھے۔

مشیرہ بیگم کے سر پر گرنے والا گلدان بلاوجہ ہی نہیں گرا تھا۔ ایک چڑیا روشن دان سے آئی تھی اور گلدان پھینک کر چلی گئی تھی اور پھر طاہرہ بیگم جو اسے مارنے کے لئے دوڑی تھیں، ان کے پاؤں اُلجھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی لیکن وہ جس قوت سے گری تھیں، اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کسی نے ان کے پاؤں پکڑ کر انہیں کھینچ لیا ہے۔

بظاہر تو سب کچھ اس کے حق میں ہی ہو رہا تھا۔ نہ جانے یہ پُراسرار

ہمدرد اسے کہاں سے مل گئے تھے......؟ لیکن تھے وہ ہمدرد...... اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

اس بے خیالی کے عالم میں اسے احساس بھی نہ ہوا کہ وہ کب اپنی جگہ سے اُٹھی اور کب دروازہ کھول کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

حسبِ معمول باہر چلچلاتی دُھوپ پڑ رہی تھی۔ اتنی تیز، اتنی شدید کہ چہرہ جھلس جائے۔ ابھی وہ دو قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اچانک ہی اس نے اپنے اوپر ایک سایہ سا دیکھا اور اس کی نگاہیں اوپر کی طرف اُٹھ گئیں۔

سائے کا بس اسے ایک احساس سا ہوا تھا۔ کوئی ایسی چیز اوپر نہیں تھی جسے سایہ دار چیز کہا جا سکے۔ مگر ایک لمحے کے اندر اندر اس کے چہرے پر پڑنے والی دُھوپ کی تپش ختم ہوگئی تھی اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسا کیسے ہوا ہے......؟ اب تو ہر ایسی انوکھی بات جو اس کے علم میں آتی، اسے وہ انہی پُراسرار ہمدردوں سے منسوب کر دیتی۔

وہ اس کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اس پر دُھوپ تک نہ پڑنے دیتے تھے۔ دل ہی دل میں وہ ان خیالی ہمدردوں کی ممنون ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور اس وقت وہ اس سائے سے بھی خوفزدہ نہ ہوئی جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ جبکہ اوپر کوئی چیز نہیں تھی۔ یہاں تک کہ وہ املی کے درخت کے پاس پہنچ گئی۔ مالی کی چارپائی اسی طرح بچھی ہوئی تھی اور مالی اپنے کوارٹر میں گھسا ہوا تھا۔

اس وقت لو کے تھپیڑے کسی سے بھی برداشت نہیں ہو سکتے تھے۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت اس کی نظر درخت کے دوسری طرف پڑی۔ کسی کے بازو نظر آ رہے تھے۔ کوئی درخت سے پشت

لگائے، منہ دوسری طرف کئے بیٹھا ہوا تھا۔

''شاید مالی ہے......؟''

اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''پتہ نہیں مالی بابا آج کیسے درخت کے نیچے آ بیٹھا ہے......؟ ورنہ اس چلچلاتی دُھوپ میں تو گھر کے سارے ہی ملازم اپنے اپنے کوارٹر میں ہوا کرتے تھے۔ بے شک درخت کے نیچے ٹھنڈی چھاؤں ہے اور بہت خوش گوار لگ رہی ہے۔ لیکن پھر بھی کوئی میری طرح تو نہیں ہوسکتا جس کے ساتھ بات چیت کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔''

اس نے سوچا کہ تھوڑی سی مالی بابا ہی سے باتیں کی جائیں۔ چنانچہ اس نے بڑے نرم لہجے میں پکارا۔

''مالی بابا......!''

دوسری طرف بیٹھا ہوا آدمی جلدی سے اُٹھ کر اس کے سامنے آ گیا اور عشیرہ کا دل زور سے دھڑک اُٹھا۔

یہ مالی بابا نہیں بلکہ شاہ نم تھا۔

''آپ......؟''

اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

''جی مالکن......! معافی چاہتا ہوں......مم...... میں یہاں چھاؤں میں بیٹھا تھا۔''

اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں عشیرہ پر جمی ہوئی تھیں اور ان نیلی آنکھوں سے محبت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ اجنبی مردوں سے ہم کلام ہونے کا عشیرہ کو شاذ و نادر ہی اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے اس کی

پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ وہ بدستور عشیرہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''آپ کو تکلیف ہو رہی ہے...... میں چلا جاؤں......؟''

عشیرہ کے منہ سے اب بھی کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ اس نے پھر کہا۔

''اصل میں کوارٹر کی چھت تپ رہی تھی۔ اس لئے میں درخت کے نیچے آ گیا۔ میں جا رہا ہوں۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں......!''

اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھائے تو عشیرہ بے اختیار بول اُٹھی۔

''ارے نہیں......! سنو......! میری بات سنو......! بیٹھ جاؤ......! کیا ہرج ہے......؟''

نہ جانے یہ الفاظ اس نے کس طرح ادا کئے تھے......؟ اسے خود اس پر حیرت ہوئی تھی کہ وہ اس طرح بے اختیار کیوں ہوگئی......؟

''شکریہ مالکن......!''

وہ رُکا اور پھر واپس پلٹ کر اسی جگہ بیٹھ گیا۔ عشیرہ وحشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اسے اپنی بے وقوفی پر غصہ آنے لگا۔

''یہ کیا احمقانہ حرکت کر رہی ہوں میں......؟ گھر کا ملازم ہے...... یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں...... پتہ نہیں میرے اندر یہ کیفیت کیوں پیدا ہوگئی......؟''

وہ خاموشی سے عشیرہ کو دیکھ رہا تھا۔ عشیرہ جلدی سے بولی۔

''مم...... میں...... میں عشیرہ ہوں...... عشیرہ......!''

''میں جانتا ہوں۔''

اس نے بدستور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

عشیرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا بات کرے......؟!
جو منہ میں آ رہا تھا اُلٹا سیدھا کہے جا رہی تھی۔ کہنے لگی۔

''تت...... تم نے کھانا کھا لیا......؟''

وہ مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ یہاں کھانا کون دیتا ہے......؟''

''ارے......! اوہ......! اس کا مطلب ہے کہ تم ابھی تک بھوکے ہو......؟''

عشیرہ کو اپنے اندر ایک ہلکی سی بے چینی کا احساس ہوا تھا۔

''میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے مالکن......! کافی عرصے سے بے روزگار ہوں۔ اکثر دوپہر کا کھانا کم ہی ملتا ہے۔ اب چونکہ بڑے مالک نے مجھے نوکری پر رکھ لیا ہے اور کھانے کپڑے کی بات بھی کی ہے، تنخواہ کے علاوہ، اس لئے اب مجھے کھانا مل جایا کرے گا۔''

عشیرہ کا دل ہمدردی سے دھڑک اُٹھا۔ اسے اس کی یہ بات بڑی درد بھری لگی تھی۔ وہ بے اختیار بولی۔

''نن...... نہیں......! مم...... میرا مطلب ہے...... آؤ...... آؤ......! میں بہت شرمندہ ہوں...... آؤ......! براہِ کرم میرے ساتھ آؤ......!''

''کک...... کہاں......؟''

وہ گھبرائے ہوئے سے لہجے میں بولا۔

''آؤ......! میں بہت شرمندہ ہوں...... آجاؤ......!''

''آپ کہاں تکلیف کریں گی مالکن......؟''

''مم...... میں مالکن نہیں ہوں...... تم بار بار مجھے مالکن کہہ رہے

ہو...... میں تمہیں اپنا نام بتا چکی ہوں...... میرا نام عشیرہ ہے اور بس...... آؤ......! تم آتے کیوں نہیں......؟''

عشیرہ کو اس کی بھوک کا شدید احساس ہو رہا تھا۔

''جی......!''

وہ ایک بار پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہمدردی میں عشیرہ اس نازک صورت حال کو بھول چکی تھی کہ وہ اس سے کیا کہہ رہی ہے......؟ وہ کیوں اس کے ساتھ ہے......؟ اسے تو صرف یہ یاد رہا کہ وہ بھوکا ہے۔

بہرحال وہ اسے ساتھ لئے ہوئے کچن میں آئی۔ پھر اس نے اسے کھانا نکال کر دیا۔ باورچی خانے میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ بیٹھ سکے۔ اس لئے وہ ٹرالی لئے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چل پڑی۔

''آجاؤ......! میرے ساتھ آجاؤ......!''

یہ پہلا اجنبی تھا جسے وہ بے دھڑک اپنے کمرے میں لے گئی اور پھر اس نے کھانا میز پر سجایا اور پھر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات تھے۔ وہ کہنے لگا۔

''میں آپ کا صرف ایک ڈرائیور ہوں عشیرہ صاحبہ......! آپ مجھے بہت عزت دے رہی ہیں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ ہر شخص اپنا اپنا کام کرتا ہے۔ آپ کو میرے بارے میں نہیں معلوم کہ میں یہاں کیا کرتی ہوں......؟ چلئے...... براہِ کرم کھانا کھائیے......!''

''مگر کھانا تو آپ نے بھی نہیں کھایا ہے۔''

وہ بولا اور عشیرہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ایں...... ! آپ کو کیسے معلوم......؟''

''بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دل سے شروع ہو کر دل پر ختم ہو جاتی ہیں...... میرا مطلب ہے......''

وہ ایک دم بوکھلا سا گیا۔

عشیرہ نے اس کی اس کیفیت پر تو غور نہیں کیا تھا۔ اتنی زیادہ ذہین نہیں تھی۔ لیکن جواب دینا ضروری سمجھا۔

''اصل میں میں نے ناشتہ دیر سے کیا تھا۔''

''چھوٹا منہ بڑی بات ہے مالکن......! مالک اور ملازم کا فرق سمجھتا ہوں۔ لیکن دل میں ایک عجیب سی خواہش اُٹھی ہے۔ اگر آپ پوری کر دیں گی تو زندگی بھر دُعائیں دیتا رہوں گا۔''

''خواہش......؟''

''جی......!''

''میں سمجھی نہیں......!''

''آپ بھی کھانا کھا لیجئے......!''

وہ اس قدر لجاجت سے بولا کہ عشیرہ موم کی طرح پگھل گئی۔

بات کچھ اسی انداز میں کہی گئی تھی کہ وہ اسے ردّ نہ کر سکی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس نے یک لخت اجنبیت دُور کر دی تھی ورنہ وہ ایک شرمیلی لڑکی تھی۔ اس نے اس کے ساتھ کھانا کھایا اور اسے ذرا بھی جھجک کا احساس نہیں ہوا۔

''تمہارا نام شاہ نم ہے نا......؟''

''ہاں......!''

''عام طور سے ایسے لوگ...... میرا مطلب ہے ایسے نام نہیں ہوتے ہیں۔ عجیب سا نام ہے...... مگر ہے بہت پیارا...... اور کون کون ہے تمہارے گھر میں......؟''

''پورا خاندان ہے...... ماں ہیں...... بابا ہیں...... ویسے میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں۔''

''تم لوگ بہت غریب ہو نا......؟''

''ہاں......!''

''خیر...... ! غریب ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔ محنت مزدوری کر کے زندگی گزارنا تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ مگر ایک بات بتاؤ......! جب تایا ابو نے تم سے پوچھا تھا کہ تمہارے ساتھ کون کون رہتا ہے......؟ کیا تم اکیلے ہو......؟''

''جی......! پوچھا تھا۔''

''تو تم نے یہی کہا تھا کہ تم اکیلے ہو......!''

''ہاں......! یہی کہا تھا میں نے...... انہوں نے یہ پوچھا تھا کہ اور کون تمہارے ساتھ ہے......؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ وہاں جو کوارٹر مجھے دیا گیا ہے، اس میں کون کون میرے ساتھ رہے گا......؟ تو میرے ماں باپ تو اپنے گھر پر ہیں...... وہ تو یہاں میرے ساتھ نہیں رہتے...... اس لئے میں نے یہی کہا تھا کہ میں اکیلا ہوں۔''

''اوہو......! اچھا......!''

باہر کوئی کھٹکا سا سنائی دیا تو عشیرہ اس طرح چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگی جیسے اب تک اسے یہ احساس ہی نہ ہو کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے......؟ کون

اس کے ساتھ ہے......؟ کیا کر رہی ہے وہ......؟ ایک اجنبی نوجوان کے ساتھ اس نے کھانا کھایا ہے...... اور وہ اجنبی نوجوان بھی وہ جو لاکھوں میں ایک ہے...... پتہ نہیں نظم اور نثر اسے دیکھیں گی تو ان کا کیا حال ہوگا......؟ اکثر وہ خوب صورت نوجوانوں کے بارے میں باتیں کیا کرتی تھیں اور یہ......

اچانک ہی اس کو اپنی موجودہ پوزیشن کا احساس ہوا اور اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''ارے بس......! اب تم جاؤ......! اگر کسی نے دیکھ لیا تو موت ہی آجائے گی۔''

''جی......! مجھے اندازہ ہے مگر آپ بے فکر رہیں۔ دُور دُور تک کوئی نہیں ہے۔''

''تمہیں کیا معلوم......؟ پلیز......! تم جاؤ......!''

عشیرہ اب بالکل ہی دہشت زدہ ہوگئی تھی۔

''جی......! اس کھانے کا اور آپ کی اس عزت افزائی کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے۔''

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

چند منٹ گزرے تو عشیرہ دروازے کے باہر آئی۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں۔ دُور دُور تک کوئی نہیں تھا۔

''یہ میں کیا کر بیٹھی......؟ یہ جرأت، یہ ہمت میرے اندر کہاں سے آگئی......؟''

اس نے سوچا اور بے سدھ ہو کر مسہری پر گر پڑی۔

یہ کیا ہو گیا مجھے......؟ یہ کیا ہو گیا ہے آخر......؟ وہ ایک اجنبی شخص

ہے...... میری تو اس سے ایک سے زیادہ ملاقاتیں بھی نہیں ہوئیں...... یہ میں نے اتنی بے تکلفی سے اسے اپنے کمرے میں کیسے بلا لیا......؟ ایک اجنبی کو......''

لیکن اس خیال پر دل نے پکار کر کہا کہ وہ اجنبی نہیں ہے۔ عشیرہ نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

''پھر بھی وہ ڈرائیور ہے...... صرف ڈرائیور...... نہ جانے کون ہے......؟ کہاں سے آیا ہے......؟''

ذہن اسی کشمکش میں مبتلا تھا لیکن اس سوچ میں ایک انوکھی لذت بھی تھی اور نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ جب ہوش آیا تو پانچ بج چکے تھے۔ ایک دم اس کا دل دھک سے ہوگیا۔

صبح بے شک بچ گئی تھی لیکن اب شامت زیادہ دُور نہیں تھی۔ ہانپتی کانپتی باورچی خانے پہنچی تو ٹرالی سجی ہوئی تھی۔ اس پر ہر چیز موجود تھی۔ چائے بالکل تیار تھی۔ کیتلی کی ٹونٹی سے بھاپ کی ایک لکیر اُٹھ کر فضاء میں بلند ہو رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے دیوار سے ٹک گئی۔

''میرے معبود......! میرے معبود......! یہ سب کیا ہے......؟ یہ سب کیا ہے......؟ میرے انوکھے خواب...... جنہیں میں خواب نہیں کہہ سکتی...... وہ کون ہے جو میرے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے......؟ میرے اللہ......! میں کس منہ سے تیرا شکر ادا کروں......!

بار بار میری جان سولی پر سے بچ جاتی ہے۔ وہ لوگ تو مجھے زندہ دفن کر دیں۔ دُشمن ہی دُشمن بکھرے ہوئے ہیں چاروں طرف۔ لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے...... یہ کیا ہے......؟''

وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی باورچی خانے سے نکل آئی۔

ناشتے کے کمرے میں سبھی موجود تھے۔ مشیرہ خالہ کو بھی صبح سے کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ اس لئے وہ اپنی تکلیف کو بھول کر فوراً ہی ٹرالی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ عشیرہ نے ان کے لئے چائے نکالی اور اس وقت اس میں نمک ڈالنا نہ بھولی۔

پھر اس کی پہلی رات اب تک کی تمام راتوں سے مختلف گزری۔ اس کے ذہن میں بار بار شاہ نم کا چہرہ آ جاتا تھا۔

''شاہ نم کے انداز میں کتنی اپنائیت تھی۔ کس محبت سے مجھ سے بات کر رہا تھا۔ کیسا خوب صورت سا نوجوان ہے۔ نک سک سے درست بہترین جسامت کا مالک۔ کہتا ہے اس کے سبھی لوگ موجود ہے۔ بیچارہ اتنا غریب ہے۔ ماں باپ بھی غربت میں زندگی گزار رہے ہوں گے۔''

بہر حال آدھی رات تک وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی۔

پھر رات گزر گئی اور اس کے بعد دن۔

سب لوگ شاہ نم سے بہت خوش تھے۔ بڑا ہنس مکھ نوجوان تھا۔ نظم اور نثر کی آنکھوں کو وہ دیکھ چکی تھی۔ جب بھی وہ سامنے آتا، وہ دونوں کھسر پھسر کرنے لگتیں۔ البتہ یہی شکر تھا کہ ان کا نظریہ ذرا مختلف تھا۔ وہ انسان کو صرف شکل وصورت سے ہی نہیں بلکہ اس کی حیثیت اور دولت کے ترازو میں تولتی تھیں اور اس لحاظ سے یہ ڈرائیور ان دونوں کے لئے بالکل بے مقصد چیز تھا۔

اس کے بارے میں وہ یہ ضرور کہہ سکتی تھیں کہ وہ ایک خوب صورت نوجوان ہے...... پتہ نہیں اس کا ماضی کیا ہے......؟ یہ بات تو کتنی بار ہی عشیرہ کے ذہن میں بھی آئی تھی لیکن اس نے کبھی اس سے چھپ کر ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بہت سے مرحلے گزرتے رہے۔ عشیرہ کے نادیدہ ہمدرد اس کے ہر مسئلے میں اس کے لئے سامنے آجاتے تھے اور ایک خاص بات یہ بھی کہ اس دوران گھر کے تمام لوگوں کو عقل آگئی تھی اور انہوں نے یہ بات خاص طور سے محسوس کر لی تھی کہ اگر عشیرہ کو برا بھلا کہا جاتا ہے تو غیبی طور پر انہیں اس کی سزا مل جاتی ہے۔ اس سلسلے میں باقاعدہ گفتگو بھی ہوئی تھی۔ مشیرہ بیگم نے کہا۔

''یہ ہو کیا رہا ہے آخر اس گھر میں......؟''

''کیا ہوا......؟ خیریت......! مشیرہ باجی......!''

''میں اس لڑکی کے بارے میں سوچتی ہوں۔ پتہ نہیں مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس پر کسی جن کا سایہ ہوگیا ہو۔ نکھرتی بھی جا رہی ہے۔ اس کے خلاف اگر ہم کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیں اس کی سزا مل جاتی ہے۔''

معظم علی ہنسنے لگے۔

''چلئے......! اسی طرح آپ لوگوں کے دل میں اس کے لئے نرمی تو پیدا ہوئی۔''

''خاک نرمی پیدا ہوئی......؟ یہ تو صرف ڈر ہے جو ہمارے دل میں بیٹھ گیا ہے۔''

طاہرہ بیگم نے کہا۔

غرضیکہ شاہ نم انتہائی بے باکی سے عشیرہ کے دل میں داخل ہوگیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن عشیرہ کی بے چین آنکھیں اس کو تلاش کرتی رہتی تھیں اور وہ طرح طرح سے عشیرہ کے سامنے آتا تھا۔

صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے

ہیں اور پھر ایک دن اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

''عشیرہ......! ساری صورتِ حال میرے علم میں آ چکی ہے۔ میں بے شک ایک غریب آدمی ہوں۔ لیکن اگر آپ میری زندگی میں شامل ہو جائیں تو شاید میں دُنیا کا امیر ترین آدمی بن جاؤں۔

میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں عشیرہ......! میں آپ کو اپنی زندگی سے زیادہ چاہنے لگا ہوں۔''

عشیرہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے پاس اس بات کا جواب الفاظ کی شکل میں موجود نہیں تھا۔ لیکن اس کے انداز نے شاہ نم کو سمجھا دیا کہ اب اس دُنیا میں شاہ نم کے سوا اس کا اور کوئی نہیں ہے۔ اس کی تنہائیاں شاہ نم کے خیال سے منور ہیں۔ لیکن تنہائیوں میں وہ جب بھی سوچتی، بدحواس ہو جاتی۔

وہ سوچتی کہ آخر وہ شاہ نم کی زندگی میں کیسے داخل ہو سکتی ہے......؟ اس گھرانے میں وہ سب کی نگاہوں کا کانٹا تھی۔ لیکن بھلا معظم علی کیسے پسند کرتے کہ ان کے بھائی کی بیٹی ڈرائیور کے ساتھ منسوب ہو جائے۔

شاہ نم کی ہر بات کے جواب میں وہ خاموش رہتی۔ آخر ایک دن اسی املی کے تاریخی درخت کے نیچے شاہ نم نے اس سے سوال کر ہی لیا۔

''عشیرہ......! آپ کی خاموشی مجھے خوف میں مبتلا کر دیتی ہے کہ کہیں میری محبت یک طرفہ تو نہیں ہے۔ خدارا......! اگر ایسی بات ہے تو مجھے بتا دیں......! میں معمولی انسان ہوں۔ اپنی دُنیا میں لوٹ جاؤں گا۔ لیکن یہ اُلجھن مجھے پاگل کئے دے رہی ہے۔''

اس دن عشیرہ نے نہ جانے اپنے اندر کہاں سے اتنی ہمت پیدا کر لی......؟ وہ نرم لیکن شفاف لہجے میں بولی۔

''تو بہتر کہ اپنی دُنیا میں لوٹ جاؤ شاہ نم......! تم نہ جانے کیا سوچ رہے ہو......؟ یہ ماحول...... یہ گھرانہ تمہیں قبول نہیں کرے گا...... تم خود ہی دیکھ چکے ہو اور سمجھ چکے ہو کہ یہاں میری کوئی عزت نہیں ہے...... لیکن وہ لوگ کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ...... کہ......''

''میں صرف آپ کی بات کر رہا ہوں عشیرہ......! مجھے صرف اپنی مرضی بتا دیجئے......! باقی معاملات میں قسمت پر چھوڑ دوں گا...... اگر آپ کی مرضی کے بعد میں آپ کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو میں آپ سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔''

اور اس دن عشیرہ کی معصوم خاموشی کو زُبان مل گئی۔

''میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں شاہ نم......! میں تم سے پاگلوں کی طرح محبت کرتی ہوں...... میری دُنیا میں تمہارے سوا کیا رکھا ہے......؟ میں ایک بدنصیب لڑکی ہوں...... خدا نہ کرے میری نحوست کا سایہ تم پر پڑے...... یہاں سے نوکری چھوڑ دو...... کہیں اور چلے جاؤ...... کہیں یہ ظالم لوگ تمہاری بھی زندگی خراب نہ کر دیں۔''

وہ دیوانی ہوگئی اور اس نے شاہ نم کا سر اپنے سینے میں بھینچ لیا اور شاہ نم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''خدا کرے تمہاری پوری زندگی مجھے مل جائے عشیرہ......! تم خود کو منحوس کیوں کہتی ہو......؟''

وہ بڑے اعتماد سے مسکراتا ہوا بولا۔

''تم ان لوگوں کو نہیں جانتے شاہ نم......! تم ان لوگوں کو نہیں جانتے۔''

عشیرہ سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔

''ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ سب لوگ مجھے نہیں جانتے عشیرہ.....! اب تم باقی معاملات مجھ پر چھوڑ دو...... جو کچھ کروں گا، میں کرلوں گا۔ تمہارا کام صرف اتنا ہی تھا کہ تم مجھے اپنے دل کی بات بتا دو...... باقی ذمے داری میری ہے۔''

شاہ نم کے لہجے میں بڑا اعتماد تھا اور نہ جانے یہ اعتماد کس طرح عشیرہ کے دل میں بھی منتقل ہوگیا۔ اسے یوں لگنے لگا جیسے شاہ نم واقعی کچھ کر ہی لے گا۔

اس احساس کے ساتھ اس کے اندر ذرا سی بے باکی پیدا ہوگئی تھی۔ دوسرے دن دوپہر کو جب املی کے درخت کے نیچے ان کی ملاقات ہوئی تو شاہ نم کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ غور سے شاہ نم کو دیکھنے لگی۔ پھر نظریں جھکا کر بولی۔

''تم بہت خوش ہو شاہ نم......؟''

''ہاں عشیرہ......! میری تو زندگی کا مقصد ہی تم ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے تمہارے لئے کس طرح جدوجہد کی ہے......؟''

عشیرہ نگاہ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

''مگر اب ہوگا کیا......؟''

''معصوم سی لڑکی......! یہ حقیقت ہے کہ میں نے تم سے زیادہ سیدھی سادی لڑکی اور کوئی نہیں دیکھی۔ تمہارے منہ سے آج تک وہ نہیں نکلا جس کی میں توقع کر رہا تھا۔''

عشیرہ نے سادہ سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی۔

''کیا......؟''

''کچھ نہیں......! یہ بعد میں بتانے والی بات ہے۔''

''میں پھر وہی سوال کر رہی ہوں کہ اب ہوگا کیا......؟''

''اور میں پھر تمہیں وہی جواب دے رہا ہوں کہ یہ تمہاری نہیں، میری ذمے داری ہے۔ وقت کی ہر شاخ ہماری طرف جھکے گی اور ہم آخرکار اپنی منزل پالیں گے۔ میں تم سے شادی کرلوں گا عشیرہ......! اور پھر ہم دونوں مل کر رہیں گے۔''

عشیرہ نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر بولی۔

''شاہ نم......! اب تو میں تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچنے لگی ہوں اور بعض اوقات طرح طرح کے خیالات میرے دل میں آتے ہیں۔''

''مجھے نہیں بتاؤ گی عشیرہ......؟''

شاہ نم نے کہا۔

''کیا بعد میں بھی تم یہیں اسی گھر میں رہو گے......؟ ان لوگوں کے ڈرائیور بن کر......؟ یہ سب اس بات سے خوش تو نہیں ہوں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں ہماری منزل ملنا ہی مشکل ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ طاہرہ بیگم اور مشیرہ بیگم دونوں ہماری بدترین دشمن رہیں گی اور انہی کے اثرات دوسروں پر بھی رہیں گے۔

نظم اور نثر بہت بری ہیں۔ کسی کی بے عزتی کرنے سے کبھی نہیں چوکتیں۔ میں نے تو خیر ان کے درمیان کافی وقت گزار لیا ہے۔ لیکن اگر انہوں نے تمہاری بے عزتی کی تو مجھے بہت دُکھ ہوگا۔ میں برداشت نہیں کرسکوں گی۔''

''تم کیا کہنا چاہتی ہو عشیرہ......؟''

"تم کہیں اور نوکری کر لینا۔ کسی بھی کوٹھی میں ہم دونوں مل کر وہاں کے کام کاج کریں گے۔ میں بہت خوش رہوں گی اس بات سے۔"

عشیرہ نے کہا اور اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں اُبھر آئیں۔ ناک پسینے میں میں بھیگ گئی۔ آنکھوں سے شرم کے آثار نمودار ہو گئے۔ شاہ نم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے عشیرہ......! ہم اپنے گھر میں رہیں گے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا پورا کنبہ ہے، خاندان ہے، سب لوگ تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔ یہ اچھا ہوگا اور سنو......! کسی بھی بات سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ سے تم اسی طرح برابر ملتی رہوگی۔

ہاں......! اگر تم نے اس کے خلاف کچھ کیا تو شاید میں اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکوں۔"

"مم...... میں......تم یقین کرو شاہ نم......! میں اتنی ڈرتی ہوں کہ تمہیں بتا نہیں سکتی۔"

"یہی تو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ تم دیکھو......! تمہیں ڈرنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہے۔ جب بھی کبھی کوئی تمہارے خلاف کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے......؟ اس کا تمہیں اندازہ ہے۔"

عشیرہ نے معصومیت سے گردن ہلا دی تھی۔

شاہ نم نے جیب سے ایک رومال نکالا اور اس سے عشیرہ کی پیشانی اور ناک سے پسینے کے قطرے صاف کرنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"عشیرہ......! میں جو کچھ کر رہا ہوں، تم سمجھ لو ہم دونوں کی بہتری کے لئے ہے۔ کسی بھی چیز سے خوف مت کھانا۔ جیسا کہ میں نے تمہیں کہا کہ میں

سارے معاملات سنبھالنے کی ہمت بھی رکھتا ہوں اور صلاحیت بھی۔"

عشیرہ کا سر آہستہ سے جھکا تو شاہ نم نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنی چوڑی چھاتی میں چھپا لیا۔ عشیرہ کو بے حد سکون کا احساس ہوا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے سورج کی تپش ایک دم ٹھنڈک میں تبدیل ہو گئی ہو۔ یہ لمس اس کی زندگی کا سب سے انوکھا لمس تھا۔ شاہ نم بھی جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے عشیرہ سے کہا۔

"دیکھو......! ذرا ادھر دیکھو......!"

پتہ نہیں شاہ نم نے کس طرف اشارہ کیا تھا۔

عشیرہ نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی پھر بولی۔

"کیا کہہ رہے ہو......؟"

"ادھر دیکھو عشیرہ......!"

شاہ نم نے ایک طرف اشارہ کیا اور عشیرہ کی نگاہیں اس طرف اُٹھ گئیں۔ لیکن دوسرے لمحے اس کے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی۔ وہ بدحواسی میں شاہ نم کے پاس سے ہٹ بھی نہ سکی۔

اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اس کی روح جسم سے نکال لینے کے لئے کافی تھا۔ بڑے گیٹ کے پاس مشیرہ خانم کھڑی ہوئی ادھر ہی دیکھ رہی تھیں۔ ان کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

پھر انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور تیزی سے واپس اندر جانے کے لئے مُڑ گئیں۔

عشیرہ گری پڑ رہی تھی۔ یہ جو کچھ ہوا تھا وہ اس کی موت کے لئے کافی

تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بیچارہ ڈرائیور بھلا مشیرہ بیگم کے مقابلے میں کیا کر سکے گا......؟

''مشیرہ بیگم سب سے پہلے طاہرہ بیگم کو سب کچھ بتائیں گی اور پھر معظم علی کو......''

بمشکل تمام اس کے منہ سے نکلا۔

''ہائے......! میرے مالک......! اب کیا ہوگا......؟''

❀ ❀ ❀

٥

عشیرہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

شاہ نم نے اسے دیکھا پھر بولا۔

''بار بار کہتا ہوں عشیرہ......! کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ نہ جانے کیوں تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے......؟ تم بالکل فکر مت کرو......! سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہی ہوگا۔

جب تم نے معاملات مجھ پر چھوڑ دیئے ہیں تو پر تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے......؟ مجھ پر اور اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرو۔ اصل میں تم اس قدر معصوم ہو کہ کبھی کبھی مجھے دُکھ ہونے لگتا ہے کہ میں تمہیں کتنی تکلیف دے رہا ہوں۔''

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے شاہ نم......! تم ان لوگوں کو نہیں جانتے......

زندہ دفن کر دیں گے مجھے......!''

''خدا کے لئے ایسی باتیں مت کرو عشیرہ......! مجھے ایسے کسی عمل پر آمادہ مت کرو کہ ان لوگوں کو میرے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچ جائے۔''

''کیوں میری موت کا سامان کر رہے ہو شاہ نم......؟ کیوں میری موت کا سامان کر رہے ہو......؟''

عشیرہ سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔

''تمہاری موت کا سامان نہیں عشیرہ......! بلکہ دونوں کی زندگی کا سامان کر رہا ہوں۔ جاؤ......! پورے بھروسے اور اعتماد کے ساتھ واپس جاؤ......! حالات کچھ بھی ہوں، مجھ سے ملنا بند مت کرنا۔ ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ باقی جہاں تک ان لوگوں کا معاملہ ہے، اگر تم اتنی سادہ لوح نہ ہوتیں تو بہت کچھ تمہاری سمجھ میں آ سکتا تھا۔ میرا مطلب ہے یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''میں جا رہی ہوں......!''

عشیرہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''جاؤ......! پورے اعتماد کے ساتھ......! خدا حافظ......!''

شاہ نم بولا اور وہ کانپتی کانپتی اندر چل پڑی۔

''یہ شاہ نم اس عمارت میں ڈرائیور ہے۔ بھلا وہ لوگ بیچارے کو کیا خاطر میں لائیں گے......؟ پاگل ہو رہا ہے میرے لئے......! میرے دل میں بھی تو اب جینے کی اُمنگ پیدا ہو گئی ہے۔ جب اس سے ملتی ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے زندگی اسی وقت شروع ہوئی ہے۔

آہ......! کیا ہو گا ہم دونوں کا......؟ مشیرہ بیگم نے جو قیامت ڈھائی

ہو گی وہ آخری حد تک پہنچ چکی ہو گی۔ طاہرہ بیگم کی خونی نگاہیں مجھے دیکھیں گی اور میں پانی پانی ہو جاؤں گی۔''

لیکن کچھ نہ ہوا...... کچھ بھی نہیں ہوا...... وہ پریشان ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن اسے شدید بخار چڑھ گیا۔ ناشتہ وغیرہ تو اب اس طرح تیار ہو جاتا تھا کہ اسے ہاتھ بھی نہ لگانا پڑتا تھا۔

''یہ سارے کام کون کرتا ہے......؟''

کبھی اس کی نگاہوں میں نہیں آ سکا تھا۔ بس سوچتی ہی رہ جاتی تھی۔

پتہ نہیں وہ نادیدہ قوتیں اس پر کیوں مہربان ہو گئی ہیں۔ کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچتی تھی کہ اللہ مظلوموں کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے، غیب سے ہی ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے......؟

دوسری صبح وہ بخار ہی کے عالم میں ناشتہ لے گئی۔ لیکن مشیرہ بیگم نے غضب ڈھایا تھا۔ ابھی تک کسی کے چہرے یا انداز میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی اور وہ یہ سوچتی رہی تھی کہ اگر مشیرہ بیگم نے طاہرہ بیگم ہی کو بتا دیا ہوتا تو طاہرہ بیگم اتنی گہری نہیں تھیں کہ بات کو چھپا جاتیں۔

بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ لیکن دوسری دوپہر وہ املی کے درخت کے نیچے نہیں جا سکی۔ جبکہ اب یہ اس کا معمول ہو گیا تھا۔ اسے اب بھی بخار تھا۔ دوپہر کا وقت تھا اور وہ بری طرح بے چین تھی کہ اچانک ہی دروازہ کھلا اور شاہ نم اس کے کمرے میں گھس آیا۔ وہ بری طرح اُچھل پڑی تھی۔

''کیا کر رہے ہو شاہ نم......! خدا کے لئے باز آ جاؤ......! میں مر جاؤں گی۔''

''اور مجھے یہ تک پتہ نہیں چل سکا کہ تمہیں بخار آ گیا ہے...... چلو اُٹھو

میرے ساتھ آؤ......!''

''کہاں...... شاہ نم......!''

''آؤ......!''

شاہ نم نے کہا اور اس کی کلائی پکڑ کر کمرے سے باہر لے آیا۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے شاہ نم کے ساتھ چل رہی تھی۔ اچانک ہی اس نے سامنے سے نظم اور نثر کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پاؤں بے جان ہو گئے تھے۔ نظم اور نثر اسی طرف آ رہی تھیں۔ شاہ نم نے اسے سنبھالا اور بولا۔

''سنبھالو خود کو عشیرہ......! سنبھالو......!''

''وہ...... وہ دونوں...... وہ دونوں اسی طرف آ رہی ہیں...... اسی طرف آ رہی ہیں وہ دونوں......!''

''نہیں آئیں گی...... وہ تمہیں نہیں دیکھ سکتیں...... دیکھو وہ دوسری جانب مُڑ گئیں۔''

بڑے عجیب سے انداز میں نظم اور نثر ایک طرف مُڑ گئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کے اس طرف جانے میں ان کی قوتِ ارادی کو دخل نہ ہو یا وہ ادھر نہ جا رہی ہوں۔ ادھر ہی آ رہی ہوں لیکن ان کا رُخ بدل گیا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔

''یہ کیا ہوا......؟ یہ تو ادھر ہی آ رہی تھیں۔''

''آؤ عشیرہ......! شاہ نم پر بھروسہ کرنا سیکھ لو......! سب ٹھیک ہو جائے گا......!''

چنانچہ وہ اسے ساتھ لئے ہوئے وہاں آ گیا جہاں اس نے دُور سے طاہرہ بیگم اور مشیرہ بیگم کو دیکھا تھا۔ دونوں اس راہ داری کی چھوٹی دیوار کی

سیڑھیوں کے پاس ایسے چھپی ہوئی تھیں جیسے چوری کر رہی ہوں۔

وقفے وقفے سے وہ گردن اُٹھا کر اس طرف جھانک لیتی تھیں جہاں ملی کا درخت تھا۔ مگر وہ جگہ اب تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ مشیرہ اور طاہرہ بیگم کو دیکھ کر ایک بار پھر عشیرہ نڈھال ہونے لگی تو شاہ نم نے کہا۔

''یہ لوگ ہمیں تلاش کر رہی ہیں...... کیا سمجھیں......؟ اگر جاننا چاہتی ہو تو میں تمہیں ان کے کمرے میں لے چلوں......!''

''تمہیں خدا کا واسطہ شاہ نم......! تمہیں خدا کا واسطہ......! میرا دل نکل جائے گا۔ میری تو سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی...... مشیرہ خالہ نے اب تک طارہ بیگم کو کیا بتایا ہے......؟ اور اگر بتایا ہے تو انہوں نے ابھی تک اس کا نوٹس کیوں نہیں لیا......؟''

''تم بلاوجہ ڈر رہی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں......؟ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ جب بھی وہ تمہارے خلاف کچھ کرتی ہیں، ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جاتا ہے۔''

''میں تو اسے اللہ کا کرم سمجھتی ہوں۔ اللہ کو میری بے بسی پر رحم آ گیا ہے۔ پتہ نہیں یہ سب کیسے ہو جاتا ہے......؟ میں تمہیں کیا بتاؤں شاہ نم......! میرے ساتھ بڑے عجیب وغریب واقعات پیش آ رہے ہیں۔ کبھی کبھی تو میری سمجھ میں کچھ آتا ہی نہیں ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے...... تم پر اللہ کا کرم ہے۔''

شاہ نم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

حقیقت بھی یہی تھی۔ پتہ نہیں کس طرح مشیرہ بیگم نے جو کچھ دیکھا تھا، اسے اپنے دل میں رکھا تھا۔ حالانکہ یہ ان کی فطرت نہیں تھی۔ لیکن انہوں

نے صبر کیا تھا، برداشت کیا تھا۔ البتہ دوسرے دن وہ وقت پر طاہرہ بیگم کے پاس پہنچی تھیں۔

''طاہرہ بیگم......! کہی بات پرائی ہوتی ہے۔ عزت دومنٹ میں جاتی ہے۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ پہلے بات کو تول پھر بول......کبھی کبھی چھوٹا منہ بڑی بات ہو جاتی ہے۔''

''توبہ......! توبہ......! باجی......! آج تو یوں لگتا ہے جیسے آپ نے محاوروں کی کتاب کھول لی ہے۔''

''ارے طاہرہ......! میرا جی جانتا ہے رات بھر سینہ کھولتا رہا ہے۔ پتہ نہیں کس مشکل سے یہ آگ برداشت کی ہے......؟ لیکن بی بی......! کچھ کہتے ہوئے ڈر ہی لگا مجھے......کہیں ایسا نہ ہو آنکھوں والی ہو کر اندھی کہلاؤں......! تم ذرا تیار ہو جاؤ......تھوڑا سا وقت گزر جانے دو......دھوپ چڑھ جانے دو پھر میں تمہیں ایک تماشا دکھاؤں گی۔''

''کیسا تماشا مشیرہ باجی......؟ کچھ اتہ پتہ تو دیں......!''

طاہرہ بیگم نے کہا۔

''نا بی بی......! نا......! پہلے آنکھوں سے دیکھ لو۔ اس کے بعد عمل کرو۔''

مشیرہ بیگم ایسی ہی پہیلیاں بجھاتی رہیں۔

پھر وہ وقت جب انہوں نے عشیرہ کو شاہ نم کے ساتھ دیکھا تھا، آ گیا اور وہ طاہرہ بیگم کو لے کر چل پڑیں۔

''مشیرہ باجی......! بات کیا ہے......؟ کچھ بتایئے تو سہی......!''

''ابھی دودھ کا دودھ......پانی کا پانی ہوا جاتا ہے۔''

''توبہ ہے......! پتہ نہیں کیا دکھانا چاہتی ہیں مجھے......؟''

اور پھر مشیرہ بیگم انہیں اس دیوار کے پاس لے آئی تھیں جہاں سے املی کے درخت کے نیچے جھانکا جا سکتا تھا اور انتظار کرتی رہی تھیں۔ مگر انہیں کیا معلوم کہ ان کی اس چوری کو پکڑ لیا گیا ہے۔ عشیرہ کی ہمت تو نہیں ہوئی تھی کہ شاہ نم کے ساتھ طاہرہ بیگم کے کمرے تک جائے اور ان کی بات سنے۔ اس نے کہا تھا۔

''شاہ نم......! مجھے جانے دو......! میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں۔ ویسے بھی مجھے بخار ہے۔''

''کوئی بخار نہیں ہے۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لو......سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تم جاؤ......! تمہیں خدا کا واسطہ......! تم جاؤ......!''

''ٹھیک ہے......! ٹھیک ہے......! میں جا رہا ہوں۔ تم زیادہ پریشان نہ ہو۔''

شاہ نم نے کہا تھا، مشیرہ بیگم بہت دیر تک انتظار کرتی رہی تھیں۔ مگر وقت گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ طاہرہ بیگم بھی جھنجلا گئیں۔

''مشیرہ باجی......! پلنگ لے آتے ہیں یہاں۔ ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ پتہ نہیں کیا دیکھنا چاہتی ہیں......؟''

''آؤ بی بی......! آؤ......! میں نے اسی لئے کہا تھا نا کہ تقدیر کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ بات زبان سے نکلی پرائی ہوئی۔ آ جاؤ......! آ جاؤ چھوڑو......! اللہ مالک ہے......! آج نہیں تو کل سہی......!''

وہ طاہرہ بیگم کے کمرے میں آ گئیں۔ ان کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا

تھا۔ ہانپتی کانپتی پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

''طاہرہ بیگم......! پتھر کی سل رکھی ہوئی ہے کل سے میں نے سینے پر...... کھایا پیا تک نہیں جا رہا...... ارے......! اللہ کا غضب...... ! گر کی عزت اس طرح خاک میں مل رہی ہے۔ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

ارے......! طاہرہ بیگم......! پہلے ہی کہتی تھی...... یہ حسن و جمال ایسے ہی نہیں بڑھ رہا۔ اس کے پیچھے کچھ ہے۔ غضب خدا کا...... یہ تو ناک کاٹ کر ہاتھ میں رکھنے والی بات ہوئی۔''

''کہے جایئے......! کہے جایئے......! کیا ہوگیا ہے آخر......؟ کیا نظم اور نثر نے کوئی غلط قدم اُٹھایا ہے......؟''

''ارے......! توبہ......! ان نیک بچیوں کا نام کیوں لے رہی ہو......؟ گھر میں ہے نا...... ایک سب کی کسر پوری کرنے کے لئے......!''

''کون......؟ کیا عشیرہ......؟''

''ہاں بی بی......! ہاں......! انہی کی بات کر رہی ہوں۔ مگر کل توبہ......! توبہ......!''

''کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوگئی ہے آپ کو مشیرہ باجی......!''

''بی بی......! تقدیر اچھی ہے کم بخت کی...... کل سے برداشت کر رہی تھی کہ آنکھوں دیکھی بات ٹھیک ہوتی ہے...... پر آج وہ نہیں ہوا جو کل میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔''

''خدا کے لئے مشیرہ باجی......! کیوں میرا بلڈ پریشر بڑھا رہی ہیں......؟ بتا تو دیجئے کیا دیکھا آپ نے......؟ کیا ہوا......؟ کیا کیا عشیرہ نے......؟''

''بی بی......! عشق کر رہی ہیں...... عشق...... اللہ کسی کو نہ دکھائے...... ماں باپ ہوتے تو شرم سے زمین میں گڑ جاتے۔ جو منظر میں نے دیکھا ہے تمہیں بتاؤں تو نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے......؟''

''کس سے عشق کر رہی ہے......؟ یہاں کوٹھی میں......؟ وہ تو باہر کہیں بھی نہیں جاتی۔''

''یہی تو مزے کی بات ہے۔ میں تو حیران ہوں طاہرہ......! شکل سے کتنی معصوم لگتی ہے مگر ٹیکا ٹیک دوپہری میں ڈرائیور...... توبہ......! توبہ......! توبہ......! توبہ......!''

''مشیرہ باجی......؟''

''ارے بس......! خیر کوئی بات نہیں۔ آج نہ سہی...... کل سہی...... جگہ بڑی اچھی منتخب کی ہے۔ بڑی ہمت کی بات ہے بی بی......! کھلے عام...... ایسا لگ رہا ہے جیسے زمانے کو اپنے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔ ڈرائیور کے سینے پر سر رکھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ دردِ دل، دردِ جگر سب کچھ سامنے اُٹھا کر رکھ دیا تھا۔''

''مشیرہ باجی......! بہت بڑی بات کر رہی ہیں۔ ایک بات میں آپ کو بتاؤں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معظم علی اپنے بھائی بھاوج سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ تو آپ یوں کہیئے کہ میں نے بڑے جتن کر کے ان کا دل خراب کیا ورنہ وہ تو جان دینے والوں میں سے تھے۔

اگر ایسی بات ان کے کانوں تک پہنچ گئی اور اس میں ذرا بھی کوئی وہم کی بات نکلی تو آپ یہ سمجھ لیجئے۔ بڑا کام خراب ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے معظم علی ہتھے سے ہی اُکھڑ جائیں۔ اگر میں ان سے یہ کہوں گی کہ مشیرہ باجی نے یہ

الفاظ کہے ہیں اور اگر ان کو کوئی ثبوت نہ مل سکا تو......''

''بی بی......! ٹھیک ہے۔ جو آنکھوں دیکھی ہے وہی کہہ رہی ہوں۔ وہی کر رہی ہوں۔ ایک دفعہ انہیں بھی دکھا دو۔ بس......! اس کے بعد سارا کام ہو جائے گا۔''

''صرف دوپہر ہی کو ملاقات ہوتی ہے ان کی یا رات کو بھی......؟''

''کل بتاؤں گی...... کیا سمجھیں......؟''

''ٹھیک ہے......!''

پتہ نہیں شاہ نم کا کیا منصوبہ تھا۔ بے شک ایک معمولی سا ڈرائیور تھا وہ اس کوٹھی میں اور یہ بات دُنیا سوچ سکتی تھی کہ اگر معظم علی کو اس بارے میں پتہ چل گیا تو بہرحال بھتیجی کا خیال تو کریں گے اور پھر گھر کی بدنامی بھی نہیں ہونے دیں گے۔ سولی پر چڑھوا دیں گے شاہ نم کو۔

نہ جانے کیا سوچا تھا اس نے......؟ ویسے بڑے دل گردے کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ رات کو املی کے درخت کے نیچے پہنچ گیا اور مزے کی بات یہ تھی کہ مشیرہ بیگم، طاہرہ بیگم کو اُٹھا کر لے گئی تھیں۔

شاید پہلے نگاہ مار کر آئی تھیں۔ وہ ایک جگہ چھپی ہوئی ادھر دیکھ رہی تھیں۔ طاہرہ بیگم نے بھی دیکھ لیا کہ عشیرہ املی کے درخت کے نیچے پہنچ گئی ہے اور وہیں پر شاہ نم بھی آ گیا ہے۔ دونوں دُنیا سے بے خبر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

شاہ نم نے کہا۔

''تمہارا بخار نہیں اُترا......؟''

''میں کیا بتاؤں شاہ نم......! کہ میرا کیا حال ہے......؟''

''اور میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ ایسا کون سا ذریعہ ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں آنے والے بہترین وقت کے لئے اطمینان دلا سکوں......؟''

''خدا کے لئے شاہ نم......! باز آ جاؤ......! ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

''نہیں مرو گی تم......! سمجھیں......؟ تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہی ہوگا۔''

''میں کیا کروں......؟ اور کیسے کروں......؟''

''اب جو کچھ بھی ہے۔ میری ایک بات سن لو......! تم دوپہر کو بھی آؤ گی اور رات کو بھی۔ اگر یہ سلسلہ ٹوٹا تو بہت برا ہوگا۔ کم از کم میں یہ دُنیا چھوڑ دوں گا۔ میں یہ تم سے آخری بات کہہ رہا ہوں اور بالکل بھروسے کے ساتھ میری بات سن لو۔ میں جو کہتا ہوں وہ کر کے دکھا دیتا ہوں۔''

عشیرہ نے بے بسی کی نگاہوں سے شاہ نم کو دیکھا اور گردن جھکا لی۔

''آؤ......! میں تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ دوں۔''

''مم...... میں...... میں چلی جاؤں گی...... میں چلی جاؤں گی۔''

''نہیں......! میں تمہیں کمرے تک چھوڑ کر آؤں گا۔''

شاہ نم نے عشیرہ کا ہاتھ پکڑا اور پھر وہ اسے کمرے تک چھوڑنے آیا تھا۔

مشیرہ بیگم، طاہرہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر دوڑ پڑی تھیں۔ کیونکہ عشیرہ کے کمرے تک جانے کا راستہ اسی طرف سے گزرتا تھا جہاں وہ دونوں چھپی ہوئی تھیں۔ البتہ وہ طاہرہ بیگم کو لے کر ان کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔ طاہرہ بیگم کا سانس بھی پھولا ہوا تھا۔

عشیرہ بیگم کہنے لگیں۔

''دیکھا بی بی......! اللہ نے میری عزت رکھ لی۔ بات منہ سے نکال تو

دی تھی پر ڈر رہی تھی کہ کہیں عزت نہ لٹ جائے میری...... اگر دوبارہ انہیں نہ دیکھ پاتی تو تمہیں بھی میری طرف سے غلط فہمی ہو جاتی کہ پتہ نہیں سچ کہہ رہی ہوں یا غلط......؟''

''نہیں مشیرہ باجی......! آپ بھلا غلط کیوں کہیں گی......؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے......؟ اصل میں اسے ذلیل و خوار کرنا تو میرے لئے بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ معظم علی کا دل اس کی طرف سے خراب ہو جائے کہ خود معظم علی اسے دولت اور جائیداد سے بے دخل کر کے گھر سے باہر نکال دیں۔ کیونکہ بہت سی دفعہ میں نے یہ دیکھا کہ معظم علی اس کے بارے میں بڑی دردمندی سے سوچنے لگتے ہیں۔

ارے......! ویسے تو اللہ کا دیا بہت کچھ ہے لیکن اس کم بخت کے لئے نہ جانے کیوں دل کڑھتا رہتا ہے کہ کہیں اسے کوئی بہتر جگہ نہ مل جائے......؟''

مشیرہ بیگم کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ کافی دیر تک کچھ نہ بولیں تو طاہرہ بیگم نے خود ہی انہیں مخاطب کیا۔

''کس سوچ میں ڈوب گئیں باجی......؟''

''بی بی......! اس دماغ کی داد دینی پڑے گی تمہیں...... وہ تو یوں کہو تقدیر نے ساتھ نہیں دیا ورنہ کوئی بہت بڑا مقام مل چکا ہوتا مجھے۔''

''کیوں......؟ کیا ہوا......؟''

''ایک کام کرو طاہرہ......! ایسا کام کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اس کم بخت کو اپنی صورت پر بڑا ناز ہے نا...... اور ہے بھی کم بخت اچھی شکل وصورت کی۔

ارے......! میں کہتی ہوں کہ آسے اس ڈرائیور کے پلے ہی کیوں نہ

باندھ دو......؟ ڈرائیور کے پلے بندھے گی تو مزہ آجائے گا۔ اس سے بدلہ لینے کا بی بی......! اس سے اچھا طریقہ اور کوئی نہیں ہے۔ ایسا کرو اپنے میاں کو اس کے سارے کرتوت دکھا دو اور پھر کہہ دو کہ اگر عزت درکار ہے تو پھر ڈرائیور ہی سے اس کی شادی کر دیں ورنہ یہ ناشگنی نہ جانے کیسے کیسے گل کھلائے گی......؟''

طاہرہ بیگم سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہیں۔ پھر بولیں۔

''دوپہر کو بھی ملتی ہے اور رات کو بھی ملتی ہے اس سے...... ارے بابا......! میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کبھی ایسا......!''

''اب سوچو......! اب سوچو......!''

''تو پھر کل دوپہر کو تو نہیں...... ایسا کرتی ہوں مشیرہ باجی......! کہ کل رات کو ہمدرد تایا کو لاڈلی بھتیجی کے کرتوت دکھا دوں گی۔ کیا سمجھیں......؟''

''مزہ آجائے گا......! مزہ آجائے گا......!''

''تو پھر اب یہ بتاؤ......! کہ ایسا ہی کروں یا اس میں کوئی ترمیم کرنی ہے......؟''

''میں جو کچھ کہہ رہی ہوں...... وہی کر کے دکھاؤ......!''

دوسرے دن دوپہر کو شاہ نم املی کے درخت کے نیچے پہنچ گیا اور اس نے پُرلطف لہجے میں کہا۔

''چلو بھئی......! بیچارے یہ لوگ بڑی محنت کر رہے ہیں ہمارے لئے مشیرہ......! آج رات کو تمہیں ضرور آنا ہے کیونکہ آج رات کو محترم معظم علی صاحب کو ہماری زیارت کرائی جائے گی۔''

''میں سمجھی نہیں......!''

عشیرہ نے کہا۔

''اطلاع ملی ہے کہ آج رات کو ہمیں املی کے درخت کے نیچے دیکھ جائے گا اور معظم علی بھی ساتھ ہوں گے۔''

عشیرہ کے تو پیروں کی جان نکل گئی تھی۔ وہ گرنے لگی تو شاہ نم نے اسے سہارا دیا۔ پھر بولا۔

''عشیرہ......! میں کیسے تمہیں سمجھاؤں کہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری بہتری کے لئے ہو رہا ہے۔ کاش......! تم مجھے اتنا حقیر نہ سمجھو۔

عشیرہ......! زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا تحفظ کروں گا۔ چاہے تمہارے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے، میرا ساتھ دو عشیرہ......!''

''شاہ نم......! شاہ نم......! میں کیا کہوں تم سے......؟ خدا کی قسم......! مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے جسم سے جان نکل جائے گی۔ تم ذرا سوچو تو سہی......! یہاں میرے دُشمن ہی دُشمن ہیں۔ انہیں ہمارے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔

مشیرہ بیگم، طاہرہ بیگم مجھ سے صرف دُشمنی کرسکتی ہیں۔ نہ جانے وہ تایا ابو کو کیا کیا بتائیں گی......؟ تایا ابو بہت غصہ ور تو نہیں ہیں، مصلحت کوش آدمی ہیں لیکن یہ صورتِ حال برداشت نہیں کرسکیں گے اور میری ہی نہیں شاہ نم......! تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ وہ دوسرے انداز میں سوچیں گے۔''

''پھر بولو......! میں چلا جاؤں یہاں سے......؟ اور میرا چلے جانا ہی بہتر ہوگا۔ عشیرہ......! میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں اس میں کم از کم تمہاری اتنی مدد ضرور شامل ہونی چاہئے کہ تم میری ہدایات پر عمل کرلو اور اس سے زیادہ یہ کہ

مجھ پر بھروسہ کرلو......! ایک طرف تو تم میرے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو اور دوسری طرف مجھ پر اس قدر بے اعتمادی......؟''

عشیرہ ان الفاظ پر چونک پڑی۔ اس نے شاہ نم کو دیکھا۔ شاہ نم کے چہرے پر بڑی اُداسی تیر رہی تھی۔ پھر اس نے شاہ نم کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے شاہ نم......! زندگی تو اپنی ہی ہوتی ہے۔ بچے یا جائے...... چلو جیسا تم کہو گے ویسا میں کروں گی۔''

''شکریہ......! اور تم دیکھو گی کہ تمہیں نقصان پہنچانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔''

عشیرہ گردن جھکا کر خاموش ہوگئی تھی۔ شاہ نم نے عشیرہ سے جو کچھ کہا تھا وہ ذرا بھی غلط نہیں تھا۔ پتہ نہیں اس کی معلومات کا ذریعہ کیا تھا۔ لیکن جو بھی معلومات اس کی تھیں، وہ بالکل ٹھیک تھیں۔

وقت اپنے طور پر فیصلے کرتا ہے۔ مشیرہ بیگم اور طاہرہ بیگم نے طے کرلیا تھا کہ سب سے پہلے معظم علی کو یہ ساری صورتِ حال بتائیں گی اور پھر اس کا ثبوت بھی دیں گی۔ لیکن اس کے بعد معظم علی سے یہی کہا جائے گا کہ گھر کی عزت کو خاک میں ملانے سے بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کا نکاح کر کے انہیں گھر سے نکال دیا جائے۔

لیکن تبدیلی یوں ہوئی کہ اسی دن صبح ساڑھے دس بجے گھر میں کچھ مہمانوں کی آمد ہوئی۔ عجیب ہلڑ باز مہمان تھے۔ ایک بزرگ جو کالی کفنی پہنے ہوئے سر پر سفید پگڑی باندھے ہوئے چند عقیدت مندوں کے ساتھ کوٹھی میں داخل ہوئے تھے۔ اتفاق سے معظم علی صاحب کوٹھی کے بیرونی حصے میں ہی

موجود تھے۔انہوں نے ایک دم ادھر دیکھا اور اُچھل پڑے۔

''ارے......! حضرت صاحب......!

ارے طاہرہ بیگم......! نظم......! نثر......! ارے......! سب لوگ باہر آجاؤ......! حضرت صاحب کا استقبال کرو۔ دیکھو کس طرح ہمارے گھر میں ایک دم برکتیں اُتر آئی ہیں۔''

ان کی چیخ و پکار پر تقریباً تمام ہی لوگ جمع ہوگئے۔ ادھر کالی کفنی پہنے ہوئے حضرت صاحب جو اچھے خاصے عمر رسیدہ تھے، لیکن انتہائی شاندار صحت کے مالک تھے۔ قدم قدم آگے بڑھتے چلے آرہے تھے اور مریدین تھے کہ ان کے قدموں میں بچھے جارہے تھے۔ آخر حضرت صاحب تھوڑے فاصلے پر رُک گئے اور پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

''میرے بچو......! تم مجھے جس عزت اور احترام کے ساتھ یہاں تک لائے ہو اس کے لئے میں تمہیں برکتوں کی دُعائیں دے سکتا ہوں۔ یہ گھر میرے بچوں کا گھر ہے اور یہاں میں ان لوگوں سے ملنے آیا ہوں۔

بہتر یہ ہوگا کہ اب تم لوگ واپس جاؤ۔ مین کچھ وقت یہاں قیام کروں گا اور اس کے بعد تم سے رابطہ کروں گا۔ کیونکہ اس کے بعد مجھے یہاں سے آگے جانا ہے۔ میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔''

ساتھ آنے والوں نے حضرت صاحب کے لباس کو چوما اور اُلٹے قدموں گیٹ سے باہر نکل گئے۔

ادھر معظم علی صاحب حضرت صاحب کے حضور پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ان کی کفنی کو بوسہ دیا۔ طاہرہ بیگم، مشیرہ بیگم بھی پہنچ گئی تھیں۔ نظم اور نثر بھی تھیں۔ البتہ عشیرہ دُور ہی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

یہ حضرت صاحب جو تھے، ایک بزرگ تھے۔ عموماً دورے پر رہا کرتے تھے۔ نہ جانے کہاں کہاں گھومتے پھرتے تھے......؟ یہاں بھی اکثر آتے رہتے تھے۔ معظم علی صاحب بھی ان کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ انہیں بڑے احترام سے کوٹھی ہی کے ایک حصے میں ٹھہرایا جاتا اور کوٹھی کا ایک ایک فرد ان کی خدمت کرنے پر مامور ہو جاتا۔

معظم علی صاحب ان دنوں اپنی تمام تر کارروائیاں ترک کر دیتے تھے اور یہ بھی حضرت صاحب کی خوبی تھی کہ وہ ہمیشہ بغیر کسی اطلاع کے نازل ہو جایا کرتے تھے اور کبھی اپنے آنے کی خبر نہیں دیتے تھے۔

اس وقت بھی کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ حضرت صاحب اس طرح آجائیں گے۔ لیکن ناک بھوں چڑھائے بغیر ان کا معمول کے مطابق استقبال کیا گیا تھا اور پھر انہیں معظم علی صاحب ہی کے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ کیونکہ دوسرا کمرہ فوری طور پر تیار نہیں تھا۔

معظم علی صاحب نے بڑی خوشیوں کا اظہار کیا۔ طاہرہ بیگم اور مشیرہ بیگم نے بھی ان سے بہت محبت اور عقیدت کا اظہار کیا۔ ملازموں کو حضرت صاحب کے کمرے کی تیاری کا حکم دے دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مشیرہ اور طاہرہ بیگم بھی باہر نکل آئیں۔ انہیں حضرت صاحب کے کمرے کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لیکن مشیرہ بیگم نے کہا۔

''یہ حضرت صاحب تو بلا کی طرح نازل ہوگئے۔ ہمارا تو منصوبہ یہ کچھ اور تھا۔ اب دیکھو کتنے دن رہتے ہیں......؟''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دو دن میں بھی چلے جائیں اور دو ہفتے بھی نکال لیں۔''

’’سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ وہ لوگ تو من مانی کرتے رہیں گے۔‘‘

’’تو کرنے دیجئے مشیرہ باجی......! جب ہم نے ایک فیصلہ کرلیا ہے اور وہ فیصلہ ہمارے لئے فائدہ مند رہا ہے تو پھر جو اللہ کی مرضی......!‘‘

طاہرہ بیگم نے بیچارگی سے کہا اور مشیرہ بیگم خاموش ہوگئیں۔

بہرحال حضرت صاحب کا کمرہ تیار کیا گیا اور وہ کمرے میں منتقل ہوگئے۔ پورا گھر ان کا عقیدت مند تھا اور ان کی آمد پر خوشیاں ہی منائی جاتی تھیں۔

حضرت صاحب ایک پُراسراری شخصیت کے مالک تھے۔ آج تک انہوں نے کبھی معظم علی صاحب سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔ کچھ نہیں لیتے دیتے تھے۔ بس آتے، اپنی مرضی کے مطابق قیام کرتے، دُعائے خیر کرتے اور چلے جاتے۔ ان کی یہ بات بھی ایک پُروقار حیثیت رکھتی تھی اور اسی سے سب لوگ بے حد متاثر تھے۔

علم کہاں تک تھا......؟ یہ بات صیغۂ راز میں ہی تھی۔ جب بھی آتے، دوسرے دن گھر کے ایک ایک فرد کو ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہوتا۔ مالک اور ملازم، سبھی ان کے ہاتھ چومتے اور وہ انہیں برکتوں کی دُعا دیتے۔ بس یہی ان کا کام تھا۔ موٹا جھوٹا کھاتے تھے اور واپس چلے جاتے تھے۔ بُرسوں سے اس طرح آنا جانا ہو رہا تھا۔

قیام کے دوسرے دن شام کو پانچ بجے کوٹھی کے لان پر حضرت صاحب نے محفل سجا لی۔ معظم علی صاحب آج پورا دن گھر پر رہے تھے اور حضرت صاحب کی خبر گیری کرتے رہے تھے۔

طاہرہ بیگم اور مشیرہ بیگم بھی حسب عادت گھر کے کام سنبھالے ہوئے تھیں۔

عشیرہ پر کچھ اور ذمے داریاں بڑھ گئی تھیں جبکہ حضرت صاحب کا کوئی خاص کام یہاں نہیں ہوتا تھا۔

بہرحال ایک ایک فرد کوٹھی کے لان میں پہنچ گیا۔ حضرت صاحب کی قدم بوسی کی جانے لگی۔ جو کوئی ان کا ہاتھ چومتا وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دُعائیں دیتے۔ ملازمین بھی سب عقیدت سے ان کے سامنے حاضر ہوئے تھے۔

البتہ شاہ نم وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ کسی کام سے باہر نکل گیا تھا۔ کسی کو اس کی یاد بھی نہیں آئی۔ کوئی اتنا اہم مسئلہ بھی نہیں تھا۔ حضرت صاحب سب کو دُعائیں وغیرہ دے کر اُٹھ گئے تو نظم اور نثر کو ہی شاہ نم کا خیال آیا تھا۔

’’ارے......! وہ ڈرائیور نہیں ہے......؟ گاڑی بھی کھڑی ہوئی ہے...... وہ کہاں چلا گیا......؟‘‘

’’پتہ نہیں......! کسی کام سے گیا ہوگا۔‘‘

’’حضرت صاحب کی قدم بوسی بھی نہیں کی اس نے......؟‘‘

بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن رات کو بارہ بجنے میں دس منٹ تھے جب حضرت صاحب معمول کے مطابق کوٹھی کے گشت پر نکلے۔ یہ بھی ایک معمول تھا۔ وہ ایک رات بارہ بجے سے پہلے کوٹھی کے تمام علاقوں کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ معظم علی ان کے ساتھ تھے اور ان سے دو قدم پیچھے چل رہے تھے۔

انہوں نے آج ایک خاص بات محسوس کی۔ وہ یہ کہ حضرت صاحب چار چار قدم چلنے کے بعد رُک جاتے تھے اور کچھ اُلجھن کا شکار ہو جاتے تھے۔

آخرکار وہ واپس اپنی قیام گاہ میں پہنچ گئے۔ ان کے چہرے پر کچھ اُلجھن کے آثار تھے۔ معظم علی نے سوال کر ہی ڈالا۔

''اعلیٰ حضور......! کچھ مضطرب نظر آتے ہیں۔''

حضرت صاحب نے گردن اُٹھا کر معظم علی کو دیکھا پھر بولے۔

''کچھ الگ الگ نظر آ رہا ہے ہمیں معظم علی......! کھلے الفاظ میں کیا کہیں تم سے......؟ پچھلی بار جب ہم آئے تھے تو یہ پوری کوٹھی صاف شفاف تھی۔ لیکن اس بار اس میں کچھ آلودگی محسوس ہو رہی ہے۔''

''سمجھا نہیں حضور......! کیسی آلودگی......؟''

''کہنا تو نہیں چاہئے لیکن تم سے ہمارا رشتہ کچھ ایسا ہے کہ چھپا بھی نہیں سکتے۔ ہمیں یہاں جن کا سایہ محسوس ہوا ہے۔''

''جن کا سایہ......؟''

''ہاں میاں......! کچھ ہے یہاں پر...... ویسے تو ہم دو دن یہاں قیام کے لئے آئے تھے، پرسوں ہمیں روانہ ہو جانا تھا۔ لیکن مجبوری ہمیں تین دن رُکنا پڑے گا۔ چلّہ کریں گے اور تمہیں حقیقت بتائیں گے۔ ہم نے چلّہ گاہ بھی منتخب کر لی ہے۔ سامنے وہاں املی کا ایک درخت ہے۔ اس درخت کے نیچے بیٹھ کر ہم چلّہ کریں گے۔''

''جی بہت بہتر......!''

معظم علی نے عقیدت سے کہا۔

بہرحال حضرت صاحب کی حرکتوں کو وہ دل سے تسلیم کرتے تھے۔

چلّے کا پہلا دن تھا۔ تیاری کر لی گئی تھی کہ چلّہ کشی کے دوران کوئی ان کے قریب نہ آئے۔ لیکن جب حضرت صاحب وظیفے کے درمیان تھے تو انہیں کچھ آہٹیں

محسوس ہوئیں اور وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ لیکن آہٹیں درخت کی اوپری شاخ سے اُبھری تھیں۔

حضرت صاحب نے اوپر دیکھا تو انہیں چھ آنکھیں روشن نظر آئیں اور حضرت صاحب تیزی سے وظیفے کا علم دہرانے لگے۔ تبھی ایک بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

''توقف فرمایئے اعلیٰ حضرت......! ایک درخواست کرنی ہے آپ سے۔ آپ نے جو محسوس کیا ہے اور جو آپ کے خیال میں یہاں ہو رہا ہے، اسے جاری رہنے دیجئے۔ آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ گھر کے کسی فرد کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

حضرت صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولے۔

''گویا ہمارا خیال درست تھا......؟ کون لوگ ہیں میاں آپ......؟ ہم سے تعارف ہی کرا دیں۔ اصل میں ہم روشنی چاہتے ہیں۔''

''حضور سے وعدہ کیا گیا ہے کہ گھر کے کسی پرندے تک کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بہتر ہے اندھیرا ہی رہنے دیں۔''

''ممکن نہیں ہے......! روشنی میں آ جاؤ تو ہمیں کوئی تعرض نہیں ہوگا۔''

''مگر کام خراب ہو جائے گا عالی جناب......!''

''مجبوری ہے......!''

اعلیٰ حضرت نے کہا اور وظیفہ پڑھنے میں مصروف ہوئے۔

دوسری رات انہیں پھر وہی آہٹیں سنائی دیں اور بڑی منت سماجت کی گئی۔

''حضورِ انور......! نہ کیجئے یہ سب کچھ...... آپ جس شخصیت کو روشنی

میں لانا چاہتے ہیں۔ اسے روشنی میں آکر نقصان ہوگا اور آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سب کچھ صیغۂ راز میں ہی رہنے دیجئے۔ یہ بڑا ضروری ہے۔''

''مجبوری ہے ہماری۔''

بات تیسرے دن کی آگئی۔

رات کا وقت تھا۔ حضرت صاحب چلّہ کشی کر رہے تھے کہ اچانک ہی انہیں اپنے اردگرد کچھ سائے سے محسوس ہوئے۔ پھر ان سایوں نے ان کی بغلوں میں ہاتھ ڈالا اور اس کے بعد انہیں لے کر فضاء میں بلند ہوگئے۔

حضرت صاحب کے منہ سے ''ارے......! ارے......!'' کی آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ فضاء میں بلند ہوتے چلے جا رہے تھے۔

مشیرہ بیگم اور طاہرہ بیگم آج بھی نگرانی پر تھیں۔ پہلے دو دن بھی انہوں نے نگرانی کی تھی۔ اصل میں وہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ املی کے درخت کے نیچے کی ملاقاتیں تو بند ہوگئیں۔ اب کیا ہوتا ہے......؟

لیکن انہیں صرف حضرت صاحب نظر آئے تھے۔ باقی انہوں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ یقیناً شاہ نم نے بحالت مجبوری ان دنوں عشیرہ سے نہ ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔

تیسری رات بھی مشیرہ بیگم اور طاہرہ بیگم تاک میں تھیں اور انہوں نے حضرت صاحب کو فضاء میں بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ واپس نہ آئے۔ دونوں یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی تھیں۔ حضرت صاحب سے ان کا عقیدہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

صبح کو حضرت صاحب کی تلاش ہوئی تو مشیرہ بیگم اور طاہرہ بیگم نے زمین آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔

''اے اللہ کی قسم......! جو کچھ ہماری ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا، ہم تو ساری رات سو ہی نہیں سکے۔ معظم علی......! آپ یقین کرو۔ بڑی بلند و بالا شخصیت تھی ان کی۔ ارے......! پالتی بیٹھے بیٹھے فضاء میں اوپر اُٹھنے لگے اور اس کے بعد آسمان کی بلندیوں میں غائب ہوگئے کہ بزرگوں کا مقام ہی یہ ہوتا ہے۔''

''آپ لوگ پتہ نہیں کیا فضول باتیں کر رہی ہیں......؟ ان کا سامان بھی یہیں رکھا ہوا ہے۔ اگر انہیں ہم سے روپوشی ہی اختیار کرنی تھی تو پھر بھلا سامان چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی......؟ اپنے سامان کے ساتھ چلے جاتے...... جوتے تک تو موجود ہیں ان کے۔''

''اب یہ تو اللہ جانے......!''

''سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں......؟''

حضرت صاحب ایسے گم ہوئے کہ واپس نہیں آئے۔ سب سے زیادہ خوشی طاہرہ بیگم اور مشیرہ بیگم کو تھی۔ مشیرہ بیگم نے کہا۔

''اے خس کم جہاں پاک...... ہمارا کام رُک گیا تھا۔ ذرا دیکھنا ہے کہ ان دونوں کا کیا ہو رہا ہے......؟ اب تو نہ دوپہر کو وہ املی کے پیڑ کے نیچے نظر آتے ہیں۔ رات کی تو خیر گنجائش ہی نہیں تھی۔ اب کرنا کیا چاہئے......؟''

''حضرت صاحب چلے گئے ہیں۔ جگہ خالی ہوگئی ہے۔ آج دیکھیں کیا ہوتا ہے......؟''

اور اس رات جب وہ اپنی مخصوص جگہ پر پہنچیں تو انہوں نے عشیرہ اور شاہ نم کو املی کے درخت کے نیچے دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ عشیرہ کی گردن جھکی ہوئی تھی اور شاہ نم اسے محبت بھری نگاہوں سے

دیکھ رہا تھا۔

اچانک ہی طاہرہ بیگم نے کہا۔

''اے مشیرہ باجی......! اس سے اچھا موقع اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ ذرا یہاں رُکیں۔ میں معظم علی کو بلا کر لاتی ہوں۔''

''سوچ لو......! ہمت ہے یا نہیں......؟''

''آپ رُکیں یہاں......!''

طاہرہ بیگم نے کہا اور تقریباً دوڑتی ہوئی معظم علی کے کمرے کی جانب چل پڑیں۔ معظم علی صاحب ابھی جاگ ہی رہے تھے۔ غالباً ان کے ذہن میں حضرت صاحب کا مسئلہ اُلجھا ہوا تھا۔ طاہرہ بیگم کو آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوتے دیکھ کر بولے۔

''خیریت......؟ کیا مصیبت نازل ہوگئی آپ پر......؟''

''اُٹھ جائیں......! قسم اللہ کی......! جوتے پہن لیں......!''

''کیا مطلب ہے آپ کا......؟ کہاں جانا ہے......؟''

''ارے......! میرے سینے میں طوفان اُمڈ رہا ہے اور آپ پوچھ رہے ہیں کہاں جانا ہے......؟ آیئے ذرا......! میرا بھی آپ پر کوئی حق ہے۔''

''سارے حقوق آپ کے ہی ہیں۔ مگر ذرا بتایئے تو سہی......! قصہ کیا ہے......؟''

معظم علی صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''بہت عرصے سے برداشت کر رہی ہوں معظم علی......! بہت عرصے سے برداشت کر رہی ہوں۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لو...... سب پتہ چل جائے گا۔''

اور پھر طاہرہ بیگم معظم علی کو لے اس جگہ آگئیں جہاں سے وہ املی کے درخت کے نیچے جھانکا کرتی تھیں۔

اتفاق کی بات یہ کہ چاندنی کھلی ہوئی تھی اور عشیرہ اور شاہ نم کو صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ معظم علی صاحب نے حیرت سے یہ منظر دیکھا اور بولے۔

''یہ کیا قصہ ہے......؟''

''میں بتاتی ہوں معظم علی بھائی......! دیکھیں انسان جہاں روٹی کھاتا ہے وہاں کی وفاداری بھی اس پر فرض ہے۔ میں نے ہی پہلے یہ منظر دیکھا تھا اور یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ نہ دکھائے جو کچھ دیکھ چکی ہوں۔ بہت دن سے یہ چکر چلا ہوا ہے۔ سوچا تھا کہ کسی وقت تمہیں لا کر دکھا دیا جائے تاکہ یہ نہ سمجھو کہ ہم دونوں بہنیں مل کر تمہیں بھتیجی کے خلاف بھڑکا رہی ہیں۔ مگر ہمت نہیں پڑتی تھی۔

ارے......! ہم تو بہت دن سے یہ کھیل دیکھ رہے ہیں۔ پھر حضرت صاحب آگئے تو ارادہ ملتوی کر دیا۔ اب اللہ جانے وہ کہاں چلے گئے......؟ تین دن سے امن امان تھا۔ لیکن آج پھر دو دل دھڑکتے ہوئے املی کے اس پیڑ کے نیچے پہنچ گئے۔''

''یہ ڈرائیور شاہ نم...... مجھے تو یہ بہت زیادہ شریف زادہ معلوم ہوتا تھا۔''

''بس معظم علی......! کیا زُبان کھولی جائے......؟ سبھی شریف زادے ہوتے ہیں...... پر ایک بات سوچی ہے ہم دونوں بہنوں نے مل کر۔''

''کیا......؟''

معظم علی نے سوال کیا۔

"عزت کے ساتھ دونوں کا نکاح پڑھوا دیا جائے اور بجائے اس کے کہ تم شور شرابا کرو۔

دیکھو معظم علی......! اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہوگی جو تم سے کہی جا رہی ہے۔ نکاح کر کے انہیں اس گھر سے رُخصت کر دو۔ بس اسے سزا سمجھ لو یا پھر عزت بچانے کی کوشش۔"

معظم علی پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔ پھر وہ کسی سے کچھ کہے بغیر واپس چل پڑے تھے اور مشیرہ اور طاہرہ ایک دوسرے کی صورت دیکھتی رہی تھیں۔

ادھر املی کے درخت کے نیچے شاہ نم عشیرہ سے کہہ رہا تھا۔

"اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھی رہو۔ ادھر دیکھنے کی کوشش مت کرنا اور میں تمہیں مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ آج سارا کھیل مکمل ہوگیا ہے۔ اب ہمیں مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وقت انشاء اللہ......! ہمارے حق میں فیصلہ کرے گا۔"

عشیرہ سسکیاں بھرنے لگی تھی۔ شاہ نم بہت دیر تک اسے تسلیاں دیتا رہا۔

عشیرہ کو اس بات کا پتا چل گیا تھا کہ نا صرف طاہرہ بیگم اور مشیرہ بیگم اسے دیکھ رہی ہیں بلکہ تایا ابو بھی آگئے ہیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

اول تو ماں باپ کی موت کے بعد کوئی حیثیت ہی نہیں رہی تھی۔ پہلے طاہرہ بیگم اور اس کے بعد مشیرہ بیگم، دونوں ہی اس کے خلاف ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی تھیں۔ اسے ذلیل کرنے کے لئے طرح طرح کے جتن کئے

جاتے تھے اور آج طابوت میں آخری کیل بھی ٹھک گئی تھی۔

شاہ نم بے شک اسے تسلیاں دیتا رہا تھا۔ لیکن اپنے کمرے میں آنے کے بعد بھی اس کی حالت بے پناہ خراب رہی اور اس وقت تو وہ زمین پر ہی گرنے لگی۔ جب نظم اس کے کمرے میں مسکراتی ہوئی پہنچی۔

"ابو بلا رہے ہیں......!"

اس نے کہا اور ایک دم ہنس پڑی۔ پھر اس کی کمر میں گدگدی کر کے بولی۔

"ایک بات کہوں......؟ جو بات ماننے کی ہے، وہ یہ ہے کہ تم ہم دونوں سے زیادہ خوش نصیب ہو عشیرہ......! دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ اس کی کیا پرواہ......؟ اپنے انتخاب پر میری طرف سے مبارک باد قبول کرو اور یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ زندگی کا ساتھی اگر اس قدر خوب صورت ہو تو زندگی کا مزہ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔

سچ مچ شاہ نم لاکھوں میں ایک ہے اور میں تو یہ کہتی ہوں کہ جنہیں سچی محبت مل جائے وہ روکھی سوکھی کھا کر بھی گزارا کر لیتے ہیں۔

آؤ چلو......! ابو انتظار کر رہے ہیں۔"

بمشکل تمام اس کے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

"مجھے ایک بات بتا دو گی نظم......؟"

"ہاں......! پوچھو......!"

"کیا تایا ابو بہت شدید غصے میں ہیں......؟"

"یقین کرو مجھے اس کا اندازہ نہیں ہے۔"

نظم نے نرم لہجے میں کہا۔

بہرحال وہ زرد چہرہ لئے معظم علی صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جب وہ کمرے کے دروازے پر پہنچی تو اس نے کمرے کے دروازے سے شاہ نم کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ شاہ نم اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا اور وہ بالکل مطمئن تھا۔

اندر داخل ہو کر اس نے دہشت زدہ نظروں سے معظم علی کو دیکھا۔ وہ پرسکون نظر آئے تھے۔ پھر ان کی آواز اُبھری۔

''دروازہ بند کر دو......!''

عشیرہ کے پورے جسم میں تھرتھری دوڑ رہی تھی۔ تاہم اس نے دروازہ بند کر دیا اور خشک ہونٹوں پر زُبان پھیرتی ہوئی واپس مُڑی تو معظم علی کی آواز پھر اُبھری۔

''بیٹھ جاؤ......!''

اس کے پیروں کی جان تو پہلے ہی نکلی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

معظم علی کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر انہوں نے کہا۔

''عشیرہ......! تم میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہو۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ اس گھر میں بہت برا سلوک ہوتا ہے۔ میں یہ بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایک کمزور انسان ہوں اور اس کمزوری کی وجہ سے میں تمہارے ساتھ ہونے والی ناانصافیاں نہیں روک سکا۔

لیکن تم یقین کرو عشیرہ......! کہ میں نے ہمیشہ تمہارے لئے دُعائیں کی ہیں۔ میری دلی آرزو تھی کہ تمہاری تمام محرومیاں سسرال جا کر اور اچھا شوہر پا کر دُور ہو جائیں اور میں اس کے لئے تگ و دو بھی کر رہا تھا۔ مجھے معلوم ہوا

ہے کہ تم نے اپنے لئے شاہ نم کا انتخاب کر لیا ہے۔ بے شک جہاں تک میں نے شاہ نم کا جائزہ لیا ہے، وہ بہت اچھا نوجوان ہے۔ خوش شکل بھی ہے اور خوش مزاج بھی۔

لیکن بیٹے......! تم جانتی ہو وہ ایک معمولی ڈرائیور ہے۔ مجھے اس پر بھی اعتراض نہیں ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو تو ٹھیک ہے۔ لیکن بیٹے......! اس کے بعد میں اسے یہاں نہ رکھ سکوں گا۔ تمہیں اس کا اندازہ ہے......؟''

عشیرہ کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ اس کی زُبان تالو سے چپکی ہوئی تھی۔ معظم علی چند لمحات کے بعد پھر بولے۔

''تم اگر شاہ نم کے ساتھ خوش رہ سکتی ہو تو صرف گردن ہلا دو۔ یہ تمہاری رضا مندی کے لئے کافی ہوگا۔''

نہ جانے کس وقت عشیرہ کی گردن ہل گئی تھی۔

معظم علی صاحب نے کہا۔

''ٹھیک ہے میری بچی......! اللہ تمہارا دامن خوشیوں سے بھر دے......!''

دوسرے دن معظم علی نے شاہ نم کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ شاہ نم کے انداز میں کوئی خوف نہیں تھا۔

''میں کسی تمہید میں وقت نہیں ضائع کروں گا۔ مجھے بتاؤ......! کیا تم عشیرہ سے شادی کرنا چاہتے ہو......؟''

''جی......!''

اس نے بے جھجک کہا۔

معظم علی نے کرخت نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر بولے۔

''اس جرأت پر میں تمہارے خلاف بھی کوئی قدم اُٹھا سکتا ہوں۔ تمہیں ضرور علم ہوگیا ہوگا کہ وہ میرے معصوم بھائی کی اولاد ہے اور کسی بھی طرح نظم اور نثر سے کم نہیں ہے۔''

''جی......! مجھے علم ہے۔''

شاہ نم نے سادگی سے کہا۔

معظم علی کو محسوس ہوا جیسے وہ طنز کر رہا ہو۔ وہ ایک دم شرمندہ ہوگئے۔ کچھ لمحے خاموش رہے پھر بولے۔

''اور یہ بھی سوچ لینا۔ اسے اس گھر سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اگر یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ اس خاندان کی لڑکی ہے اور اپنے ساتھ بھاری جہیز لائے گی، تم اس کی طرف متوجہ ہوئے ہو تو اپنی یہ غلط فہمی دُور کرلو۔''

''جی......!''

وہ بولا۔

''اس کے علاوہ تمہیں یہ نوکری بھی چھوڑنی ہوگی۔ کیونکہ اس کے بعد میں تمہیں ملازم نہیں رکھ سکتا۔''

''جی......!''

''ہر بات میں جی، جی......؟ کہاں رکھو گے اسے......؟''

''آپ مطمئن رہیں۔ ہم جہاں بھی رہیں گے، خوش رہیں گے۔''

''ٹھیک ہے......! میں انتظام کر کے ایک دو دن میں تمہارے نکاح کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔ اس دوران تم اپنے لئے رہائش کا بندوبست کرلو۔''

''بہت بہتر......!''

''جا سکتے ہو......!''

معظم علی نے کہا۔

اور پھر وہ شاہ نم کے جانے کے بعد دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں عشیرہ بیگم اور طاہرہ بیگم سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ معظم علی کو دیکھ کر وہ سنبھل گئیں۔

''آپ دونوں کا مشورہ ہے کہ میں عشیرہ کا نکاح شاہ نم کے ساتھ کر دوں......؟''

''فیصلہ تو آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ سب کچھ آپ کے علم میں آ چکا ہے۔''

''آپ اسے جہیز میں کیا دیں گی......؟''

''پھوٹی کوڑی بھی نہیں...... میری آگے دو دو بچیاں ہیں۔ آپ خود سوچیں......!''

''مگر دولت اور جائیداد میں تو اس کا بھی حصہ ہے۔''

''دیکھیں معظم علی......! اپنی اور آپ کی جان ایک کر دوں گی۔ اس نے جو گل کھلائے ہیں۔ بس اللہ نہ کرے میری بچیاں متاثر ہوں۔ ان کا نکاح پڑھائیں اور رفو چکر کریں دونوں کو۔''

طاہرہ بیگم نے غرا کر کہا۔

''پرسوں ان کا نکاح کئے دیتے ہیں۔ ایک آدھ دن میں شاہ نم اپنی رہائش کا بندوبست کرلے گا۔ پھر دونوں یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''یہی ان دونوں کے حق میں بہتر ہے۔''

طاہرہ بیگم نے کہا۔

تیسرے دن شام کو قاضی صاحب آئے۔ بڑی سادگی سے عشیرہ اور شاہ نم کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا۔

حجلۂ عروسی عشیرہ کا کمرہ ہی تھا۔ سب سے زیادہ دِلچسپی نظم اور نثر نے ہی لی تھی۔ دونوں بہت دیر تک عشیرہ کے ساتھ رہیں۔ اس کے بعد شاہ نم کے قدموں کی آہٹ اُبھری اور وہ عشیرہ کے قریب پہنچ گیا۔

اس نے جذبات سے کانپتے ہاتھوں سے عشیرہ کا گھونگھٹ اُٹھایا اور پھر ایک حسین لاکٹ عشیرہ کے گلے میں ڈال دیا۔ لیکن عشیرہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ یہ وہی خوب صورت پتھر تھا جو عشیرہ کو درخت کے جڑ سے ملا تھا۔

عشیرہ نے لاکٹ دیکھا پھر شاہ نم کو۔ شاہ نم بولا۔

''یہ پتھر ہی تو ہماری محبت کی کامیابی کا ضامن ہے عشیرہ......! آؤ...... اُٹھو......! یہ ہمارا حجلۂ عروسی نہیں ہے...... آؤ......! اپنی ساس اور سسر کو سلام کرنے نہیں چلو گی......؟''

''کہاں......؟''

''آؤ......! باہر سواری کھڑی ہے۔''

شاہ نم نے عشیرہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے کوٹھی کے دوسرے حصے سے باہر لایا۔

باہر ایک انتہائی خوب صورت سفید گھوڑوں والی بگھی کھڑی ہوئی تھی۔ جس میں چاروں طرف زرنگاہ پردے پڑے ہوئے تھے۔

شاہ نم نے عشیرہ کو اس میں سوار کر دیا اور بگھی چل پڑی۔

عشیرہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے بگھی فضاء میں سفر کر رہی ہو۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ہی نہیں سنائی دے رہی تھی۔

پھر بگھی رُک گئی اور شاہ نم نے اسے سہارا دے کر اُتارا۔ عشیرہ نے وحشت زدہ نظروں سے باہر دیکھا تو خود کو ایک ایسی دُنیا میں دیکھا جو اس کے وہم و گمان سے باہر تھی۔

وہ سنگ مرمر کا ایک عالی شان محل تھا۔ چاروں طرف قیمتی زر و جواہر جڑے ہوئے تھے۔ دو طرفہ حسین و جمیل عورتیں پھول نچھاور کرنے کے لئے کھڑی تھیں اور سامنے ایک تخت پر دو معمر افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ جن میں ایک خاتون اور دوسرا مرد تھا۔

''میرے ماں باپ......!''

شاہ نم نے سرگوشی کی۔

''خوش آمدید دُلہن......! ہمیشہ خوش رہو......!''

دونوں نے دُعائیں دیں اور زر و جواہر اس پر نثار کئے جانے لگے۔ اسے سر سے پاؤں تک جواہرات میں لاد دیا گیا۔ عشیرہ خواب کی سی کیفیت کا شکار تھی۔ رات کو تین بجے اس کو محل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

عشیرہ پاگلوں کی طرح اس کمرے کو دیکھ رہی تھی جسے ہیروں کی لڑیوں سے سجایا گیا تھا۔ کمرے کی دیواروں میں بھی ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ جن سے قوس و قزح منتشر ہو رہی تھی۔ سامنے ہی سونے کا چھپر کھٹ موجود تھا۔

عشیرہ نے بے قراری سے پوچھا۔

''شادنم......! یہ سب کیا ہے......؟''

''تمہارا گھر ہے عشیرہ......!''

''تم...... یہ سب کچھ تمہارا ہے تو...... تم وہ معمولی سی نوکری کیوں کر رہے تھے......؟''

''تمہارے لئے عشیرہ......! اس رات میں نے تمہیں شاہ غازی کے مزار مبارک پر دیکھا تھا۔ بس میں نے خود کو تمہارے لئے وقف کر دیا اور پھر جو کچھ بھی کیا وہ تمہارے علم میں ہے۔ میرے والدین نے مجھے خوشی سے اجازت دے دی کہ اگر تم اعتراض نہ کرو تو......''

''مگر......مگر...... نہ جانے کیا کیا ہوا ہے......؟ بہت سی ایسی باتیں جو میری سمجھ میں آج تک نہیں آئیں...... وہ نہ جانے کون تھا جو میرے سارے کام کر دیتا تھا......؟''

عشیرہ بولی۔

''آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آجائے گا ملکہ عالیہ......!''

شاہ نم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

❁ ❁ ❁

سو سال بعد

شمالی یمن کے دارالحکومت صنعا سے چار سو کلومیٹر دُور شہر المروجہ کے نواحی علاقے میں ایک چھوٹی سی عمارت تھی جو آبادیوں سے بہت دُور ایک ایسے علاقے میں واقع تھی جہاں دُور دُور تک انسانی گزر نہیں ہوتا تھا۔ پتہ نہیں اس دور میں آس پاس کی آبادیوں میں اس عمارت کے بارے میں کیا تصور ہوگا......؟ لیکن ماضی کی تاریخ میں یمن کی تعمیر میں جدید آبادی کو اس عمارت کا نشان بھی نہیں ملا تھا کیونکہ یہ آدھی سے زیادہ زمین میں دھنس گئی تھی۔ باقی آدھی کو بھی لمبی لمبی گھاس نے اس طرح آغوش میں لے لیا تھا کہ وہ قریب سے بھی نظر نہ آسکے۔

سن اُنیس سو نو میں اس پُراسرار عمارت میں احمد صلاغی اپنی نوجوان پوتی اور خوب صورت شریر سے پوتے کے ساتھ آیا اور اس نے عمارت کے تمام دروازے بند کرائے۔

''اب ہم کم از کم سو سال کے بعد اس عمارت سے باہر جائیں گے۔''

''ہاں......! پورے سو سال بعد۔''

''لیکن دادا ابو......! کیا دنیا واقعی ان سو سالوں میں اتنی ہی سائنسی ترقی کر چکی ہوگی جتنا ہمارا خیال ہے......؟''

خوب صورت نوجوان لڑکی نے جس کا چہرہ حسن اور معصومیت کی تصویر تھا، سوال کیا۔

''امکانات تو ہیں۔''

احمد صلاغی نے کہا۔

احمد صلاغی کا باپ تانبے کا سب سے بڑا تاجر تھا اور یمن کے معززین میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا اس کے کاروبار کو ترقی دے۔ لیکن احمد صلاغی پیدائشی سائنس دان تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی سائنسی تجربات میں گزاری تھی اور باپ کی موت کے بعد بھی وہ یہی سب کچھ کرتا رہا تھا۔

اس نے شادی بھی کی تھی اور جوان ہونے کے بعد اپنے بیٹے کو کاروبار میں لگا دیا تھا لیکن خود وہ اپنی سائنس کی دُنیا میں کھویا رہتا تھا۔ یہ عداوت اس نے آبادیوں سے دُور اپنے سائنسی تجربات کے لئے کی تھی۔ اس کے بیٹے کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا۔ ایک ٹریفک کے حادثے میں اس کا بیٹا اور بہو ہلاک ہوگئے۔ پوتی اور پوتے کی ذمہ داری اس پر آپڑی تھی۔

اسی نے ان کی تربیت اور پرورش کی تھی اور دونوں کے دونوں اس کے سائنسی جنون کے شریک کار ہوگئے تھے۔ نت نئے تجربات کا شوق انہیں بھی اپنے دادا کی طرح تھا۔

دُنیا سائنسی ارتقاء سے گزر رہی تھی لیکن احمد صلاغی بہت آگے نکل چکا

تھا۔

''میں دُنیا کو بہت دُور تک دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ اپنے پوتی پوتے سے کہتا۔

''لیکن کیسے......؟''

''اس پر تجربہ کر رہا ہوں۔''

پھر ایک دن اس نے ان دونوں سے کہا۔

''کیا تم سو سال کی نیند سونا پسند کرو گے......؟''

''اس کے بعد کیا ہوگا......؟''

''ہم جاگ کر سو سال بعد کی دُنیا دیکھیں گے۔''

''آہا......! واقعی...... یہ تو ایک دِلچسپ تجربہ ہوگا۔''

ریحان صلاغی نے کہا۔

''اس وقت تک دُنیا نے کافی ترقی کر لی ہوگی۔ گزرے ہوئے دور کی کہانی کہیں نہ کہیں محفوظ ہوگی۔ ہم دیکھیں گے کہ ہمارے پیچھے کیا کیا ہوا......؟''

''ٹھیک ہے......!''

دونوں بچوں نے خوشی سے کہا۔ ان کے ذہن میں کوئی تشویش یا ناکامی کا خیال تک نہیں تھا۔ ان کو اپنے دادا پر اعتماد تھا اور یہ اعتماد بے معنی نہیں تھا۔

آج وہ سو سال بعد کی دُنیا دیکھ رہے تھے۔ انوکھی، عجیب اور خوب صورت دنیا۔

ان کی آنکھیں اچنبھے سے پھیلی ہوئی تھیں۔ خوب صورت لباس میں

ملبوس لڑکی نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

''میں تو سب سے پہلے وہ سائنس میوزیم دیکھوں گی جس میں اس دُنیا کے سو سال محفوظ ہوں گے۔''

''ہمیں یہاں بہت کچھ تلاش کرنا ہوگا۔''

''میوزیم کی تلاش سے پہلے ہمیں سمندر تلاش کرنا چاہئے جو ہمیشہ چلتا رہے۔''

''کیوں نہ ہم اس چیز کو سب سے پہلے دیکھیں جو ہمارے سامنے ہے۔ میری مراد اس وسیع عمارت سے ہے جو ہمیں سامنے نظر آ رہی ہے۔ اُدھر دیکھو۔''

''وہ کیا ہے......؟''

لڑکی نے اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ پہلے تو یہاں نہیں تھی۔''

''جو کچھ آس پاس نظر آ رہا ہے وہ بھی تو یہاں نہیں تھا۔''

''آؤ......!''

تینوں آگے بڑھ گئے اور کچھ دیر کے بعد وہاں پہنچ گئے۔

''غالباً یہ کھیل کا میدان ہے۔''

''کیا میں اس کے بڑے آہنی پھاٹک کے دوسری طرف دیکھوں......؟''

عمر نے کہا اور کسی جواب کا انتظار کئے بغیر اچانک فضاء میں سیدھا سیدھا بلند ہونے لگا۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے وہ کسی نظر نہ آنے والی لفٹ کے ذریعہ اوپر اُٹھا ہو۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے ریحان......؟''

احمد صلاغی نے کرخت لہجے میں کہا اور ریحان نے چونک کر نیچے دیکھا۔

''بے وقوف......! نیچے اُترو......! ہم سو سال بعد کی دُنیا میں ہیں۔ ابھی کسی کو ہمارے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہونا چاہئے۔ کون جانے اس دُنیا کے رنگ ڈھنگ کیسے ہیں......؟''

اس بار احمد صلاغی نے کافی سخت لہجے مین کہا اور انہیں غصے میں دیکھ کر ریحان صلاغی آہستہ آہستہ واپس لوٹنے لگا۔ اس کی واپسی بھی اس طرح کی تھی گویا لفٹ میں کھڑا ہوا اور لفٹ نیچے اُتر رہی ہو۔

''تم آئندہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔''

احمد صلاغی بدستور کرخت لہجے میں بولا۔

''لیکن کیوں...... دادا ابو......؟''

ریحان کی آنکھوں میں معصومیت تھی۔

''پاگل......! تمہاری یہ حرکت نئے دور کے انسانوں کو تمہارے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے پر مجبور کر دے گی۔ یہ لوگ توانائی کے استعمال سے ابھی اتنے واقف نہیں ہوئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ مجھے ہو گیا ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں دادا ابو......!''

''ہمیں دیکھنا تو چاہئے کہ سو سال بعد کی دُنیا سو سال میں کتنی ترقی کر چکی ہے......؟''

''میں نے تمہیں سو سال بعد کے لئے اس لئے تیار نہیں کیا تھا کہ تم فوراً ہی دوسرے لوگوں کو تماشا سمجھ لو...... سچی بات یہی ہے کہ زریجہ......!

میں یہی چاہتا تھا کہ اگر ہم سو سال کے بعد جاگتے ہیں تو ممکن ہے کہ یہ دُنیا ہم سے بھی سو سال آگے نکل چکی ہو۔ چونکہ ہم نے اپنے تجربات روک دیئے تھے۔ کیا سمجھے......؟''

''خبردار......! آنکھیں بند کر کے اپنی طاقت کو استعمال نہیں کرنا بلکہ ہمیشہ ذہانت سے کام لینا۔ چلو زریجہ......! تم یہ تالا کھولو......!''

زریجہ نے اپنی آنکھوں کی توانائی تالے پر مرکوز کی۔ تالا چرچرایا اور پھر ٹوٹ کے نیچے گر پڑا۔ فولادی پائپوں کے بلند و بالا پھاٹک کے پٹ خودبخود کھلتے چلے گئے اور وہ اسٹیڈیم کا جائزہ لینے لگے۔ بظاہر وہاں کوئی نہیں تھا۔ چند لمحے انہوں نے انتظار کیا اور اس کے بعد واپس بڑے دروازے پر آ گئے۔

اس وقت تالا اپنی جگہ سے بلند ہوا اور کنڈے میں جا کر اسی طرح پھنس گیا جس حالت میں وہ پہلے تھا۔

احمد صلاغی کے باریک باریک سفاک ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ گویا سو سال پہلے اس نے جن تجربات کے تحت اپنی پوتی اور پوتے کو طاقتور ترین بنا دیا تھا، ان کے اندر وہ توانائی جوں کی توں موجود تھی۔ لیکن وہ سوچتے ہوئے کسی قدر پریشانی کا شکار بھی ہو گیا۔

وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ دونوں بچے سو سال تک سوتے رہے ہیں۔ ان کے اندر توانائی بے شک ہے لیکن وہ دُنیا کے رنگ، ڈھنگ نہیں جانتے۔ اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس دُنیا کے طور طریقے بدل گئے ہوں۔

''پہلے انہیں سمجھا لیا جائے اس کے بعد ان سے کہا جائے کہ وہ صرف ضرورت پڑنے پر اپنی طاقت کا استعمال کریں۔''

پھر احمد صلاغی انہیں لے کر آگے بڑھ گیا۔ اگرچہ صبح ابھی صحیح طرح نمودار نہیں ہوئی تھی۔ لیکن انہیں ان راستوں کا علم تھا جو سو سال پرانے تھے۔ کچھ راستے جوں کے توں تھے۔ کچھ میں تبدیلیاں ہوئی تھیں۔

وہ تھوڑی دُور گئے تھے کہ انہیں ایک ٹیکسی نظر آ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ان تینوں کو حیرت سے دیکھا اور پھر انہیں اپنی ٹیکسی میں بٹھا لیا۔ لیکن اس وقت خود ریحان صلاغی اور اس کے بعد زریجہ کو حیرانی ہوئی، جب احمد صلاغی ان کے ساتھ ٹیکسی میں نہیں بیٹھا تھا۔ بلکہ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایک ایڈریس سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ان بچوں کو اس ایڈریس پر پہنچا دو۔''

ساتھ ہی احمد صلاغی نے دونوں بچوں کو کچھ ہدایات دیں اس کے بعد خود اسی علاقے کی طرف واپس چل پڑے جہاں سے انہوں نے یہاں تک کا سفر کیا تھا۔

ادھر زریجہ اور ریحان حیرت سے سو سال بعد کی دُنیا کو دیکھ رہے تھے۔ ٹیکسی کچھ ہی لمحوں کے بعد شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ جہاں صبح ہونے کی وجہ سے کافی ٹریفک نظر آ رہا تھا۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور بہت ماہر معلوم ہوتا تھا۔

وہ رش میں اس طرح گاڑی چلا رہا تھا کہ وہ دونوں اُچھل اُچھل جا رہے تھے۔ وہ کبھی ٹیکسی کو تیر کی طرح چھوڑ دیتا اور کبھی پوری قوت سے بریک لگاتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ کاروں سے ریس لگا رہا ہو۔

پھر ایک فوکس ویگن نے اس کا راستہ روکا اور ٹیکسی ڈرائیور بمشکل ایک خطرناک ٹرن کاٹ کر اپنی ٹیکسی کو بچا سکا۔ اس کے ساتھ ہی بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

''پتہ نہیں ان لوگوں کو سڑکوں پر گاڑی چلانے کی کیا ضرورت

ہے؟ اگر اتنے ہی آرام سے جانا ہے تو پیدل ہی چلے جائیں۔''

اس بات پر زریجہ کو ہنسی آ گئی۔ بہرطور وہ سو سال کے بعد کی دُنیا میں آ کر بہت خوش تھے۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کی دلچسپی کے لئے کافی سامان ہے۔ سو سال پہلے جب وہ گہری نیند سوئے تھے تو ان کے دادا احمد صلاغی نے ان پر بہت سے تجربات کئے تھے۔ لیکن احمد صلاغی کا کہنا تھا کہ جس دور میں وہ جی رہے ہیں، اس دور میں یہ تجربات بے مقصد ہیں۔ کیونکہ سائنس سو رہی ہے اور اس سوتی ہوئی سائنس میں وہ اپنے لئے کوئی مقام نہیں بنا سکتے۔ چنانچہ وہ بہت سی چیزوں سے ناواقف رہ گئے تھے۔ لیکن اب یہ سب کچھ انہیں بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ریحان چونکہ چھوٹی عمر کا تھا، اس لئے اسے شرارتیں سوجھتی رہتی تھیں۔ ابھی انہوں نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ اچانک ٹیکسی کا انجن جھٹکے لینے لگا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو حیرانی ہوئی۔

ابھی چند دن پہلے ہی تو اس نے اپنی ٹیکسی کی سروس کرائی تھی۔ اور یہ ناممکن تھا کہ ایسی کسی گڑبڑ سے ٹیکسی جھٹکے لینے لگے۔ ادھر پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا شرارتی لڑکا ڈرائیور کے چہرے پر پھیلی ہوئی حیرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کیونکہ ٹیکسی کی اس حالت کا ذمہ دار وہ خود تھا۔

اس نے اپنی دماغی قوت سے کام لے کر ڈرائیور کے لئے پریشانی کھڑی کی تھی۔ تب اس نے کہا۔

''کیا بات ہے ڈرائیور......! کیا گاڑی میں گیس ختم ہوگئی ہے......؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

ڈرائیور نے کہا اور پھر فیول بتانے والے میٹر کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد کتنی ہی دیر اس کی نگاہیں میٹر پر چپکی رہیں۔ فیول بتانے والے میٹر کی سوئی اس وقت صفر پر چپکی ہوئی تھی۔ یہ ایک عجیب و غریب بات تھی۔ وہ شاٹ کٹ راستوں سے ہوتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن انجن کی آخری ہچکی کے ساتھ ہی یقین کرنا پڑا کہ گیس کا سلنڈر شاید لیک ہوگیا ہے۔ ورنہ اتنی جلدی پورا سلنڈر کیسے خالی ہو سکتا تھا......؟

بہرحال کچھ دیر اس نے سوچا اور پھر ٹیکسی سے اُتر کر گیس اسٹیشن کی تلاش میں پیدل ایک طرف روانہ ہوگیا۔ ریحان نے شرارت آمیز نگاہوں سے مسکراتے ہوئے زریجہ کو دیکھا تو زریجہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

''ابھی سے اتنی شرارتیں نہ شروع کرو ریحان......! پتہ نہیں آگے ہمیں کیا کیا کچھ کرنا پڑے......؟''

اب بہرحال ان دونوں کو ٹیکسی ڈرائیور کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔ لیکن ابھی انہوں نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ بے اختیار ہو کر کھول دیں۔ دونوں کے ہاتھ ایک ساتھ ماتھوں پر گئے تھے۔ دونوں کے طاقتور ذہنوں نے قریب میں کسی خطرناک بات کو محسوس کیا تھا۔ زریجہ نے سوالیہ نگاہوں سے ریحان کی آنکھوں میں جھانکا۔ ریحان کی نگاہوں میں اس کے سوال کا جواب موجود تھا۔ زریجہ کی آنکھوں میں دوسرا سوال اُبھرا۔

''اب ہمیں کیا کرنا چاہئے......؟''

''اس وقت کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہے اور یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنا چاہئے۔''

یہ کہہ کر ریحان نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے کہا۔

"بہتر ہے کہ تم ٹیکسی میں بیٹھی رہو۔ میں اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اور وہ زریجہ کا جواب سنے بغیر ہی ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ لیکن اس کے دوڑنے کے انداز میں وہی کیفیت تھی جو ہونی چاہئے تھی۔ یعنی وہ فضاء میں اُچھل اُچھل کر خطرے کی سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کا اس طرح اُچھلنا خود ان دونوں کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔

ریحان اپنے پیروں کو معمولی سی حرکت دیتا اور کئی سو فٹ تک فضاء میں بلند ہو کر نیچے آ جاتا۔ زریجہ نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دُور دُور تک سڑک سنسان تھی۔ اس نے کھڑکی سے سر نکال کر غصے سے ریحان کو ڈانٹا۔

"بے ایمان......! یہ مت بھولو کہ دادا ابو نے تمہیں یہ کرنے سے سخت منع کیا تھا۔"

ریحان اس وقت فضاء میں معلق تھا۔ اس نے مسکرا کر بہن کو اشارہ کیا اور ایک بلند عمارت کے پیچھے غائب ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

دراصل ریحان کی توجہ جس طرف منتقل ہوئی تھی وہ کوئی اور ہی کہانی تھی۔ ایک خالی اور سنسان سڑک پر ایک کار چمچاتی رنگ کی ہونڈا سوک رُکی تھی۔ ڈرائیور کی سیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک مکروہ شکل کا شخص برآمد ہوا۔ اس نے بڑے احترام کے ساتھ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور ایک جانب ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔ ایک عمدہ رسیدہ خاتون جو کم و بیش پچاس سال کی رہی ہوگی، بڑے شاہانہ انداز میں سوک سے اُتری۔ اس کا لباس اور چلنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑی شخصیت ہے اوز درحقیقت وہ بہت بڑی شخصیت تھی۔ اس کا نام پیری تھا۔

"بہت بہت شکریہ دانیال......!"

اس نے ہونڈا سوک ڈرائیو کرنے والے کا شکریہ ادا کیا۔ ادھر دانیال

نے تیزی سے گھوم کر دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ دوسرے دروازے سے برآمد ہونے والا شخص بھی نہایت شاندار سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کی عمر بھی معمر عورت کے برابر ہوگی اور اس شخص کا نام ڈاکٹر رچرلیموس تھا۔

ڈاکٹر لیموس کے ہاتھ میں اس وقت ایک عجیب وغریب قسم الیکٹرونک آلہ تھا جسے اس نے احتیاط سے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔

''یہ جگہ واقعی نہایت موزوں ہے۔ کیا تمام تیاری مکمل ہو چکی ہے۔''

عمر رسیدہ عورت پیری نے سوال کیا۔

''جی میڈم......! آیئے......!''

رچر لیموس نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور عورت کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

''لیکن ہم کہاں جارہے ہیں......؟''

''وہ اس طرف......!''

ڈاکٹر لیموس نے ایک بلند و بالا زیر تعمیر عمارت کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا۔

''وہاں آپ کی موجودگی بہت ضروری ہوگی، مادام......!''

اس نے نرم اور مہذب لہجے میں کہا۔

''اوہو......! کیا اس عمارت میں لفٹ لگ چکی ہے......؟ اگر لفٹ نہیں لگی تب تو میں اتنی بلندی پر لفٹ کے بغیر چڑھ بھی نہیں سکتی۔ ویسے بھی اب عمر کے ساتھ ساتھ مجھے بلندی سے خوف آنے لگا ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، وہ کرو......! مگر مجھے اوپر چڑھنے کے لئے مت کہو......!''

پیری نے کہا اور چلتے چلتے رُک گئی۔

تب رچر لیموس نے خاموشی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے آلے کا سوئچ دبایا لیکن اس نے شاید اس سوئچ کا استعمال ساتھ آنے والے مکروہ شکل کے دانیال پر کیا تھا۔ دانیال اچانک ہی ساکت ہوگیا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے اس کے بدن سے روح نکال لی گئی ہو۔ البتہ وہ ہوش میں تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اسے پھیپھڑوں ہی میں روک دیا۔ اب وہ ساکت نگاہوں سے مسلسل ایک ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے اسے ہپناٹائز کر دیا ہو۔ ادھر لیموس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے عجیب وغریب الیکٹرونک آلے کو ہونٹوں کے قریب لے جا کر حاکمانہ انداز میں سرگوشی کی۔

''دانیال......! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس بلڈنگ کی چھت پر چڑھ جاؤ۔ تمہیں بلندی سے کوئی ڈر نہیں لگے گا۔ تم چھت کے کنارے پر پہنچ کر زمین کی طرف دیکھو گے مگر تمہیں بالکل ڈر نہیں لگے گا۔''

دانیال کے چلنے کا انداز بالکل کسی مشینی ربوٹ کا سا تھا۔ جیسے اس کے اندر سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بالکل ختم ہوگئی ہو۔ وہ بالکل سیدھا چل رہا تھا۔ پھر وہ زیر تعمیر عمارت کے قریب پہنچ کر چند لمحوں کے لئے رُکا۔ تب لیموس کی آواز اُبھری۔

''آپ نے دیکھا میڈم......! یہ بہترین کام کر رہا ہے۔''

اس کا اشارہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے الیکٹرنک آلے کی طرف تھا۔ جسے وہ بڑے فخر سے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن لیموس......! تم دانیال کی زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہو۔ تم جانتے ہو یہ میرا بھانجا ہے اور اس کے علاوہ دُنیا میں میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔''

یوں لگا جیسے پیری لیموس سے احتجاج کر رہی ہو۔ ادھر دانیال سیڑھیوں کے راستے چھت کی طرف جا رہا تھا۔ لیموس بوڑھی پیری کو چند لمحوں تک انتہائی غصے اور حقارت سے دیکھتا رہا۔ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے الیکٹرونک آلے کو بڑے فخر سے دیکھ رہا تھا۔ جو بلاشبہ ہیرے جواہرات کے کسی بیش قیمت خزانے سے زیادہ قیمتی تھا۔ پھر وہ بدلے بدلے لہجے میں پیری سے مخاطب ہوا۔

''کیا تم محسوس نہیں کر رہیں کہ اس وقت دانیال کا دماغ مکمل طور پر میرے قبضے میں ہے......؟''

پیری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ادھر دانیال اس وقت بلند و بالا عمارت کی چھت پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں کسی خوف اور گھبراہٹ کے آثار نہیں تھے۔ جیسے جیسے وہ کنارے کی طرف آ رہا تھا، لیموس کی آنکھوں کی چمک گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے برعکس، پیری کی آنکھوں میں خوف نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر لیموس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''لیموس......! تم دانیال کی زندگی خطرے میں مت ڈالو۔''

دانیال اس وقت جس عمارت کے قریب تھا وہ بے پناہ بلند تھی۔ دانیال چھت کے عین کنارے پر اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہوا چل رہا تھا۔ بس ایک لمحہ ذرا سا بھی توازن بگڑ جائے تو وہ زندگی سے محروم ہو سکتا تھا۔ پیری کی احتیاطی کوشش بے مقصد رہی۔ اب وہ اس طرح کھڑی ہوئی تھی جیسے اس الیکٹرونک آلے نے جسے رچہ لیموس نے مائنڈ کنٹرول کا نام دیا تھا، اس آلے نے پیری کا ذہن بھی کنٹرول کر لیا ہے۔

یوں لگتا تھا جیسے اس وقت رچہ لیموس پر دیوانگی ہی سوار ہو۔ وہ ہر

قیمت پر اپنے اس آلے کو جو ہر طرح کے دماغ کو اس کے تابع کر سکتا تھا، اس آخری ٹیسٹ سے گزار رہا تھا۔ وہ اس آلے کی مدد سے مسلسل ہدایت دے رہا تھا۔

''اب تم سیدھے ہاتھ کی طرف مُڑ جاؤ اور اپنا توازن برقرار رکھو۔''

دانیال اب خود کو عین کنارے پر بلکہ چھت کی منڈیر پر بے حد سنبھال سنبھال کر چلا رہا تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس کا سر چکرانے لگا ہو اور کسی بھی لمحے وہ نیچے آ گرے گا۔ اسی وقت پیری نے آخری التجا کی۔

''خدا کے لئے اسے روک لو۔ مائی ڈیئر......! لیموس......! خدا کے لئے اسے روک لو۔ میری بات مان لو......!''

''نہیں میڈم......! ہرگز نہیں......! میں اس تجربے کو اُدھورا نہیں چھوڑ سکتا۔''

رچہ لیموس کے لہجے میں کامیابی کا خمار تھا اور وہ واقعی کامیابی کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''لیکن میڈم......! تم بالکل فکر مت کرو۔ میں دانیال کو گرنے نہیں دوں گا۔ اس وقت وہ مکمل طور پر میرے کنٹرول میں ہے۔''

رچہ لیموس کی پوری توجہ اس وقت دانیال کی طرف تھی۔ اچانک ہی پیری نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے رچہ لیموس کے اس ہاتھ پر جھپٹا مارا جس میں اس نے انسانی دماغ کو کنٹرول کرنے والا وہ منحوس الیکٹرونک آلہ پکڑ رکھا تھا۔ لیکن پیری کو اس میں ناکامی ہوئی۔

لیموس نے فوری طور پر اپنے ہاتھ کو سنبھال لیا۔ لیکن اس دوران دانیال انتہائی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہو گیا۔ اس وقت آسمان کی

بلندیوں کو چھوتی ہوئی عمارت کے کنارے پر وہ ایک پاؤں سے کھڑا ہوا تھا اور دوسرا قدم جہاں وہ رکھنا چاہتا تھا، وہاں بھیانک خلاء تھا۔ یہ اس قدر دہشت ناک صورتِ حال تھی کہ دانیال کے ساتھ ہی خود رچر لیموس نے بھی خوفزدہ ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن جب چند سیکنڈ تک ان دونوں نے دانیال کی کوئی چیخ نہیں سنی تو ایک ساتھ ہی آنکھیں کھول کر دانیال کی طرف دیکھا۔

دانیال ابھی تک اسی حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر رچر لیموس گویا اچانک ہی ہوش میں آ گیا۔ وہ کنٹرول کرنے والے الیکٹرونک آلے کے بٹنوں کو دباتا ہوا دانیال سے مخاطب ہوا۔

''رُک جاؤ......! واپس جاؤ......! واپس جاؤ......! دانیال......! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ واپس پیچھے ہٹو......!''

لیکن یہ حیرت ناک بات تھی کہ اس وقت دانیال پر کسی حکم کا کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ اچانک ہی رچر لیموس کے منہ سے انتہائی خوفزدہ آواز نکلی۔

''یہ میرے کنٹرول سے باہر ہو گیا ہے۔''

''دانیال......! واپس جاؤ......!''

پیری نے بھی بے اختیار گلے کی پوری قوت سے چیخ کر دانیال کو مخاطب کیا تھا۔ اس کے بعد دونوں کی آنکھوں نے بیک وقت جو منظر دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔

دانیال نیچے زمین کی جانب آ رہا تھا۔ لیکن اس طرح جیسے وہ ہوا میں کسی غیر مرئی سیڑھی پر قدم جماتا ہوا نیچے اُتر رہا ہو۔ وہ بہت آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔

اٹھارویں منزل......

سترہویں......

سولہویں......

دوسری......

آخری......

اور آخر کار وہ گراؤنڈ فلور پر اُتر گیا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رُکا اور پھر چلنے لگا۔

اسے ہرگز اس بات کا کوئی احساس نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کوئی حیران کن واقعہ پیش آ چکا ہے۔ ادھر رچر لیموس کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن شاید الفاظ حلق میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ پھر نہ جانے کس طرح اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''پیری......! پیری......! دیکھو......خدا کے لئے......خدا کے لئے مجھے بتاؤ یہ کیا ہو گیا......؟''

پیری خود حیرانی کے عالم میں تھی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''آہ......! میں نہیں دیکھ سکتی اسے......!''

یوں لگ رہا تھا جیسے اس پر آسمانی بجلی گر پڑی ہو۔ بمشکل تمام وہ بولنے کے قابل ہوئی۔

''یہ کیسے ممکن ہے......؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہارے الیکٹرونک...... مائنڈ کنٹرول یونٹ کے ذیلی اثرات بھی ہوتے ہوں......؟''

''نہیں......! نہیں......! دانیال اس وقت میرے کنٹرول میں نہیں ہے۔''

ڈاکٹر رچرڈ کے منہ سے پھٹی پھٹی آواز نکلی اور پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسی وقت اس کی نگاہ ریحان پر پڑی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"یہ اس وقت اس لڑکے کے کنٹرول میں ہے۔ آہ......! دیکھو...... کیا شے ہے......؟ وہ کیا ہے......؟"

اس نے ریحان کی جانب اشارہ کیا۔ جو اس وقت بھی فضاء میں معلق تھا اور آہستہ آہستہ دانیال کے قریب اُتر رہا تھا۔ آخرکار وہ دانیال کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"وہ یقیناً جادوگر ہے۔ یہ سائنسی عمل نہیں ہے۔ جادو ہے جادو......!"

پیری ہذیانی انداز میں بولی۔

"بکواس......! جادو وادو سب بکواس باتیں ہیں۔ آج کے دور میں ہر انہونی بات کی سائنسی توجیہہ موجود ہے۔"

"تو پھر اس کی سائنسی توجیہہ کرو۔ یہ سب کچھ کیا ہے......؟"

پیری نے ڈاکٹر رچرڈ لیموس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ لیکن ڈاکٹر رچرڈ لیموس خود دنگ تھا۔ پھر اس کے منہ سے آہستہ آہستہ آواز نکلی۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔ بہت سی صورتِ حال میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ سب کچھ ایسی طاقت اور توانائی کا کمال ہے جس نے کشش ثقل کے قانون کو توڑ دیا ہے۔"

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو...... رچرڈ لیموس......! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

پیری نے کہا۔

"لیکن یہ سب کچھ جو میں کہہ رہا ہوں، سمجھ بھی رہا ہوں اور انہی

آنکھوں سے دیکھ بھی رہا ہوں۔ یہ لڑکا...... اوہ...... میرے خدا......! میرے خدا......! یہ لڑکا...... مولی کونوس ریگولیشن کو حرکت میں لے آیا ہے۔ اوہ...... میرے خدا......! مولی کونوس ریگولیشن کا یہ استعمال ناقابل فہم ہے۔"

لیموس اپنی ہتھیلی پر مکّے مار رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ خوف ناک ارادوں کی چمک، اس کے منہ سے سانپ جیسی پھنکار اُبھری۔

"میں ہر قیمت پر اس لڑکے کو پکڑوں گا۔ سنا میڈم پیری......! میں ہر قیمت پر اس لڑکے کو پکڑ لوں گا۔"

پیری کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہو چکی تھیں۔ لیکن جب اس نے رچرڈ لیموس کو دبے پاؤں اس لڑکے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

نہ جانے رچرڈ لیموس کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔ البتہ پیری کو ایک اطمینان ضرور تھا کہ اس کا پارٹنر ایک زبردست سائنسی ذہن کا مالک ہے۔ اگر وہ اس لڑکے کو پکڑنے کے بارے میں سوچ رہا ہے تو ٹھیک ہی سوچ رہا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ خاموشی سے رچرڈ لیموس کے پیچھے چل پڑی۔

نوعمر لڑکا ریحان صلاغی اس وقت دانیال کو تسلی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اپنی اس کامیابی پر کسی خوشی کے آثار نہیں تھے۔ مگر قدموں کی آہٹ سنتے ہی وہ فوراً پلٹا۔ رچرڈ لیموس پورے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف بڑھا۔

"واہ......! بہت شاندار......! زبردست......!"

وہ دُور ہی سے چیخا۔ لیکن نوجوان اس کی باتوں میں نہ آیا اور کسی

خطرے کو محسوس کرتے ہوئے اس نے دانیال کا ہاتھ پکڑا اور ایک دم فضاء میں بلند ہو گیا۔ پیری نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''ویری گڈ......! ویری گڈ......! یہ تم خوب کر رہے ہو نوجوان......! یہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

پتہ نہیں ریحان نے اس کے یہ الفاظ سنے یا نہیں...... وہ زمین سے پندرہ فٹ کی بلندی پر معلق تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ ان دونوں میں سے کوئی اس کی جانب کسی غلط قدم سے نہیں بڑھا تو وہ آہستہ آہستہ زمین پر واپس آ گیا۔ پیری پھر بے اختیار بولی۔

''غضب کے انسان ہو تم......! شاید جادوگر...... یا شاید کسی بہت بڑے سائنس دان کے بیٹے...... کیا تم مجھ سے تعارف حاصل کرانا پسند کرو گے......؟ میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں۔''

یہ کہہ کر پیری چند قدم آگے بڑھی۔ لیکن نوجوان واقعی چھوٹی عمر کا ہونے کی وجہ سے اتنا عقل مند نہیں تھا، جتنا اسے ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اسی لمحے ایک تیز دھار پن اس کے بازو میں چبھی اور وہ ایک سسکاری لے کر رہ گیا۔ اس نے گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا تو رچرڈ لیموس اس کے بالکل قریب تھا اور شاید پن کا کارنامہ اسی نے سرانجام دیا تھا۔

ریحان کی آنکھیں ایک لمحے سے زیادہ کھلی نہ رہ سکیں۔ نہ وہ یہ سمجھ سکا کہ اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے......؟ وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے پیچھے کھڑے ہوئے رچرڈ لیموس کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے ہاتھ میں موجود خالی سرنج بتا رہی تھی کہ اس کا سیال وہ نوجوان لڑکے کے

بازو میں اُتار چکا ہے۔

تھوڑے ہی فاصلے پر موجود زریچہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے بھائی کے ساتھ کوئی گڑبڑ پیش آ گئی ہے۔ اس نے فوراً ہی ریحان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے ذہنی ریڈار اسکرین پر مکمل اندھیرا تھا اور ذہنی اسکرین پر تاریکی کا مطلب انتہائی خوفناک تھا۔ وہ ٹیکسی کی سیٹ پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ طاقتور لہریں ریحان کے دماغ کو بھیج رہی تھی۔ اس مرتبہ ذہن کے ریڈار کو ایک ننھا سا بلب چمکنے لگا جو کبھی بجھ جاتا اور کبھی جل جاتا۔ اندھیرے ذہن میں بلب کا جلنا بجھنا اس بات کی علامت تھا کہ اس وقت اس کے بھائی کی زندگی انتہائی خطرے میں تھی۔

''ریحان......! ریحان......! کیا ہوا......؟ جواب دو......! تم کیا محسوس کر رہے ہو......؟ مجھے بتاؤ......!''

لیکن اس کے مسلسل پکارنے پر بھی ریحان کے ذہن نے کوئی جواب نہیں دیا تو زریچہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ ریحان شدید خطرے سے میں پھنس گیا ہے اور اسے فوراً مدد کی ضرورت ہے۔ وہ ہر بات سے بے نیاز ہو کر ٹیکسی سے باہر نکلی اور اسی سمت دوڑتی چلی گئی جس سمت میں یہ سنگین واقعہ پیش آیا تھا۔ لیکن وہ حادثے کی جگہ پر پانچ سیکنڈ دیر سے پہنچی تھی۔ مطلوبہ جگہ وہ اپنے بھائی کو موجود نہ پا کر ایک بار پھر بدحواس ہو کر دوڑنے لگی۔

اس زیرِ تعمیر عمارت کے پاس اس نے ایک چکر لگایا لیکن اب اس کے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ ہونڈا سوک جو چند سیکنڈ پہلے ہی عمارت کے کارنر سے مُڑ کر گئی ہے، کہاں گئی ہے......؟ اور اس کے بے ہوش

بھائی کو کہاں لے جایا جا رہا ہے......؟

اسے یقین ہوگیا کہ اس نے اپنے بھائی کو کھو دیا ہے۔ وہ تھکے تھکے قدم اُٹھاتی ہوئی ٹیکسی کی طرف واپس پلٹ پڑی۔ لیکن دوسری شدید پریشانی اس کی منتظر تھی۔ کیونکہ ٹیکسی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اصل میں ٹیکسی ڈرائیور یہ سمجھا تھا کہ دونوں بچے اس کا کرایہ مارنے کا پروگرام بنا کر چلتے بنے ہیں اور اب ظاہر ہے، وہاں واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ وہ ٹیکسی اسٹارٹ کر کے واپس چلا گیا۔

کافی دیر تک زریجہ سنسان سڑک پر بت بنی کھڑی رہی اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ بھائی کو پورے شہر میں تلاش کرے گی لیکن دوپہر تک اسے ریحان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ ذہنی رابطے کی کوشش میں بھی مسلسل ناکامی ہو رہی تھی۔ اس اجنبی شہر میں وہ خدا جانے کہاں سے کہاں نکل آئی تھی......؟ اسے پیدل چلتے چلتے تین گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ پھر اس نے اپنی جگہ رُک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ ایک گودی کے پاس نکل آئی تھی اور اس جگہ سے کافی دُور ہوگئی تھی، جہاں اس نے اپنے بھائی کو آخری مرتبہ دیکھا تھ۔ وہ بری طرح تھک گئی تھی اور اب اس کی آنکھیں آنسو بہانے کے لئے بری طرح بے چین تھیں۔

''اب میں اسے کہاں ڈھونڈوں.....؟''

آخرکار مایوسی اور تنہائی کے احساس کے ساتھ ہی آنسو اس کے شفاف رُخساروں کو بھگونے لگے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی۔ اس کے ذہن نے اسے خطرے کا سگنل دیا۔ یہ خطرہ گودی ہی کے کسی حصے سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چند لمحوں تک تو وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ

یہ خطرہ کس قسم کا ہو سکتا ہے......؟ لیکن وہ خطرے کے سگنل کو کسی طرح نظرانداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا ذہن مسلسل الارم دے رہا تھا کہ بھاگ، جاؤ یہاں سے...... بھاگ جاؤ یہاں سے...... یا فوراً کسی جگہ چھپ جاؤ...... چند دُشمن تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں۔

اس مرتبہ اس کے دماغ نے واضح سگنل دیا تھا۔ تب اس نے سر اُٹھا کر سامنے دیکھا۔ وہ تعداد میں چار تھے جو یقیناً نوجوان ہی تھے۔ شاید وہ ایک خوب صورت لڑکی کو تنہا دیکھ کر سیدھا اس کی طرف بڑھے آرہے تھے۔ زریجہ فوراً ہی رونا دھونا بھول گئی۔

چاروں ہی شکل سے بدمعاش نظر آرہے تھے۔ ان کے لباس بھی انہیں آوارہ ثابت کر رہے تھے۔ آخرکار وہ زریجہ کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے اس کے گرد اس طرح گھیرا ڈال دیا گویا کسی بھی لمحے زریجہ کو دبوچ لیں گے۔ زریجہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ان آوارہ لڑکوں سے کس طرح جان چھڑائے......؟

وہ مسلسل پیچھے ہٹ رہی تھی۔ پھر وہ تیز تیز چلنے لگی۔ وہ چاروں مسلسل چند قدم کا فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ وہ زریجہ کو اس جگہ بھی پکڑ سکتے تھے جہاں انہوں نے اسے دیکھا تھا لیکن پتہ نہیں کیا ہوا تھا......؟ شاید زریجہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی بے پناہ معصومیت اور حسن نے ان کو مرعوب کر دیا تھا۔ شاید وہ سوچ رہے تھے کہ وہ اس سے مرعوب وہ کر غلطی کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کی آنکھوں میں شیطانیت پھیلتی جا رہی تھی۔

لیکن اب زریجہ جس سمت جا رہی تھی، وہاں ان کو اس سے بھی بہتر موقع مل سکتا تھا۔ زریجہ ان کے خوف ناک سوچوں اور ارادوں سے آگاہ ہوتے

ہی ڈر کر بھاگنے لگی۔

تیز...... بہت تیز......!

لیکن انہوں نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی تھی۔ ایک انجانے سے خوف نے گویا زریجہ کی ٹانگوں میں بجلیاں سی بھر دی تھیں۔ وہ پہلے سے بھی تیز دوڑنے لگی اور نوجوان لڑکے بھی اس کے پیچھے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنے لگے۔ لیکن اب وہ پیچھے رہتے چلے جا رہے تھے۔ دو تو کافی پیچھے رہ گئے لیکن باقی دو اس وقت بھی سائے کی طرح زریجہ کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

بھاگتے بھاگتے زریجہ ایک وسیع عمارت کے اندر پناہ لینے کے لئے داخل ہوگئی۔ لیکن اندر آتے ہی اسے یقین آگیا کہ اب اس کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ وہ اس وقت ایک گودام نما شیڈ کے اندر تھی۔ جہاں لاتعداد کارٹن اور بھری ہوئی بوریاں قطار در قطار رکھی ہوئی تھیں۔ لیکن زریجہ آخری لمحے تک جدوجہد کرنا چاہتی تھی۔ وہ چھپنے کے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈنے لگی کہ اسی وقت وہ چاروں اس کے سر پر پہنچ گئے۔

زریجہ کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کے درمیان ٹھوس اینٹوں کی دیوار حائل تھی اور پیچھے وہ چاروں لڑکے اپنے شیطانی ارادوں کے ساتھ اسے گھیرے میں لے رہے تھے۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنی سانسوں اور بے اختیار آنکھوں میں اُمڈ آنے والے آنسوؤں پر قابو پا کر ان درندوں سے مقابلے کے بارے میں سوچنے لگی۔ لیکن ان بے وقوفوں نے خود ہی اپنے لئے فرار کا راستہ بند کر لیا تھا اور یہ دیکھے بغیر کہ زریجہ کوئی معصوم سی نوجوان لڑکی نہیں ہے جو سہم کر ہتھیار ڈال دے گی۔ وہ مسلسل اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ لیکن نہ جانے کیا ہوا......؟

زریجہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

غالباً اس نے کوئی ترکیب سوچ لی تھی اور اپنے لئے کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔ شاید وہ جانتی تھی کہ اسے دُشمنوں کو کس طرح زیر کرنا ہے۔ حالانکہ اس کے لئے اسے سخت ہدایت تھی کہ اپنے وہ ہنر استعمال نہ کرے جو کسی انتہائی وقت کے لئے مخصوص تھے۔ لیکن اب ان ہدایات پر عمل کرنے کا وقت نہیں تھا۔ ان چاروں میں سے ایک چونکا جو سب سے خوف ناک تھا۔ زریجہ کے بالکل قریب آگیا۔

باقی تینوں چند قدم پیچھے ہٹ کر اس کے فرار کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بعد بیک وقت چھ انسانی آنکھوں نے دیکھا کہ خوفناک لڑکا زریجہ کے نزدیک پہنچتے ہی فضا میں بلند ہوا اور کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح ویئر ہاؤس میں رکھے ہوئے سامان کے اوپر ڈھیر ہوگیا۔ یہ منظر ان تینوں لڑکوں کے لئے اس قدر حیرت انگیز تھا کہ وہ مفلوج سے ہوگئے۔ لیکن دوسرے لڑکے کا انجام پہلے سے بھی زیادہ خوف ناک تھا۔ وہ منہ کے بل ٹھوس فرش پر کسی مچھلی کی طرح تیرتا اور پھسلتا ہوا گیا تھا اور پھر کسی مچھلی ہی کی طرح تڑپ کر سیدھا ہوگیا تھا۔ اس کا تمام منہ فرش کی مٹی اور خود اس کے خون میں لتھڑ گیا تھا۔

لیکن اس منظر کے بعد بھی باقی دو لڑکوں کی عقل ٹھکانے نہیں آئی۔ وہ دونوں مشترکہ طور پر زریجہ پر حملہ آور ہوئے لیکن ان کا انجام بھی اپنے ساتھیوں سے مختلف نہیں ہوا۔ اگرچہ ان لڑکوں کو زریجہ نے صرف ایک تھپڑ مارا تھا لیکن اس ایک تھپڑ نے ہی ان کے چہروں کا رُخ تبدیل کر دیا تھا۔ ان کے لبوں سے ایک سسکاری بھی نہیں نکل سکی تھی۔ ان کی خاموشی بتا رہی تھی کہ ان کے لئے اتنی ہی سزا کافی ہے۔ زریجہ نے ان چاروں کی طرف دیکھا اور فرش پر تھوک

دیا۔

ایک بار پھر بھائی کی یاد نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ پھر وہ اس وقت چونکی جب کچھ اور لڑکے اندر داخل ہوئے۔ پتہ نہیں وہ کون تھے.....؟ شاید انہوں نے بھی یہ جدوجہد دیکھ لی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئے اور ان کی نظر ان چاروں لڑکوں پر پڑی۔ تب انہوں نے حیرانی سے زریجہ کو دیکھا۔

انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک معصوم سی لڑکی جو بمشکل پندرہ سولہ سال کی رہی ہوگی، ایک وقت میں چار لڑکوں کا یہ حال کر سکتی ہے.....؟ پتہ نہیں ان کے اندر کے خیالات کیا تھے.....؟ حالانکہ خود زریجہ ان چاروں لڑکوں کے لئے افسردہ تھی۔ لیکن اسے یہ بھی اطمینان تھا کہ اس نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ پھر نئے آنے والے لڑکے جو حیرت سے بت بنے ہوئے تھے، ایک دم ہوش میں آ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت زریجہ نے سرد لہجے میں کہا۔

''تم بھی اُٹھو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اگر تم زندہ ہو.....؟'' مگر وہ چاروں اسی طرح ساکت پڑے رہے۔ اچانک ہی زریجہ کو کچھ خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ وہ چاروں یقینی طور پر اداکاری کر رہے ہیں۔ ورنہ انہیں اُٹھ کھڑے ہونا چاہئے تھا۔

اس نے ان چاروں کو اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کے لئے ایک طریقہ استعمال کیا۔ اس نے بوریوں کے ڈھیر پر ایک نظر ڈالی اور اپنی ذہنی قوتوں سے کام لے کر اوپر ہی اوپر بوریں کو پھاڑ ڈالا۔ وہ چاروں جو جان بوجھ کر بے ہوش بن کر لیٹے ہوئے تھے، اوپر سے گرنے والی پیاز کے طوفان سے گھبرا گئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ پورے گودام میں آلو اور پیاز کی خوف

ناک برسات ہو رہی تھی۔

وہ چاروں آلو اور پیاز کی خوف ناک مار سے بچتے بچاتے زریجہ کے سامنے آ کر گڑگڑانے لگے۔

''ہمیں معاف کر دو.....! ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہماری بھول کو معاف کر دو.....!''

زریجہ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور انہی میں سے ایک نے کہا۔

''ہمیں معاف کر دو.....! کیا تم جادوگرنی ہو.....؟''

زریجہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چاروں اب زریجہ کے لئے بے ضرر چوہوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ان کے پھٹے ہوئے کپڑے، لٹکے ہوئے منہ اور زخمی ہاتھ پاؤں اور گھٹے ہوئے سر اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ زریجہ انہیں جو بھی حکم دے گی، اس پر بلا چون و چرا عمل کریں گے۔

اچانک ہی زریجہ کو ایک خیال آیا تھا اور یہ خیال اس کے ذہن میں پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ آہستہ سے مسکرائی اور پھر اس نے کہا۔

''جو کچھ تم نے کیا، میں نے اسے اب ذہن سے نکال دیا ہے۔ کیا تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو.....؟''

''ہم لوگ..... ہم لوگ باقاعدہ ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے گروہ کا نام زیرو ہے۔ لوگ ہمارا نام سن کر ہی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن تم نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے، اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم ہم سے زیادہ خطرناک ہو۔ کیا تم بھی کسی گروہ کی سربراہ ہو.....؟''

''نہیں.....! میرا کسی گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں یہاں اپنے بھائی کو ڈھونڈ رہی تھی۔''

''تو تمہارا بھائی کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے.... ؟''

''بالکل نہیں....! وہ تو بہت معصوم اور کمسن ہے۔''

''تو پھر.... ؟''

''اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ میں تمہاری مدد چاہتی ہوں۔''

سامنے کھڑے ہوئے سب سے زیادہ عمر کے لڑکے نے کہا۔

''ہم تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ ہم اس شہر کے چپے چپے سے واقف ہیں۔''

''آہ......! اگر تم میری مدد کرو تو میں تمہارا شکریہ ادا کروں گی۔''

''نہیں......! ہماری نگاہ میں دوست صرف دوست ہوتے ہیں اور پھر تم خود بھی تو حیرت انگیز ہو۔ ہماری سمجھ میں نہیں آئیں۔''

وہ گودی سے باہر آ گئے۔ اب وہ سب ہنسی مذاق کر رہے تھے اور زریجہ کو بڑی تقویت ہوگئی تھی۔ ان چاروں کی مدد سے وہ اپنے بھائی کو تلاش کر سکتی تھی اور پھر وہ سب شہر گردی کرنے لگے۔

اس دوران زریجہ مسلسل وقفے وقفے سے ریحان سے ذہنی رابطے کے لئے بھی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن شام ہوگئی اور اس سے ذہنی رابطہ نہیں ہوا اور وہ مایوس ہوگئی۔

اب وہ تھک گئے تھے۔ زریجہ اندر ہی اندر رو رہی تھی۔ ان میں سے ایک لڑکا جس نے اپنا نام شیری بتایا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر افسردہ ہوگیا۔

''نہیں نہیں......! روؤ نہیں......! تم اپنے گھر چلو...... ہم تمہیں وہاں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہارے بھائی کی تلاش سے

دستبردار ہوگئے۔ ہم تمہاری بھرپور مدد کریں گے۔''

''لیکن میں...... میرا مطلب ہے میں اس شہر میں بالکل اجنبی ہوں۔''

''تم فکر مت کرو۔ ہمارے بڑے تعلقات ہیں۔ ہم تمہارے لئے ایک ہوٹل میں بندوبست کئے دیتے ہیں اور اگر تمہارے پاس پیسے وغیرہ بھی نہیں ہیں تو اس کے لئے بھی فکرمند نہ ہو۔''

ابھی یہ ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک ہی ایک بڑی گاڑی ان کی طرف دوڑتی نظر آئی۔ اس کا انداز بے حد خوفناک تھا۔ بڑی گاڑی کا ڈرائیور ان سے کچھ فاصلے پر رُکا اور اچانک ہی نیچے اُترا۔

تب ان میں سے ایک دوست نے کہا۔

''اوہو......! یہ تو...... یہ تو...... یہ تو ریگل ہے۔ ہمارا سب سے بڑا دُشمن...... اور یہ ہمیں پکڑ لے گا تو ہمیں نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔''

زریجہ کو اتنے پریشان حالات کے باوجود ہنسی آنے لگی۔

یہ چاروں کے چاروں کمال کے لوگ ہیں۔ ایک آدمی سے اتنے خوفزدہ ہو رہے ہیں۔ وہ تمام کے تمام یہاں سے بھاگ لئے تھے اور زریجہ کو ہی مجبوراً ان کا ساتھ دینا پڑا تھا۔ بہت سی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ پھر وہ پانچوں ایک خالی گھر میں داخل ہوگئے جو دُور ہی سے دیکھنے پر بھوت بنگلہ نظر آ رہا تھا۔

زریجہ نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی تھی کہ خالی گھر میں داخل ہوتے ہی وہ ایک دوسرے سے چپک کر رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک تو باقاعدہ کپکپا بھی رہا تھا۔ بہرحال ان میں سے ایک نے اندر داخل ہوکر بڑے زور سے دروازے کو دھکا دیا اور دروازہ چرچراتا ہوا کھلتا چلا گیا۔ زریجہ نے خود

کو ایک وسیع کمرے میں پایا۔ خوف ناک تاریکی نے یہاں بھی اپنے پنجے گاڑھے ہوئے تھے۔

لیکن یہاں ایک ہلکی سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک نوجوان نے جس کا نام ہیرا تھا، جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی جلائی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سامنے ہی ایک لیمپ رکھا ہوا تھا۔ دوسری تیلی سے اس نے لیمپ روشن کر دیا۔ مگر اس روشنی نے بجائے ماحول کی دہشت کو کم کرنے کے، ماحول کو مزید پُراسرار بنا دیا تھا۔ لیمپ کی روشنی میں خود ان پانچوں کے سائے کمرے کی دیواروں پر اس طرح سے رقص کرتے نظر آ رہے تھے گویا بھوت ناچ رہے ہوں۔

کمرے میں ضرورت کا فرنیچر موجود تھا۔ چند ایک کرسیاں بھی تھیں جن کی حالت بتا رہی تھی کہ انہیں حال ہی میں مرمت کیا گیا ہے۔ زریجہ بہت غور سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ دیوار پر والز پیپر لگا ہوا تھا اور ایک جانب کشادہ پلنگ بھی موجود تھا۔ وہ سب اس طرح خاموش تھے جیسے ان کے ہونٹ ایک دوسرے سے چپک گئے ہوں۔ ان کے چہروں کی پریشانی بھی نمایاں تھی۔ لیکن زریجہ نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس وقت بھی قطعی پریشان نہیں تھی۔ بلکہ اس نے اپنی حیرت کا اظہار ضرور کیا۔

''میری سمجھ میں تم لوگوں کا یہ خوف نہیں آ رہا۔ تم تو بڑے بہادر نوجوان ہو۔''

''آہ......! تم نہیں سمجھتیں...... ہم لوگ باقاعدہ مجرم نہیں ہیں۔ لیکن چھوٹے موٹے جرم کرتے رہتے ہیں۔''

''کیا...... یہ جگہ تمہارے لئے اجنبی ہے......؟''

''بالکل نہیں......! بلکہ یہ ہماری پناہ گاہ ہے۔ جب کوئی مشکل وقت ہوتا ہے تو ہم یہیں پر آ کر پناہ لیتے ہیں۔''

''ہاں......! یہ جگہ پناہ لینے کے لئے تو خاصی مناسب ہے۔''

ابھی زریجہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ہی اس کی حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

''ریحان......! ریحان......!''

دوسری مرتبہ وہ گلے کی پوری قوت سے چلائی تھی۔ وہ چاروں خوفزدہ ہو کر دُور ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ زریجہ کی آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ سے اس نے اپنے ماتھے کو سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ مسلسل ایک ہی جانب گھور رہی تھی اور اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

''ریحان......!''

وہ اب آنکھیں بند کئے ہوئے اپنی ذہنی طاقت ایک نقطے پر مرکوز کئے ہوئے تھی۔ چند لمحوں تک اس حالت میں رہنے کے بعد وہ کمرے کے وسط میں کھڑی ہوگئی اور پھر اس طرح گھومنے لگی جس طرح ریڈار اسکرین گھومتا ہے۔ وہ چاروں لڑکے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ انہیں زریجہ کی حالت بے حد پُراسرار لگ رہی تھی۔

وہ سب کے سب پتھر کی طرح ساکت ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ آخر ایک خوب صورت لڑکی کو کیا ہوگیا ہے......؟ ویسے اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ یہ لڑکی شروع ہی سے ان کے لئے بڑی پُراسرار رہی تھی۔ جبکہ زریجہ ان ساری باتوں سے بے نیاز ہو کر ریحان سے ذہنی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جس کی طرف سے

اسے ذہنی رابطے کا اشارہ ملا تھا۔

''روشنی......!''

وہ آہستہ سے بڑبڑائی جیسے خود سے مخاطب ہو۔

''ہاں......! مجھے دُھندلی دُھندلی چیزیں نظر آرہی ہیں مگر میں انہیں پہچان نہیں پا رہی۔''

یہ کہہ کر وہ ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی۔ اسے ہیولے سے نظر آرہے تھے۔ تیز روشنی نے اس کی آنکھوں کو چندھیا دیا تھا۔ یکا یک دوسری طرف سے بھیجے جانے والے سگنل آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگے۔

''ریحان......! کہاں ہے تم......؟ بولو......! تم کہاں ہو......؟''

وہ بے بسی سے بھائی کو پکارنے لگی۔ دوسری طرف وہ چاروں زریجہ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ زریجہ مسلسل اپنے بھائی سے ذہنی رابطے کی کوشش میں مصروف تھی۔

''تمہارے سگنل کمزور پڑ رہے ہیں۔ یہ روشنی کیسی ہے...... جس نے مجھے اندھا کر دیا ہے......؟''

زریجہ کی آنکھوں کے سامنے پھر روشنی کا شعلہ جل بجھ رہا تھا جس نے ہر منظر کو اس کی نگاہوں سے دھندلا دیا تھا۔ دوسری طرف وہ لوگ ریحان کو ایک عجیب و غریب جگہ لے گئے تھے۔ شہر کی مشرقی پہاڑیوں کی طرف۔ ایک خوب صورت عمارت جو ایک بلند پہاڑی پر واقع تھی، اور اس میں ایک جدید ترین سائنسی لیبارٹری موجود تھی۔

انتہائی عجیب و غریب پیچیدہ سائنسی مشینوں کی ایک قطار تھی جو پالش زدہ میزوں پر ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک آپریشن ٹیبل تھی

جس کے ساتھ انتہائی حیرت انگیز مشینی نظام منسلک تھا۔ اس آپریشن ٹیبل پر اس وقت ریحان دُنیا سے بے خبر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹا تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں کو کلائیوں کے پاتھ سے چمڑے مضبوط تسموں سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس کے جسم سے قمیص اُتار لی گئی تھی۔ سینے پر اور کانوں کے ساتھ انسانی دماغ کو کنٹرول کرنے والے الیکٹرونک ڈیوائس کے ان گنت رنگ برنگے تار لگے ہوئے تھے۔

ایک عجیب و غریب مشین کے پینل پر اس وقت لاتعداد بلب جل بجھ رہے تھے اور عین آپریشن ٹیبل پر متحرک مشین کے ذریعے اس کے جسم پر تیز روشنیاں ڈالی جا رہی تھیں۔ نیورل سائن کی طرح جل بجھ رہی تھیں۔

''تعجب کی بات ہے...... بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ لڑکا اپنے جسم کے گرد ایک انتہائی طاقتور مقناطیسی حصار رکھتا ہے۔ یہ ابھی تک اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کے جسم کے اندر جسم سے خارج ہونے والی قوت کی پیمائش کے لئے جو آلات ہیں، ان کے اندر اس لڑکے کی قوت کو ناپنے کی صلاحیت نہیں ہے۔''

ریحان کو جس مشین کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا۔ اس کی قوت کی پیمائش کرنے والے میٹر کی سوئی اس وقت بھی میٹر کے سرخ حصے میں گھوم رہی تھی اور ایک سرخ بلب بار بار خطرے کی اطلاع دے رہا تھا۔

پھر اچانک ہی مشین کے اندر سے ''گر، گر'' کی آوازیں آنے لگیں۔ اگرچہ ڈاکٹر لیموس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنی جگہ حرکت کی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی مشین بند نہیں کر سکا۔ اس کے سوئچ بند کرنے سے پہلے ہی مشین کے تمام بلب بجھ چکے تھے۔ جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ مشین کے حرکت

لڑکے کے اندرونی نظام کی قوت کی تاب نہیں لا سکے۔

پیری خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

''مائی گاڈ......! مائی گاڈ......! یہ لڑکا سو فیصدی زمین ہی کا باشندہ ہے۔ لیکن اس کے اندر کا نظام ناقابل یقین ہے۔ میں صرف ایک بار اس کے دماغ پر کنٹرول حاصل کر لوں، اس کے بعد یہ ہمارا غلام بن جائے گا۔''

''لیکن ہماری مشین تو بے کار ہو گئی۔''

''کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں اس صدی کا سب سے بڑا سائنس دان ہوں۔ میں ایک ایسا کارنامہ سرانجام دینے جا رہا ہوں جس کے متعلق اس صدی کے سائنس دان تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیا سمجھیں......؟ میڈم پیری......!''

جواب میں پیری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اور شاید اس کے بعد ہم اس منصوبے پر بھی عمل کر جو میں نے بنایا تھا۔''

پیری کے منہ سے نکلا اور رچر لیموس کے چہرے پر سخت تاثرات پھیل گئے۔

''تم اس وقت بھی اپنے منصوبے پر سوچ رہی ہو۔ جبکہ تمہارے سارے منصوبے انتہائی واہیات اور غیر ضروری ہیں۔''

لیموس نے کہا اور پیری کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ سوچ ہی نہیں سکتی تھی کہ ڈاکٹر لیموس کبھی اس طرح اس سے بات کر سکتا ہے۔ یہ ٹھیک تھا کہ لیموس بہت بڑا سائنس دان تھا اور اس کا ذہن ایک بہت بڑے منصوبے پر کام کر رہا تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس کی بے عزتی کر دے۔

جبکہ ڈاکٹر رچر لیموس کا وجود ہی اس کی وجہ سے تھا۔ لیبارٹری پیری کی جیب سے قائم ہوئی تھی۔

ڈاکٹر رچر کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی سائنس دانوں نے اس کے خطرناک منصوبوں سے آگاہ ہوتے ہی اسے پاگل قرار دے کر اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ یہ پیری ہی تھی جو اس کے منصوبے کے بارے سن کر اس کی مدد کے لئے تیار ہوئی تھی۔

ان دونوں کے درمیان طے پا گیا تھا کہ پیری اس کے منصوبوں کے لئے سرمایہ فراہم کرے گی اور اس وقت تک ڈاکٹر رچر انسانی دماغ کو کنٹرول کرنے والا الیکٹرونک ڈیوائس مکمل نہیں کر لیتا، وہ اس پر خرچ کرتی رہے گی۔

پیری کے پاس صرف اور صرف دولت تھی۔ لیکن اب یہ مشکل تھی کہ ڈاکٹر لیموس کامیابی کے قریب پہنچ کر دولت سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کی فکر میں تھا اور یہ ایک ایسی فضول بات تھی جس سے پیری کو کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اچانک ہی ایک تیز آواز نے دونوں کی توجہ آپریشن ٹیبل کی جانب مبذول کر لی۔ جسمانی قوت کے ماپنے والی دوسری مشین اس وقت شدید دباؤ کی زد میں تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ ڈاکٹر رچر کو خود کو سکتے کی سی حالت سے باہر نکال کر کوئی قدم اُٹھا سکتا، ایک زوردار دھماکہ ہوا اور مشین کے ٹکڑے لیبارٹری میں دُور دُور تک پھیل گئے۔ ڈاکٹر رچر لیموس پھٹی پھٹی آنکھوں سے کتنی ہی دیر تک اسٹیم کے ٹکڑوں کو دیکھتا رہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کسی انسان کے اندر اتنی زبردست طاقت بھی ہو سکتی ہے۔

ابھی جسمانی قوت ناپنے والی دیگر دو مشینیں کام کر رہی تھیں۔ لیکن

ریحان کی طاقت جس تیزی سے بحال ہو رہی تھی، اس سے ان دونوں مشینوں کا بھی یہی انجام ہو سکتا تھا۔ رچرڈ نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ ریحان آہستہ آہستہ بے ہوشی کے انجکشن کے اثر سے باہر آ رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کی جسمانی قوت بحال ہو رہی ہے۔ بلکہ دماغ کی قوت بھی بحال ہو رہی ہے۔

اس وقت بھی وہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ پھر وہ اپنے سر کو جھٹکنے لگا۔

''آہ۔۔۔! اسے اس وقت ہوش میں نہیں آنا چاہئے۔ میں اس وقت تک اس لڑکے کو بستر سے اُٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جب تک میں اس کے ذہن میں آواز وصول کرنے والا میکینزم فٹ نہ کر دوں۔ اگر اس وقت یہ اُٹھ گیا تو خدا جانے کیا کر بیٹھے.....؟''

اسے ریحان کی جسمانی قوت کا مکمل اندازہ ہو چکا تھا۔ اگر وہ ہوش میں آ گیا تو اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اسے روکنے کی طاقت رچرڈ لیموس کے پاس تو کیا، کسی کے پاس بھی نہیں تھی۔ ایک بار پھر اس نے ایک انجکشن تیار کیا۔

ریحان اب کسی بھی لمحے بستر سے اُٹھ سکتا تھا۔ وہ بہت تیزی سے اپنے سر کو جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ رچرڈ نے اپنا انجکشن تیار کر کے ایک بار پھر ریحان کے بازو میں لگا دیا اور ریحان کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

❀❀❀
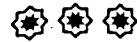
وہ انتہائی تیز روشنی جو زریجہ کو مسلسل خطرے کا احساس دلا رہی تھی، اب ذرا سی بدل گئی تھی اور کچھ لمحوں کے بعد وہ بجھ گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی زریجہ کے ذہن کے ریڈار اسکرین پر بھی تاریکی پھیل گئی۔ وہ بمشکل لڑکھڑاتے قدموں سے بستر تک گئی اور بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے گر سی پڑی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اس کے بھائی نے اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کسی نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

''ریحان کو ایسا کرنے سے روکنے والا کون تھا.....؟ اور اسے کس طرح روکنے کی کوشش کی گئی تھی.....؟''

زریجہ کا ذہن اس کا سراغ لگانے سے قاصر تھا۔ سوائے انتظار کے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہاں تک کہ احمد صافی سے رابطہ بھی نہیں۔ کیونکہ اس

بات کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تھی کہ وہ دونوں صرف اپنے آپ پر انحصار کریں۔ احمد صلاغی سے اس کی مرضی کے خلاف رابطے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اب اسے صرف انتظار کرنا تھا۔ مگر وہ اس ناکامی پر دلبرداشتہ تھی اور آنسو شفاف موتیوں کی طرح اس کے رُخساروں پر اُتر رہے تھے۔

وہ چاروں لڑکے بھی بہت دُکھی تھے۔ خاص طور سے زیرو گینگ کا سب سے خوب صورت اور قوی ہیکل لڑکا راحم شیری اس سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ زریجہ کی یہ حالت دیکھ کر ان چاروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ پھر شیری کا اشارہ پا کر وہ زریجہ سے سویرے آنے کا وعدہ کر کے خاموشی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جاتے جاتے انہوں نے پھر ایک بار زریجہ کو تسلی دی کہ وہ صبح ایسے انتظامات کے ساتھ لوٹیں گے جن سے ریحان کی تلاش میں آسانی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ہی باقی کوششیں بھی کریں گے۔

ان کے جانے کے بعد کچھ دیر تک زریجہ اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ پھر بستر پر لیٹ گئی۔ لیٹنے سے پہلے اس نے لیمپ کے زرد شعلے کی طرف ایک دفعہ دیکھا اور شعلہ بجھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں مکمل اندھیرا پھیل گیا۔ وہ اس تاریکی میں چھت پر نہ جانے کیا کیا دیکھتی رہی۔

پھر اس نے خود کو سونے کے لئے ہدایات دیں اور چند لمحوں کے بعد آنکھیں موند کر گہری نیند سو گئی۔ پتہ نہیں یہ نیند کا کرشمہ تھا کہ صبح کو جب وہ سو کر اُٹھی تو ہشاش بشاش تھی۔ باہر روشن اور چمکیلی دُھوپ نے اسے فرحت اور تازگی کا احساس دیا۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ چاروں اس کے کمرے کے باہر موجود ہیں۔ انہیں جب یہ پتہ چلا کہ وہ جاگ گئی ہے تو وہ اندر داخل ہو گئے۔

وہ زریجہ کے لئے بھنی ہوئی ران کا گوشت، اُبلے ہوئے انڈے، ڈبل

روٹی اور دُودھ کا ایک پیکٹ لے کر آئے تھے۔ یہ ناشتہ اس وقت بڑا مزیدار تھا۔ ناشتے سے فارغ ہوئی تو شیری نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے شہر کا ایک مکمل نقشہ نکالا اور زریجہ کے سامنے پھیلا دیا۔ زریجہ نے فوراً ہی وہ جگہ تلاش کر لی جہاں یہ حادثہ ہوا تھا اور پھر یہ طے کیا گیا تھا کہ ریحان کی تلاش اسی جگہ سے شروع کی جائے۔

وہ چاروں زریجہ سے اس فیصلے کی رضامندی لینا چاہتے ہی تھی لیکن نہ جانے کیوں زریجہ اس وقت اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں سختی سے بند ہو گئی تھیں۔ وہ سب خاموشی سے زریجہ کی طرف دیکھتے رہے۔ انہیں لگ رہا تھا کہ یہ لڑکی بیمار ہے۔ زریجہ کے ماتھے کی کھال اس وقت اس طرح سکڑ گئی تھی کہ گویا اس کی تمام سوچیں کسی ایک نقطے پر مرکوز ہو گئی ہوں۔ اس وقت وہ اپنے تصور اور تخیل دونوں کو حرکت میں لے آئی تھی اور ایک واضح منظر دیکھ رہی تھی۔ آخر کار اس نے ایک مردانہ آواز سنی جیسے کوئی گہرے کنوئیں سے بول رہا ہو اور کچھ لمحوں کے بعد اس نے حیرت انگیز اور عجیب وغریب مشینیں دیکھیں۔

زریجہ کے خیال میں اس طرح کی مشینیں کسی ہسپتال میں ہو سکتی تھیں۔

''ہس......پتا......ل......''

اس کے منہ سے نکلا اور پر ایک آواز اُبھری۔

''میں رچر لیموس ہوں...... ڈاکٹر رچر لیموس......! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی آنکھیں کھولو......!''

اور ریحان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس وقت وہ آپریشن ٹیبل پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور پیر چمڑے کے مضبوط تسموں کے ساتھ کسے ہوئے

تھے۔ اس کے پیٹ، سینے اور دوسرے حصوں سے مشین کے تار الگ کر دیئے گئے تھے۔ بس اس کا سر فولاد کے ایک مضبوط بیلٹ کے ساتھ جکڑا ہوا تھا۔

ڈاکٹر رچر ایک مختصر آپریشن کے بعد انسانی دماغ کو کنٹرول کرنے والے الیکٹرونک آلے کے ریسیور سیٹ کو ریحان کے کانوں میں فٹ کر چکا تھا۔ اب ڈاکٹر رچر کی آواز اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک کنٹرول یونٹ کے ذریعے براہِ راست ریحان کے ذہن کے ایک خاص حصے تک پہنچ رہی تھی۔

اس کا ذہن اس وقت بالکل سادہ تھا۔ اس کے پاس اپنی کوئی یادداشت نہیں تھی۔ اس وقت نہ وہ اپنے ارادے کو حرکت میں لا سکتا تھا نہ اپنے تخیل اور شعور کے ذریعے اپنی سوچ اور یادداشت کے کسی حصے کو جگا سکتا تھا۔ اس وقت وہ صرف ایک ہی بات جانتا تھا اور وہ یہ کہ ایک طاقتور آواز اس سے جو بھی کہے گی، اسے اس پر عمل کرنا ہے اور یہ ہی آواز اس سے مخاطب تھی۔

''تم اس وقت مکمل طور پر میرے قبضے میں ہو اور وہی کرو گے جس کا تمہیں حکم دیا جائے گا۔''

وہ اپنے الیکٹرونک آلے کو ہونٹوں سے لگائے ریحان کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ ریحان کے سرہانے کھڑی ہوئی پیری اس وقت کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے تیار تھی۔ اس کے ہاتھ میں یقینی طور پر ریحان کو قابو میں رکھنے کا واحد ہتھیار خواب آور انجکشن تھا۔ جسے وہ دو بار پہلے بھی آزما چکے تھے۔ ڈاکٹر لیموس کا حکم تھا کہ پیری جیسے ہی خطرہ محسوس کرے، تو یہ انجکشن اس کے جسم کے کسی بھی حصے میں داخل کر دے۔

''اب تم کچھ بھی نہیں سوچو گے اور صرف میرے حکم پر عمل کرو گے۔ میری بات سمجھ رہے ہو.....؟''

''ہاں.....!''

''ٹھیک ہے.....! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم یہاں سے خود کو آزاد کراؤ۔'' دوسرے ہی لمحے ریحان نے اپنے سر کو ایک خفیف سا جھٹکا دیا اور اس کے ساتھ ہی اسٹیل کا بنا ہوا فولادی ہک جس نے ریحان کے سر کو جکڑ رکھا تھا۔ ایک جھٹکے سے ٹوٹ کر دور جا گرا۔ اگر اس لمحے وہ کمپنی جس نے آپریشن ٹیبل پر خطرناک مریضوں کو قابو میں رکھنے کے لئے یہ ہک بنایا تھا۔ یہ حیرت انگیز مظاہرہ دیکھ لیتی تو اس کمپنی کے لوگ حیرت کے مارے بے ہوش ہو جاتے۔ دوسرے ہی لمحے ریحان نے اپنے بازوؤں کو حرکت دی اور اس کے دونوں ہاتھ کلائیوں کے پاس سے چمڑے کے مضبوط تسموں کے ساتھ آزاد ہو گئے۔ رچر لیموس اور پیری نے دیکھا کہ مضبوط تسمے پرانے بوسیدہ کپڑے کی طرح پھٹ کر الگ ہو گئے اور ریحان اُٹھ کر آپریشن ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

''بہت شاندار.....! تم واقعی زبردست طاقت کے مالک ہو۔ دیکھا تم نے میڈم پیری......! دیکھا تم نے اس وقت میرے قبضے میں کیسی قوت ہے۔ جس کے متعلق دنیا بھر کے سائنس دان ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے اور اب یہ قوت میری ملکیت ہے۔''

ڈاکٹر رچر لیموس کا خیال تھا کہ پیری اس کے اس کارنامے کو سراہے گی لیکن پیری کا چہرہ بگڑ گیا اور اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''آخر ہم اس طاقت سے کیا کام لیں گے.....؟ کیا اس طاقت سے لوگوں کی بلٹیں کھولا کرو.....؟''

رچر لیموس نے حقارت آمیز نگاہوں سے پیری کی طرف دیکھا اور بولا۔

''افسوس تمہارے پاس تو دماغ ہی نہیں ہے جس سے تم میرے سائنسی منصوبوں کو سمجھ سکو۔ یہ لڑکا اس وقت دُنیائے سائنس کا سب سے بڑا عجوبہ ہے اور اس عجوبے سے لئے جانے والے کاموں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔''

اس دوران دانیال جو خاموشی سے لیبارٹری میں داخل ہو کر حیرت سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، تعریفی لہجے میں بولا۔

''بڑے لوگوں کے کام بھی بہت بڑے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ڈاکٹر رچر لیموس بہت بڑے سائنس دان ہیں۔''

رچر کو دانیال کی آمد کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ فوراً ہی اس کی طرف گھوما اور بولا۔

''تم یہاں کب داخل ہوئے......؟ اور وہ بھی بغیر اجازت......!''

وہ ایک دم سے بگڑ گیا تھا۔ دوسرے لمحے وہ مائنڈ کنٹرول یونٹ پر ریحان سے مخاطب ہوگیا۔

''لڑکے......! مسٹر دانیال جن کی تم نے زندگی بچائی ہے، انہیں اب تک تمہاری طاقت اور حیرت انگیز صلاحیتوں پر یقین نہیں ہے۔ تم انہیں اپنی طاقت کا یقین دلاؤ۔ یہ جسمانی طور پر تھک چکے ہیں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے آپریشل ٹیبل کے ساتھ منسلک ایک خاص مشین کی طرف اشارہ کیا اور ریحان کی نگاہیں اس کی طرف ٹک گئیں اور اس نے ٹکٹکی لگا کر اس مشین کو گھورنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپریشن ٹیبل کے ساتھ ایک اسٹینڈ پر لگی ہوئی مشین اپنے ربڑ کے پہیوں پر گھومتی ہوئی نیچے

آ گئی تھی۔

دانیال کو ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے......؟ مشین کے ساتھ منسلک ربڑ ماسک اچانک ہی مشین سے الگ ہوا اور اُڑتی ہوئی چمگادڑ کی طرح آ کر دانیال کے چہرے پر فٹ ہوگیا۔ اس ربڑ ماسک کے ساتھ آکسیجن کے علاوہ بے ہوشی کی نیند طاری کرنے والی گیس کی نالیاں بھی منسلک تھیں۔ ساتھ ہی کسی اَن دیکھی قوت نے دانیال کو فرش سے اُٹھا کر آپریشن ٹیبل پر لٹا دیا۔

دانیال اس بری طرح بوکھلا گیا تھا کہ احتجاج بھی نہ کر سکا۔ اس نے ربڑ ماسک کو چہرے سے الگ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ تو کسی زہریلے بچھو کی طرح اس کے چہرے سے چپک کر رہ گیا تھا۔ دانیال کا جسم چند لمحوں تک آپریشن ٹیبل پر تڑپا اور ساکت ہوگیا۔

وہ گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔ بڑا ربڑ ماسک اور وہ عجیب و غریب مشین واپس اپنی جگہ آ گئے۔ رچر لیموس کے چہرے پر اس وقت ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی اور پیری اس خوف ناک صورتِ حال کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اب تک یقین نہیں آیا تھا کہ اس نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہ کیا ہے......؟

اس وقت اس کا ذہن صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اس سارے واقعے سے دولت کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر رچر نے سامنے کی سمت اشارہ کیا اور بہت ہی شاندار صوفوں میں سے ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔

''میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں میڈم پیری......! تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ تم نہیں جانتیں کہ ''مالیکیولر پاور'' کو کس طرح استعمال کیا جا

سکتا ہے......؟ سامنے دیکھو......!''

سامنے دُنیا کی بہترین شرابوں کی الماری تھی۔ شیشے کی ایک بڑی الماری میں شراب کی بوتلیں بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ جبکہ شراب کی کئی پیٹیاں جو پیری نے پچھلے ہی دنوں منگوائی تھیں، ایک کونے میں بے ترتیبی سے رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر مائنڈ کنٹرول یونٹ پر ریحان سے مخاطب ہوا۔

''مائی ڈیئر بوائے......! میں چاہتا ہوں ان پیٹیوں کو پوری احتیاط کے ساتھ ترتیب سے لگا دو اور تم جانتے ہو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

پیری نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا کہ ڈاکٹر کے خاموش ہوتے ہی شراب کی ساری پیٹیوں میں حرکت شروع ہوئی۔ اس قدر حیرت انگیز منظر تھا کہ وہ اسے زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتی تھی۔

اگر ریحان نامی یہ لڑکا، یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں سے بھی کرتا تب بھی شاید اسے ریحان کی طاقت کا یقین نہیں آتا۔ شراب کی بھاری پیٹیاں اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ترتیب میں آتی جا رہی تھی۔ لیکن انہیں ہاتھ لگانے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ خود بخود فضاء میں بلند ہو کر ایک کے اوپر ایک کی ترتیب میں آتی رہیں۔ آخری پیٹی فضاء میں بلند ہوئی اور پیٹیوں کی قطار جو بلا مبالغہ چھت تک پہنچ گئی تھی، پر جا کر ٹک گئی۔

''اب ہم دونوں کے لئے شراب پیش کرو......!''

ڈاکٹر رچرڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پیری مسکرا بھی نہ پائی تھی کہ ایک بار پھر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس کی آنکھوں کے عین سامنے والی الماری سے شیشے کے دو گلاس پھسل کر نیچے آئے اور پھر شیشے کی الماری سے ایک بوتل

گویا اپنے ہی نشے میں جھومتی برآمد ہوئی اور اس کا ڈھکن کھلا اور پھر وہ ان کے گلاسوں پر جھک گئی۔

ڈاکٹر رچرڈ نے اپنا گلاس اس کے گلاس سے ٹکرا کر اسے سکتے سے باہر نکالا۔

''مالیکیولر موبائیلیزیشن کے نام......!''

رچرڈ کی آواز اُبھری اور دونوں مختلف انداز میں سوچتے ہوئے شراب پینے لگے۔ ایک خود کو بے انتہا طاقتور محسوس کر رہا تھا اور دوسرا خود کو دُنیا کا مالدار ترین شخص بنتا دیکھ رہا تھا۔ دوسرف طرف آپریشن ٹیبل پر دانیل انہیں دیکھ رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ٹیبل سے اُٹھ سکتا، نیند آور گیس کے سلنڈر سے منسلک ربڑ ماسک تیزی سے پھسلتا ہوا نیچے آیا اور اس کی گرفت بڑھ گئی۔

دوسرے لمحے وہ ایک بار پھر گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

❀ ❀ ❀

زریجہ اور اس کے دوست دوپہر تک شہر کے تمام ہسپتالوں کو کھنگال چکے تھے۔ لیکن ریحان نامی کوئی لڑکا کسی ہسپتال میں داخل نہیں تھا۔ وہ سب بری طرح تھک چکے تھے لیکن وہ زریجہ سے اس طرح مخلص ہوگئے تھے کہ اسے مایوس بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اس کے ساتھ پوری طرح شہرگردی کر رہے تھے۔ زریجہ اپنی تمام تر ذہنی قوتوں سے ہی کام سے رہی تھی۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد اپنے ماتھے کو پکڑ لیتی اور آنکھیں بند کر کے اپنے بھائی کو پکارتی۔

"میرے بھائی......! تم کہاں ہو......؟"

لڑکوں کا خیال تھا کہ زریجہ کوئی مذہبی دُعا کرتی ہے۔

"وہ بیچاری بھائی کی محبت میں پاگل پن کا شکار ہوگئی ہے۔"

تینوں لڑکے مختلف باتیں کر رہے تھے۔ صرف شیری تھا جو اپنے دل

میں اس کے لئے محبت محسوس کر رہا تھا۔ زریجہ نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"میں اس وقت عجیب وغریب صورتِ حال سے دوچار ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے ریحان مکمل طور پر بہادہ ہوگیا ہے۔"

وہ درد بھرے لہجے میں کہتی تھی۔ ان لڑکوں کو وہ ذہنی رابطے کی تکنیک سمجھا نہیں جانتی تھی۔ سنجیدگی سے صورتِ حال کو لینا بڑے صبر وتحمل کی بات تھی۔ شیری نے زریجہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آخر کار ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ میرا تم سے وعدہ ہے۔ میں اس وقت تک تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ وہ مل نہیں جائے گا۔"

زریجہ نہ جانے کیوں یہ محسوس کر رہی تھی کہ شاید ریحان اسے اب کبھی نہ ملے......؟

پیری اس وقت اپنی شاندار لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اگرچہ شام کا دُھندلکا آہستہ آہستہ پھیلتا جا رہا تھا لیکن پیری نے اُٹھ کر لائٹ جلانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ اس وقت جن کاغذات کو دیکھ رہی تھی وہ اس کے لئے بہت اہم تھے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی دوسرا اس کے منصوبے سے واقف ہو۔ لیکن اچانک ہی لائبریری کا دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا اور اندر داخل ہونے والے شخص نے فوراً ہی پیری کے ہاتھ میں موجود کاغذات پر نگاہ جما دی۔ آنے والا شخص دانیال تھا۔

''کیا کل ریس کے گھوڑوں کے لئے تیاری کی جا رہی ہے......؟''

دانیال نے اسے مخاطب کیا۔

''میں اس وقت کچھ اور سوچ رہی تھی۔''

''کیا......؟ ہم تو کافی دن سے مسلسل جیت رہے ہیں۔''

''ہم تو ہمیشہ ہی جیت کر اُٹھتے ہیں لیکن میں اس وقت کچھ اور سوچ رہی تھی۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تم میرے عزیز بھی ہو۔ کیا تم تصور کر سکتے ہو کہ اس ریس کا انجام کیا ہوگا......؟ جس میں یہ لڑکا ہمارے ساتھ ہوگا۔ تم ذرا اس شان کا بھی تصور کرو جب جوئے کی میز پر ریحان ہمارے ساتھ ہوگا۔''

دانیال پیری کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد آہستہ سے بولا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ ریحان ہمیں جیتنے میں مدد دے سکتا ہے......؟''

''ہاں......! ذرا ڈاکٹر رچرڈ کے الفاظ پر غور کرو۔ اس نے کہا تھا کہ ریحان سے کام لئے جانے کی کوئی حدود نہیں ہیں۔ تم نے تہہ خانے میں شراب کی پیٹیوں کو قطار در قطار رکھتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اس نے وہ بھاری پیٹیاں اپنی دماغی طاقت سے اُٹھا کر رکھی تھیں۔ اگر وہ یہ کام کر سکتا ہے تو پھر یہ کام کیوں نہیں کر سکتا......؟''

یہ کہہ کر پیری نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات میں سے ایک تصویر برآمد کی اور دانیال کے سامنے کر دی۔

''یہ کیا ہے......؟''

دانیال نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو سونا ہے۔''

تصویر میں ایک بہت بڑے ہال کا منظر تھا جس کے عین درمیان میں شیشے کے احرام نما تابوت میں سونے کی اینٹیں تہہ در تہہ رکھی ہوئی تھیں۔

''اس سونے کی مالیت کروڑوں ڈالر بلکہ شاید اربوں ڈالر ہو۔''

پیری نے دانیال کے چہرے کو بغور دیکھا۔ دانیال کے چہرے کی سرخی اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ اس کا دورانِ خون تیز ہو گیا ہے۔ پیری بولی۔

''یہ سونا انٹرنیشنل میوزیم میں رکھا ہوا ہے اور ہمارا انتظار کر رہا ہے کہ ہم وہاں جائیں اور اسے یہاں لے آئیں۔''

دانیال کا چہرہ فرطِ مسرت سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''کیا ڈاکٹر رچر لیموس مائنڈ کنٹرول یونٹ اور لڑکے کو استعمال کرنے کی اجازت دے دے گا......؟''

''مجھے اس سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس ایجاد پر سارا سرمایہ میں نے لگایا ہے اور ریحان کو پکڑنے میں میں نے بھی محنت کی ہے۔ اب اگر میں اس سے فائدہ اُٹھانا چاہوں تو ڈاکٹر رچر مجھے کیسے روک سکتا ہے......؟ اس کے پاس میری رقم کی واپسی کا ابھی کوئی بندوبست نہیں ہے۔ میرے لئے یہ ایک بہترین موقع ہے کہ میں اپنی رقم بمعہ سود کے وصول کرلوں۔''

دانیال نے تائید کے انداز میں سر ہلایا اور دیگر تصویریں دیکھنے لگا۔

ایک تصویر زمانۂ قدیم کے صندوق کی تھی جو سونوں کے سکّوں سے اوپر تک بھرا ہوا تھا۔ ایک اور تصویر میں کسی ہندوستانی شہنشاہ کا سونے کا تاج اور ہیرے جواہرات تھے۔ ہر تصویر کے ساتھ دانیال کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ آخری تصویر تک اس کا سانس اس طرح پھول گیا جیسے کسی دوڑ کے مقابلے سے آ رہا ہو۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''لیکن میوزیم میں سیکورٹی کا بندوبست بھی تو ہوگا......؟''

''ہاں شاید......!''

پیری نے حقارت بھرے انداز میں کہا۔

''ہمارے پاس میوزیم کے سیکورٹی سسٹم اور سیکورٹی سے نمٹنے کے لئے پوری ایک اٹالین فوج کے برابر طاقت ہے۔ وہ طاقت نہ صرف سیکورٹی سٹاف سے نمٹے گی بلکہ ہماری حفاظت بھی کرے گی۔ سمجھے تم......! ہمارے پاس وہ لڑکا ریحان ہے۔''

پھر اسی رات پیری کا منصوبہ مکمل ہو گیا اور دوسری صبح پیری اور دانیال اس منصوبے پر عمل کے لئے ایکشن مین آ گئے۔ ڈاکٹر رچر لیموس کچھ نئے سائنسی سامان کی خریداری کے سلسلے میں دوسرے ملک گیا ہوا تھا۔ جاتے ہوئے وہ پیری کو بتا بھی گیا تھا کہ کل اس کی واپسی دوپہر سے پہلے نہیں ہوگی۔

پیری کے لئے گویا یہ ایک سنہری موقع تھا۔ وہ دانیال کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی تہہ خانے کے اس کمرے کی طرف لے جا رہی تھی جہاں رچر نے ریحان کو قید کر رکھا تھا۔ تہہ خانے کی سیڑھیاں تیزی سے طے کرنے کے بعد پیری نے جلدی جلدی ریحان کے کمرے کا تالا کھولا اور چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

ریحان صلاغی اس وقت ایک دیوار گیر بستر پر بڑے آرام سے سو رہا تھا۔ کمرے میں موجود ایک میز پر ڈاکٹر رچر کا وہ جادوئی آلہ یعنی مائنڈ کنٹرول یونٹ رکھا ہوا تھا۔ یونٹ کے پینل بورڈ پر اس وقت ایک نیلا بلب روشن تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آٹو کنٹرول پوزیشن میں ہے۔ پیری کسی چالاک بلی کی طرح دبے دبے قدم بڑھاتی ہوئی میز کی طرف بڑھی اور پوری احتیاط سے کنٹرول یونٹ کو ہاتھ میں اٹھا لیا۔ اس طرح گویا اس کے ہاتھ میں مائنڈ

کنٹرول یونٹ نہ ہو، ہینڈ گرنیڈ ہو جو معمولی سی بے احتیاطی سے اس کے ہاتھ سے گر کر پھٹ جائے گا۔

دانیال نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا تم اس کے استعمال سے واقف ہو پیری......؟"

"ہاں......!"

پیری نے کہا اور بہت محتاط ہو کر ایک بٹن پر اُنگلی رکھی جس پر ٹرانسمٹ کے الفاظ چھپے ہوئے تھے۔ انگلی کا خفیف سا دباؤ پڑتے ہی پینل پر نیلی روشنی غائب ہوگئی اور سبز روشنی کا بلب جل اُٹھا۔ اس کے ساتھ ہی یونٹ سے سیٹی کی آواز آنے لگی۔ ایک لمحے کے لئے پیری کے ہاتھ کپکپائے۔ اس نے اپنے آپ کو خوفزدہ ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے کنٹرول یونٹ کو ہونٹوں سے چپکا لیا اور پورے یقین سے ریحان سے مخاطب تھی جو آنکھیں بند کئے بستر پر لیٹا تھا۔

"لڑکے......! میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ تم اپنی آنکھیں کھولو......!"

حکم ملتے ہی ریحان نے ایک لمحے کی دیر کئے بغیر آنکھیں کھول دیں۔ دانیال سے زیادہ خود پیری کو حیرانی ہوئی تھی۔ اسے یقین ہوگیا کہ وہ بآسانی اس کنٹرول یونٹ کو آپریٹ کرسکتی ہے۔ اس نے دوسرا حکم دیا۔

"کھڑے ہو جاؤ......!"

اس کی تعمیل بھی ایک لمحے کے اندر اندر ہوئی۔ ریحان کی آنکھوں میں اس وقت بھی وہی چمک تھی جو پیری پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ یہ چمک اس کی دماغی صلاحیتوں کا مکمل طور پر پیری کے کنٹرول میں ہونے کا ثبوت تھی۔ اگرچہ وہ اس بات سے واقف نہیں تھی کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہو رہا ہے......؟

لیکن اسے ان سائنسی باتوں کو کچھ زیادہ سمجھنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تو صرف میوزیم کا نقشہ گھوم رہا تھا۔ جہاں اربوں ڈالر مالیت کا سونا اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"آؤ...... میرے ساتھ آؤ......!"

اس نے ریحان کو ہدایت دی اور تہہ خانے سے باہر نکل آئی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ اور ریحان فوڈ ٹرک میں سوار ہو کر شہر کی طرف جانے والی سڑک پر جا رہے تھے۔ البتہ اس ٹرک کو دانیال ہی چلا رہا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ تینوں میوزیم کی پارکنگ پلاٹ پر ٹرک پارک کر کے باہر اُتر رہے تھے۔ پیری نے اس وقت دونوں ہاتھوں میں کالے رنگ کے نائیلون کے دستانے چڑھا رکھے تھے اور پوری احتیاط اور سختی کے ساتھ کنٹرول یونٹ کو ایک ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ پروگرام کے مطابق دانیال کو ٹرک کے پچھلے حصے میں بیٹھ کر ٹرک میں سونے کی ڈیلیوری کا انتظار کرنا تھا اور ریحان کو میوزیم کے اندر چلے جانا تھا۔

آخرکار وہ اسے ساتھ لے کر میوزیم کے اندر داخل ہوگئی۔ یہ میوزیم مکمل طور پر ایک وسیع و عریض، کشادہ ہال پر مشتمل تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ان کے دائیں جانب شیشے کے تابوت نما شوکیس تھے۔ جن کے اندر وہ نایاب زیورات خوب صورتی سے سجائے گئے تھے۔ آج ان زیورات کی نمائش کو تیسرا دن تھا۔ اس لئے ہال میں کافی رش تھا۔ وہ دونوں بھی تماشائیوں میں شامل ہو کر نادرِ روزگار ہیرے جواہرات کو دیکھنے لگے۔ ہر ایک جگہ سونے کے اشرفیوں کے ایک بہت بڑے ڈھیر کو جسے میوزیم کی انتظامیہ نے ایک پوڑی کی شکل دے کر شیشے کے ایک چوکور کمرے نما بکس سے ڈھک دیا تھا۔ انہیں دیکھ کر

پیری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اشرفیوں کی اس پہاڑی کے کناروں پر سونے کی کانوں سے نکالے گئے سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے بڑے طریقے سے سجائے گئے تھے۔ جس نے لوگوں کی تمام توجہ اپنی جانب مبذول کر رکھی تھی۔ سونے کے اصل زیورات اینٹوں کی نمائش میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔

آخر کار سیکورٹی روم سے جو اَن بریک ایبل شیشے کے ایک کمرے پر مشتمل تھا، اور فرش سے کوئی پندرہ منٹ اونچی ایک دیوار کے ساتھ منسلک تھا، اصل نمائش کا اعلان کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور میوزیم کے تمام دروازے خود کار طریقے پر بند ہو گئے۔

اب میوزیم کے اندر موجود کسی شخص کے پاس بھی میوزیم سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پیری نے سیکورٹی سٹاف کی حرکات کا بھرپور جائزہ لیا۔ وہ نہ صرف سیکورٹی کنٹرول روم سے جو پورے میوزیم کی نگرانی کر رہے تھے، بلکہ تماش بینوں کے ساتھ بھی شامل ہو کر لوگوں پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مشینی سیکورٹی ربوٹ بھی ہر دس قدم کے فاصلے پر نگرانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ تماشیوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ تمام لوگ بے چینی سے سونے کی اینٹوں کی نماش کے منتظر تھے۔

کچھ لمحوں کے بعد دوسری مرتبہ گڑگڑاہٹ ہوئی اور میوزیم کی ایک دیوار کا حصہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ چھوٹی چھوٹی الیکٹرک ٹرالیوں پر ہیرے جواہرات سے لدے ہوئے صندوق دیوار کے دوسری طرف سے برآمد ہونا شروع ہو گئے۔ یہ ٹرالیاں ریلوے لائن کی طرز پر میوزیم کے ہال میں چاروں کناروں پر بچھائی گئی پٹڑی پر ریموٹ کنٹرول سسٹم کے تحت چل رہی تھیں۔ ان

پر بار کیے گئے شیشے کے تابوتوں میں آنکھوں کو چندھیا دینے والے زیورات و جواہرات تھے۔ پیری ان کی مالیت کا بھی کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتی تھی اور نہ ہی فی الوقت اس کا اتنی بڑی ڈکیتی کا کوئی پروگرام تھا۔ ان ٹرالیوں پر بھی مشینی ربوٹ سیکورٹی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

آخر کار تمام ٹرالیاں میوزیم کے ہال میں آ کر ٹھہر گئیں۔ اس کے چند ہی منٹ بعد کسی چٹان کی اپنی جگہ سے ہلنے کی آواز بلند ہوئی اور میوزیم کے عین درمیان کا فرش خود کار طریقے پر پھٹتا چلا گیا اور اس کے بعد فرش سے ایک گھومتا ہوا اسٹیج برآمد ہوا۔ جس پر لاتعداد سونے کی اینٹوں کا ایک احرام تعمیر کیا گیا تھا۔ سونے کی اینٹوں سے تعمیر کئے گئے اس احرام کو بھی شیشے سے ڈھک دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ہال میں جلنے والی روشنیوں اور سونے کی چمک نے لوگوں کو پلک تک نہ جھپکنے دی۔

گھومتے ہوئے اسٹیج کے کناروں پر لاتعداد چمکتے ہوئے خنجروں کو ویلڈ کیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے کسی شخص کا اسٹیج کے قریب آنا اور اسے چھو لینا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ پیری ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے ششدر تھی پھر جیسے اس نے خود کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میوزیم کی انتظامیہ کتنے ہی خوف ناک انتظامات کیوں نہ کر لے.....؟ اب یہ سونا میری ملکیت ہے اور میں ہر حال میں اس سونے کو یہاں سے لے جاؤں گی۔''

وہ ایک بار پھر سیکورٹی اسٹاف کو چیک کرنے لگی۔ اساف میں مرد عورتیں دونوں ہی شامل تھے اور مخصوص وردیوں مین لوگوں پر کڑ نگاہیں رکھے ہوئے تھے۔ پیری نے آخری نگاہ سیکورٹی کنٹرول روم کی طرف ڈالی اور حقارت

سے انہیں دیکھ کر مسکرا دی۔ جیسے ان سے یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم سب مل کر بھی اس لڑکے کی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ تمہارے پاس صرف میکینکل اور الیکٹریکل پاور ہے۔ جب کہ میرے پاس مالیکیولرز کی بے پناہ قوت ہے۔

پیری کے ذہن میں اس ڈکیتی کا منصوبہ پہلے ہی سے مکمل تھا۔ تمام انتظامات کا جائزہ لینے کے بعد اس نے مائنڈ کنٹرول یونٹ کو بڑی احتیاط سے ہونٹوں کے قریب کیا اور سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

''ریحان......! ہم یہاں ایک نہایت سنسنی خیز اور حیران کن ماحول تخلیق کریں گے۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ تم سونے کے اس گھومتے ہوئے اسٹیج کی طرف دیکھو۔''

فوراً ہی ریحان کی گردن اسٹیج کی طرف گھومی تو پیری نے دوسرا حکم جاری کیا۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم اس اسٹیج کو فضاء میں بلند کر دو۔''

یہ کہہ کر پیری خاموش ہوگئی۔ اس وقت وہ بڑے غور سے ریحان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ریحان کے ماتھے پر اچانک ہی رگیں اُبھر آئیں تھیں اور پھر پیری نے بمشکل اپنے حواس کو قابو میں کیا۔ وہ اسٹیج کو آہستہ آہستہ بلند ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ فولاد کی مضبوط شافت جس پر اسٹیج گھوم رہا تھا، آہستہ آہستہ باہر نکل رہی تھی۔ تقریباً ایک فٹ تک باہر نکل کر وہ اپنی جگہ رُک گئی۔

اس کا مطلب تھا کہ اب سٹاف میں مزید باہر نکلنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسٹیج اس وقت بھی اپنے بیرنگوں پر گردش کر رہا تھا۔ ایک سیکورٹی آفیسر جو داخلی دروازے کے قریب کھڑا ہوا تھا، اچانک ہی دوڑتا ہوا اسٹیج کی طرف آیا۔ اس نے یقیناً کوئی عجیب بات محسوس کر لی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جو کچھ

دیکھ رہا تھا، اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر گڑگڑاہٹ کا شور سنتے ہی اس نے کنٹرول روم کے افسران کو اسٹیج کو دوبارہ محفوظ کر دینے کا حکم دیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ کنٹرول روم کا اسٹاف اسٹیج کو محفوظ کرتا، کٹ کی زوردار آواز کے ساتھ ہی اسٹیج کی شاخ اپنی جگہ سے باہر نکل چکی تھی۔ اور دوسرے لمحے سونے کی بے شمار اینٹوں سے لدا ہوا اسٹیج فضاء میں بلند ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی غبارہ آہستہ آہستہ فضاء میں جا رہا ہو۔ سیکورٹی اسٹاف کی آنکھیں پھٹ کر رہ گئیں۔ جو کچھ ان کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں وہ اس پر یقین نہیں کر سکتے تھے۔ پیری خود اتنی حیران رہ گئی تھی کہ اس کے ہاتھ سے کنٹرول یونٹ پھسل کر فرش پر گر پڑا۔

اگر سیکورٹی گارڈ سکتے میں نہ ہوتے تو معاملہ گڑبڑ بھی ہو سکتا تھا۔ پیری نے فوراً ہی کنٹرول یونٹ کو اُٹھا کر چیک کیا اور سرگوشی کرتے ہوئے ریحان کو حکم دیا۔

''ریحان......! ان ٹرالیوں کا راستہ بند کر دو اور ان ٹرالیوں کو سیکورٹی گارڈ کے پیچھے لگا دو۔''

پیری کا جملہ مکمل ہوتے ہی ریلوے لائن کی طرز کی بچھی ہوئی پٹڑیوں سے تین ٹرالیاں اُچھل کر الگ ہوئیں اور سیدھی سیکورٹی گارڈ کی طرف آئیں۔ ایک لیڈی سیکورٹی گارڈ نے اس قدر خوفناک چیخ ماری تھی کہ کچھ لمحوں کے لئے خود پیری بھی بوکھلا گئی۔ ٹھوس فولاد کی مضبوط ٹرالیاں کسی پلے لینڈ کی ڈاجنگ کاروں کی طرح گارڈ کے پیچھے تھیں اور سیکورٹی گارڈز ان کی خوفناک ٹکر سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ اس کے بعد کا منظر پیری کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہوگئی اور

چند لمحوں کے بعد تماش بینوں کے مشترکہ قہقہوں نے اسے ایک طرف متوجہ کیا۔

ٹرالیاں اس وقت ربوٹ سیکورٹی گارڈ کو ٹکریں مار رہی تھیں اور فولاد کے ربوٹ اِدھر اُدھر لڑھکتے پھر رہے تھے۔ پیری نے ایک نیا حکم دیا۔

"تمام لیڈیز سیکورٹی گارڈ کو فضاء میں معلق کر دو۔ اس حکم کے ساتھ ہی میوزیم میں سینکڑوں خوفناک چیخیں بلند ہوئی تھیں۔ پیری نے ایک لمحے کے لئے تماش بینوں کی طرف دیکھا۔ نمائش دیکھنے کے لئے آنے والے مرد اور عورتیں گویا اس وقت ہذیان میں مبتلا ہوگئے تھے۔ وہ میوزیم سے نکلنے کے لئے دروازے کو مل کر توڑ دینا چاہتے تھے لیکن میوزیم کے کمپیوٹرائز دروازے سے نہ تو اپنی مرضی سے کھل سکتے تھے اور نہ ہی اتنے کمزور تھے کہ ان کے توڑنے سے ٹوٹ جاتے۔

بیشتر عورتیں اس وقت ہسٹریا کا شکار تھیں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے لیڈی سیکورٹی گارڈز کو فضاء میں بلند ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ ایک لیڈی گارڈ نے اپنے قدموں تلے سے فرش کھلتے ہی سہارے کے لئے اپنی ہی گردن کو دونوں ہاتھوں سے سختی تے تھام لیا۔ میوزیم میں دوسری مرتبہ بلند ہونے والی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ خوف ناک تھیں۔

پیری نے پاگل ہو جانے والے ان گارڈز کو حیرانی اور خوف سے دیکھا جو اپنی شارٹ گنوں سے بے جان ٹرالیوں پر اندھا دُھند فائرنگ کر رہے تھے۔ پھر شارٹ گنیں خالی ہوتے ہی وہ جان بچانے کے لئے دوڑنے اور بھاگنے لگے۔

ایک سیکورٹی گارڈ کی قسمت نے خوب یاوری کی۔ ایک لیڈی سیکورٹی گارڈ جو سر سے تقریباً سات آٹھ فٹ کی بلندی پر ہوا میں معلق تھی، بدحواس

گارڈ نے مرسڈیز کو دُور سے ہی رُکنے کا اشارہ کیا تھا۔ دانیال نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کے لئے اپنے اعصاب کو سنبھالا اور پھر اس کا ہاتھ نہ جانے کس طرح ریڈیو تک پہنچ گیا۔ ریڈیو سے اس وقت موسیقی پیش کی رہی تھی۔ موسیقی کے ریکارڈ نے دانیال کو کسی حد تک حوصلہ دیا اور اس کے کپکپاتے ہوئے قدم کسی بھی لمحے ایکسی لیٹر پر دباؤ ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ایٹمی پلانٹ کے دونوں گارڈز یقینی طور پر ایٹمی پلانٹ میں داخل ہونے کے لئے ہر کار اور ہر آنے والے شخص سے واقف تھے۔ سیاہ مرسڈیز اور اس کی نمبر پلیٹ ان کے لئے اجنبی تھی۔ شاید اسی لئے مرسڈیز کی طرف بڑھتے ہوئے وہ نہ صرف پوری طرح چونکے تھے، بلکہ ان کے چہرے پر کسی قدر سختی بھی پھیلی ہوئی تھی۔

اسی وقت پیری نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا دیا۔ اس کے اس عمل سے دونوں گارڈز اسی سے مخاطب ہوئے۔

"جی میڈم......! ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں......؟"

"میں ٹالکم پاوڈر فروخت کرنے آئی ہوں۔ تمہیں یقیناً اس کی ضرورت ہوگی۔"

پیری نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہوگئے تھے اور اس کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ اس کو کوئی سخت بات کہنا چاہتے تھے کہ اچانک ہی فولاد کا مضبوط پھاٹک کھلتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی گویا مرسڈیز کو پَر لگ گئے۔ دونوں گارڈز صرف چلاتے ہی رہ گئے۔ لیکن دانیال نے ایکسی لیٹر پر جتنا دباؤ ڈالا تھا، اس کے تحت مرسڈیز جیسی شاندار گاڑی کو اسی طرح پرواز کرنی چاہئے تھی۔

کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے افراد غالباً سکتے کی کیفیت سے باہر نکل
آئے تھے۔ وہ بار بار اپنے سر کو اس طرح جھٹک رہے تھے جیسے کچھ لمحے پیشتر وہ
کوئی خوف ناک خواب دیکھ رہے ہوں۔

چاروں لڑکے زریجہ میں اس طرح گم ہو گئے تھے کہ ان میں سے کسی
کا دل اسے چھوڑنے کو نہیں چاہتا تھا۔ لیکن شیری سب سے زیادہ اس سے متاثر
تھا۔ اب ان کی خواہش تھی کہ وہ ہر لمحے زریجہ کے ساتھ رہیں۔

زریجہ کا چہرہ اُتر گیا تھا۔ بال بکھر گئے تھے اور ہونٹ خشک ہو گئے
تھے۔ وہ اپنے بھائی کے لئے دیوانی ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت اپنے
بھائی سے ذہنی رابطے میں مصروف ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ساتھ ہی بیٹھے
ہوئے تھے کہ اچانک زریجہ چیخ پڑی۔

''سونا......آہ......سونے کے ڈھیر......سونے کے ڈھیر......!''

اس نے ایک دم چیخ سی ماری اور لڑکے اسے دیکھنے لگے۔ ان کا خیال
تھا کہ زریجہ کو پھر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔ وہ بھائی کے بچھڑنے سے صدمے

ٹام اس وقت بے انتہاء تھک چکا تھا۔ وہ دیوار کے سائے میں چند لمحوں کے لئے ستانے کے لئے رُک گیا۔ اور اس کی لمبی زبان باہر نکل آئی۔ وہ ہانپ رہا تھا۔

وہ ٹیکسی اس سے صرف چند منٹ کے فاصلے پر آکر رُکی تھی اور ٹیکسی ڈرائیور فٹ پاتھ پر کھڑے شخص سے مخاطب ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''کدھر جانا ہے مسٹر......؟ مجھے راستہ بتائیے......!''

''لیمین اسٹریٹ مارکیٹ......!''

فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے شخص نے جواب دیا۔

اور پھر ٹیکسی ڈرائیور کے اقرار میں گردن ہلانے پر ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ ٹام شاید ایسے ہی کسی لمحے کا منتظر تھا۔ اس شخص کو شاید اندازہ بھی نہ ہو

سکا کہ اس کی ٹانگوں کے پاس سے کیا چیز گزری ہے ؟ اور اسے ہلکا سا دھکا کیسے لگا ہے......؟ البتہ ٹام بڑی ہوشیاری کے ساتھ پچھلی سیٹ پر گردن ڈال کر بیٹھ گیا تھا اور ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی تھی۔

ٹیکسی کا دروازہ خود بخود ہی بند ہوگیا تھا۔ سڑک پر اس وقت بھی ٹریفک کا بہت زیادہ رش تھا۔ ٹام خود کو بہت خوش قسمت سمجھ رہا تھا۔ اس وقت اسے قدرت کی مہربانی سے شاید اس شہر کا سب سے زیادہ تیز رفتار ٹیکسی ڈرائیور میسر آیا تھا۔ کیونکہ جس رفتار سے وہ ٹیکسی چلا رہا تھا اور جس قسم کی آوازیں ٹائروں سے نکل رہی تھیں، اس سے ڈرائیور کی بے پناہ مہارت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

ٹام تو خیر ایک جانور تھا۔ کوئی انسان بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس وقت کس کس کا ذہن کس کس کے کنٹرول میں ہے۔ ٹام کے حلق سے ایک مدھم سی آواز نکلی تھی۔ خدا جانے ٹیکسی ڈرائیور نے اسے کیا سمجھا ؟ وہ سامنے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''اگر آپ کو اس سے بھی زیادہ جلدی ہے جناب ! تو میں اس سے بھی زیادہ تیزی سے آپ کو آپ کی منزل تک پہنچا سکتا ہوں۔ کیا سمجھے......؟''

پتہ نہیں ڈرائیور کے ذہن پر کیا چیز سوار تھی......؟ وہ سڑک پر رینگتی ہوئی ٹریفک میں سے مزید تیزی سے راستہ بنانے لگا۔ وہ مسلسل بولے جا رہا تھا۔

''میں اس شہر کا سب سے زیادہ تیز رفتار ڈرائیور ہوں۔ آپ کسی سے بھی پوچھ لیں۔ ہر ٹیکسی ڈرائیور آپ کو بتا دے گا کہ ہمدان اس شہر کا سب سے

کیمرے ٹوٹ پھوٹ ہو کر رہ گئے اور دیر تک ان کے اندر سے دُھواں سا نکلتا رہا۔

ایک سیکورٹی آفیسر جو اس وقت بھی کنٹرول پینل پر جھکا ہوا جدوجہد میں مصروف تھا، کمپیوٹر پینل سے بجلی کے سپارک نکلتے دیکھ کر بدحواس ہو کر دُور ہٹ گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی اس نے ہمت نہیں ہاری اور میوزیم کے باہر لگی ہوئی خطرے کی گھنٹی بجانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس مرتبہ اسے شدید کرنٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

ریحان کی لامحدود طاقتوں نے بجلی کے نظام کو بھی معطل کر دیا تھا۔ بجلی کا نظام فیل ہوتے ہی ہر طرف سکوت سا چھا گیا۔ اگرچہ میوزیم میں اندھیرا سا پھیل گیا تھا لیکن پیری کی آنکھیں اس وقت بھی سونے کے جواہرات کو دیکھ رہی تھیں۔ منصوبے کے تیسرے حصے پر عملدرآمد کا وقت آ گیا تھا۔ میوزیم کی چھت کے قریب ہوا میں معلق اسٹیج اب نیچے اُتر رہا تھا۔

"اب یہ تمام سونا میری ملکیت ہے۔"

اسٹیج کے دوبارہ اپنی شافٹ پر آتے ہی پیری نے دونوں بازو آگے بڑھائے لیکن ٹھٹک کر رُک گئی۔ اس کی نظر اچانک ہی ان دو سیکورٹی کارڈز پر پڑی جو اسٹیج کے کناروں سے چمٹے ہوئے تھے اور اسٹیج کی واپسی کے ساتھ ہی ہوش میں آ گئے تھے۔ جو کچھ میوزیم میں ہو چکا تھا اس کا بیشتر حصہ وہ شاید نہیں دیکھ پائے تھے۔ لیکن جو کچھ ان کے ساتھ ہو چکا تھا وہ اتنا کافی تھا کہ ان کی عقل ٹھکانے آ گئی تھی۔

انہوں نے ایک لمحے کے لئے مقابلے کے بارے میں سوچا۔ لیکن ان کے سامنے تو کوئی مدمقابل ہی نہیں تھا۔ البتہ انہوں نے حیرت سے ریحان اور

پیری کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ بوڑھی سی عورت اور معصوم سا لڑکا خطرناک ہو سکتا ہے......؟"

انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ان کے چہروں سے پتہ چلا رہا تھا جیسے وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی دونوں نے اپنے ریوالور نکالنے کے لئے اپنے ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ البتہ ان کے خالی ہاتھ واپس ہو گئے۔ ان کے ریوالور اچانک ہی غائب ہو گئے تھے۔ انہوں نے حیرت اور خوف سے اس معصوم سے لڑکے کی طرف دیکھا جس کا ہر قدم انہیں حیرت کا شکار کر رہا تھا اور ان دونوں کی چھٹی حس کسی بہت بڑے خطرے کا سگنل دے رہی تھی۔

پھر وہ دونوں ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایسی خوفناک بلاؤں سے مقابلہ کرنے کے لئے وہ تیار نہیں تھے جو نظر بھی نہ آئیں۔ اب پیری اپنے منصوبے کے تیسرے حصے پر عمل کرنے کے لئے بالکل تیار تھی۔ اس وقت اس کی دماغی کیفیت بھی بہت اچھی نہیں تھی۔ وہ سونے سے لدے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھی اور بہت محبت سے شیشے کی فولادی دیوار پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ گویا سونے کی اینٹوں پر ہاتھ پھیر رہی ہو۔ اس نے ریحان سے کہا۔

"ریحان......! سونے کے اوپر سے اس شیشے کے غلاف کو توڑ دو۔ میں سونے کی اینٹوں کو چھو کر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اور پھر دوسرے یہ لمحے پیری کے ہاتھ سونے کی اینٹوں کو چھو رہے تھے۔ انتہائی مضبوط شیشے کی دیواریں ریحان کی مالیکیولر پاور کے سامنے ایک منٹ بھی نہ ٹھہر سکی تھیں۔

سونے کی ایک اینٹ کے ہاتھ میں آتے ہی پیری کی آواز بدل گئی۔

مزے سے لیٹا ہوا ہے۔ ہمدان کی گردن ابھی پچھلی سیٹ کی طرف ہی تھی۔ پھر زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی اس کی گردن سامنے کی طرف گھومی۔ اس کی بیس سالہ محتاط ڈرائیونگ کا ریکارڈ ٹوٹ گیا تھا۔

وہ بری طرح بدحواس ہوگیا۔ بھلا کوئی عقل کی بات تھی کہ اس نے اپنی ٹیکسی میں ایک مسافر کی جگہ ایک کتے کو بٹھا لیا تھا اور مسلسل کتے سے گفتگو کرتا چلا آ رہا تھا۔ اس پر دیوانگی سی طاری ہوگئی اور وہ پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچتا ہوا ٹیکسی سے اُترا۔

اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پوری قوت سے ٹام کے ایک لات رسید کی۔ ٹام کو مکمل طور پر اس بات کا یقین تھا کہ آخرکار یہ سفر کسی ایسے ہی حادثے پر ختم ہوگا۔ چنانچہ وہ کوئی احتیاط کئے بغیر ایک طرف روانہ ہوگیا اور اس کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی ہمدان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے ساتھ ہی وہ اپنی ٹیکسی کے زخم بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ لیکن ٹیکسی کی ٹوٹ پھوٹ سے زیادہ اسے اپنے شاندار ریکارڈ کے ٹوٹ جانے کا افسوس تھا۔

ابھی وہ اس واقعے کو صرف ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ اس کا ازلی دشمن پولیس انسپکٹر، حلیب اپنی پیٹرول کار سے اُتر کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

انسپکٹر حلیب کے چہرے پر پھیلی ہوئی عجیب وغریب مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ ایک طویل عرصے کے بعد ہمدان پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ہمدان اپنا رونا دھونا بھول کر اس حادثے کی وضاحت کرنے لگا۔

''آپ یقین کیجئے جناب.....! جب میں نے اس مسافر کے لئے اپنی ٹیکسی روکی، جس نے مجھے رُکنے کا اشارہ کیا تھا، تو میں نے یہ ہی سمجھا کہ وہ

مسافر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا ہے۔ آپ شاید اس بات کا یقین نہ کریں، اس کتے کے بچے کو میں نے چار بلاک دُور سے اپنی ٹیکسی میں سوار کرلیا تھا اور ایک انتہائی محتاط سفر طے کیا تھا۔''

''جس مسافر سے تمہیں ٹپ نہیں ملتی، تم اسے کتا ہی کہتے ہو ناں..... ؟ یہ تمہاری پرانی عادت ہے۔''

پیٹرول پولیس انسپکٹر حلیب نے پچھلی جیب سے چالان بک نکالی اور بولا۔

''اس کے بعد تم یہ ہی کہو گے کہ جس وقت تم نے گردن موڑ کر پچھلی سیٹ پر دیکھا تو وہ کتے کا بچہ تمہیں ٹپ دیئے بغیر فرار ہوگیا۔ یقینی طور پر اس نے تمہیں ٹیکسی کا کرایہ بھی نہیں دیا ہوگا..... کیوں.....؟ یہ ہی کہو گے نا.....!''

اس کے بعد ہمدان کے لئے کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر کے سر کو جھٹکے دینے لگا۔

❁ ❁ ❁

اینٹوں کو گھورنے لگا۔ پھر اچانک ہی اینٹوں کی پرواز تیز ہوگئی اور پیری کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، وہ ناقابل یقین تھا۔

سونے کی اینٹیں گویا کسی مشین گن کی نال سے باہر نکل رہی تھیں اور باہر جا رہی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب زریجہ اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ میوزیم کی طرف دوڑی آ رہی تھی۔ اور پھر وہاں سب نے وہ انوکھا منظر دیکھا۔ ان کے سروں پر سے پرواز کرنے والی اینٹیں کسی معمولی دھات کی نہیں بلکہ خالص سونے کی تھیں۔ یہ اینٹیں گویا کسی مشین گن سے اس ٹرک پر فائر کی جا رہی تھیں۔ وہ رُک گے اور اینٹوں کی یہ پروز دیکھنے لگے۔

اچانک ہی زریجہ کی مسرت بھری چیخ نے ان چاروں کو سکتے کی سی حالت سے باہر نکالا۔ زریجہ دہشت بھری آواز میں کہہ رہی تھی۔

”وہ اندر ہے......! خدا کی قسم......! وہ اندر ہے...... خدا کی قسم......! وہ اندر ہے...... میں ذہنی رابطے کے بغیر بھی اسے دیکھ سکتی ہوں۔“

وہ جواب کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھی اور میوزیم سے کتنے یہ فاصلے پر خاموش کھڑے مجمعے سے ایک بار پھر چیخوں کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ چیختے ہوئے لوگ لڑکی اور اس کے ساتھیوں کو میوزیم کے اندر گھستے دیکھ رہے تھے۔ میوزیم کے اندر اس وقت ایک عجیب سی سناٹے اور ملگجے اندھیرے کا راج تھا۔ پھر سب سے پہلے ان لڑکوں میں سے ایک کی نگاہ پیری پر پڑی اور اس کے منہ سے بے اختیار آواز نکلی۔

”ارے......! یہ بڑھیا یہاں کیا کر رہی ہے......؟“

پیری کے سیاہ ریشمی لباس، سیاہ دستانے اور سیاہ ہی جوتوں نے اس وقت اسے بڑا پُراسرار بنا دیا تھا۔ اس کے گورے رنگ پر اس وقت سونے کی

اتنی بڑی اور کامیابی ڈکیتی کے نشے نے سرخ رنگ پھیر دیا تھا۔ وہ دُنیا کی سب سے دولت مند خاتون بن جانے کے تصور سے حاکم بن گئی تھی۔

لڑکے کی آواز سنتے ہی وہ اس طرح پلٹی جیسے کسی ملک کی ملکہ رہی وہ اور کسی غلام نے اس کے سامنے اونچی آواز میں بات کر کے کوئی جرم کر دیا ہو۔ چاروں لڑکے میوزیم کے باہر کا تماشا دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ وہ سب اس بات سے واقف تھے کہ میوزیم کے اندر کوئی بہت ہی دہشت ناک خطرہ موجود ہے۔ اس لئے وہ بھی تھوڑے سے خوفزدہ تھے اور اب اس بڑھیا کو دیکھ کر انہیں یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یقیناً یہ بڑھیا کوئی خاص حیثیت رکھتی ہے۔

ادھر زریجہ کی آنکھیں میوزیم کے اندر کا منظر دیکھ کر حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اپنے بھائی ریحان کو شاباش دیتی۔ لیکن میوزیم کے اندر پھیلی ہوئی تباہی بتا رہی تھی کہ ریحان نے اپنی کس قدر مالیکولر انرجی خرچ کی ہوگی۔ دیواروں سے ٹکرا کر اُلٹی ہوئی فولادی ٹرالیاں سیکورٹی کنٹرول روم کی توڑ پھوڑ، سیکورٹی الارم کی گڑبڑ اور فولاد سے زیادہ مضبوط شیشوں کے جابجا بکھرے ہوئے ٹکڑے اس بات کی نشان دہی کر رہے تھے کہ ریحان نے اپنی مالیکولر انرجی کو لیورگن سے بھی زیادہ طاقتور کر کے ان کاموں کے لئے استعمال کیا ہوگا۔ اس وقت بھی میوزیم کے اندر ریحان کے دماغ کی نظر نہ آنے والی لہروں کا جال سا پھیلا ہوا تھا اور اس جال کو صرف اور صرف زریجہ کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

زریجہ نے ان لہروں کے سہارے لیڈی سیکورٹی گارڈ کو فضاء میں معلق دیکھا تھا۔ ان لہروں نے ہی کمپیوٹر سسٹم کو ناکارہ کیا تھا اور یہ لہریں ہی بجلی کے کرنٹ کے بہاؤ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اب سب سے پہلا عمل یہ

ان میں سے ایک نے تبصرہ کیا۔

''لے جاؤ اسے کچھ کھانے کو دو......!''

کتے کے سامنے دودھ رکھا گیا لیکن اس نے دودھ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک نے کتے کو بھگانے کی کوشش کی لیکن ٹائم زریجہ کے بستر پر چڑھ گیا۔

''کاش اس وقت زریجہ یہاں ہوتی تو وہ اس کتے کی سوچ کو پڑھ لیتی کہ یہ ہم سے کیا چاہتا ہے......؟''

ان میں سے ایک نے کتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

زریجہ کا نام سنتے ہی ٹام نے بستر پر اُچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ ان چاروں کو یہ احساس دلانا چاہتا ہو کہ یہ نام ہی اس کے لئے باعث اہمیت ہے اور پھر شاید یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ایک لڑکے نے سب سے پہلے یہ بات نوٹ کی۔

''ارے دیکھو......! اسے دیکھو......! کہیں اس کتے کو زریجہ نے تو نہیں بھیجا......؟''

ٹام اس سوال پر بھونکنا بند کر کے خاموشی کی زبان میں گویا اقرار کرنے لگا۔

''دیکھو...... دیکھو...... ذرا غور سے دیکھو......! عجیب سے انداز میں جیسے وہ واقعی ہمیں کچھ بتانا چاہتا ہو۔''

ٹام مسلسل اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ ان چاروں کو تھوڑی دیر کے بعد یقین آ گیا کہ کتا زریجہ کے ذکر پر بھونکنا بند کر کے بستر سے خود کو دروازے تک جاتا ہے اور پھر بستر پر آ کر اُچھل کود شروع کر دیتا ہے۔

''یارو......! میرا تو خیال اب یہ ہے کہ ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔ ضرور کتا ہمیں کچھ سمجھانا چاہتا ہے۔''

شیری جلدی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سب سے پہلے اس کتے کے پیچھے جانے کے لئے تیار تھا۔

ٹام کو اس کے علاوہ ہدایت ہی کیا تھی۔

زریجہ نے ذہنی طور سے اسے مکمل طور پر کنٹرول کیا ہوا تھا۔ اس کی ذہنی قوتیں اس کی بینائی کو جو احساس دلا رہی تھیں، ان میں ایک طرف وہ لوگ تھے، یعنی ڈاکٹر رچرڈ لیموس اور اس کا پیارا بھائی ریحان وغیرہ تو دوسری طرف وہ ٹام کو بھی اپنی نگاہوں میں رکھے ہوئے تھی۔

ٹام ایک دم سے آگے بڑھنے لگا اور وہ لوگ اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ وہ آگے آگے تھا اور لڑکے اس کے پیچھے پیچھے۔ راستے میں کچھ لوگوں نے ٹام کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ شاید وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ چاروں لڑکے ٹام کو تنگ کرنے کے لئے پکڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن صرف آدھے گھنٹے کی ریس میں ہی وہ چاروں ہانپ گئے۔

آہستہ آہستہ ان کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی اور وہ لوگ مایوسی کی باتیں بھی کرنے لگے تھے۔ ٹام کے لئے البتہ یہ خطرناک لمحہ تھا۔ لیکن اچانک ہی شیری نے گویا ان لوگوں میں ایک نئی اُمنگ پھونک دی۔ وہ بولا۔

''ارے......! یہ تو وہی جگہ ہے جہاں ہم نے کالی مرسڈیز کا تعاقب کیا تھا۔''

''ہاں......! بالکل وہی جگہ ہے۔''

اس کے ساتھ ہی چاروں کے چہروں پر سرخی پھیل گئی۔ ٹام ان

اس کے حلق سے ہذیانی سی چیخ نکلی۔

''زریچہ......! میری بہن......! زریچہ......!''

''یہ جو کوئی بھی ہے، تم یہاں سے نکلو......!''

پیری کی آواز ایک زخمی سانپ کی پھنکار ملی ہوئی تھی۔ ریحان کسی فرمانبردار غلام کی طرح اس کے پیچھے چلنے لگا۔ زریچہ کتنی ہی دیر تک ہکا بکا کھڑی رہی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ریحان نے اسے نہیں پہچانا، یہ تو کبھی ممکن ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے اس بوڑھی عورت کو دیکھا اور دل میں سوچا کہ یہ کون ہے جو ریحان سے اس کے بارے میں پوچھ رہی ہے۔ ان سوالوں کا جواب تو صرف ریحان ہی دے سکتا ہے۔ وہ ریحان کی جانب دوڑی۔

''ریحان......! میرے بھائی......! یہ میں ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ریحان کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے چاروں ساتھی جو اس کے پیچھے میوزیم سے نکل آئے تھے۔ حیرت سے بہن بھائی کے اس عجیب وغریب ملاپ کو دیکھ رہے تھے۔ زریچہ زار وقطار رو رہی تھی اور ریحان اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس وقت پیری تیزی تیز قدم اُٹھاتی ہوئی پارکنگ پلاٹ کی طرف بڑھ رہی تھی اور ریحان اس سے صرف ایک قدم پر تھا۔ اگرچہ پولیس کے سینکڑوں افراد نے اب میوزیم کی عمارت کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور یمنی پولیس کے چاق و چوبند آدمی اس حیرت انگیز ڈکیتی کے بارے میں ایک دوسرے سے معلوم کررہے تھے۔ اس لحاظ سے پیری کو یہ بھی خیال تھا کہ کہیں بات حد سے نہ بڑھ جائے۔ بظاہر اسے پولیس کی طرف سے کوئی فکر ہرگز نہیں تھی۔ لیکن اسے کچھ کچھ اندازہ ہورہا تھا کہ ریحان ہی کی طرح اس کی بہن بھی

کافی طاقتور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ریحان اس وقت بھی اس کے قبضے میں تھا اور یہ اُمید افزاء بات تھی کہ ریحان نے اپنی بہن کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔

پیری انہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اچانک ہی اس کی اس شاندار اور کامیاب ڈکیتی کا سارا نشہ ٹرک کی خستہ حالت دیکھ کر کافور ہوگیا۔ جیسے نشے میں بدمست شرابی کے منہ میں کسی نے لیموں نچوڑ دیا ہو۔ اس کا یہ فورٹ ٹرک اس وقت بڑی خستہ حالت میں تھا اور اس پر پڑے ہوئے اَن گنت ڈینٹ، ونڈو اسکرین اور کھڑکیوں کے ٹوٹے ہوئے شیشے سونے کے وزن سے ٹوٹ جانے والی کمانیاں اور پچکے ہوئے ٹائر اور ٹرک کے چاروں طرف بکھری ہوئی سونے کی اینٹیں، یہ سارا منظر دیکھ کر پیری دم بخود رہ گئی تھی۔

اس نے دانیال کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ لیکن دانیال کا بھی دُور دُور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ پیری کے پورے جسم نے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوڑ دیا۔ بمشکل تمام وہ دانیال کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوئی۔ دانیال ٹرک کے نیچے اس طرح گٹھڑی بنا ہوا لیٹا تھا جیسے اپنے آپ کو کسی کی یامار سے بچانے کی کوشش کررہا ہو۔

''بے وقوف......! گدھے......! یہ تم ٹرک کے نیچے گھسے ہوئے کیا کر رہے ہو......؟''

پیری نے دانیال کی ٹانگ پکڑ کر باہر گھسیٹنے کی کوشش کی اور دانیال کے منہ سے گالیوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔

''بے وقوف میں نہیں، تم سور کی اولاد......! کتیا کی بچی......!''

دانیال کے منہ سے یہ خوب صورت گالیاں سن کر پیری نے جلدی سے

آخر کار شیری نے زریچہ کا دیوانہ وار راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت وہ لیبارٹری کے اس حصے میں موجود تھے جہاں زریچہ نے آخری بار اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔

"آہ......! میرا بھائی......! میرا بھائی......!"

زریچہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ عمارت مکمل طور پر خالی ہے۔ زریچہ......! ہم اسے دیکھ چکے ہیں۔ تم یقیناً یہاں کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔"

شیری نے اسے نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔ اس کے لہجے میں سے اس محبت کا اظہار بخوبی ہو رہا تھا جو اس کے دل میں موجود تھی اور اس بات کے امکانات ان لمحات میں ضرور ہو سکتے تھے کہ زریچہ محبت بھرے اس لہجے کو محسوس کرے جب دونوں مطمئن اور مسرور ہوتے۔

عمر چاہے سو سال کے لئے سوگئی ہو یا ہزار سال کے لئے...... ہر دور کی اپنی ایک مانگ ہوتی ہے اور اس مانگ کی تکمیل کی آرزو بھی۔ لیکن زریچہ کو اس وقت اپنے بھائی کی تلاش تھی۔ اس کے دل میں محبت کا ایک ہی جذبہ موجزن تھا اور وہ تھا اس کا بھائی۔ جو نہ جانے کیسی کیسی مشکلات میں پھنسا ہوا تھا۔ زریچہ نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنے بھائی ریحان کو تلاش کرنے لگی۔

اس وقت وہ اپنی ٹیلی پیتھک پاور کو مکمل طور پر استعمال کر رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس کی سوئی سوئی آواز اُبھری۔

"میں ایک بہت بڑا گنبد دیکھ رہی ہوں۔ ریحان بھی اس گنبد کے اندر ہے۔ ہاں......! وہ ہے...... مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اسی گنبد کے نیچے موجود ہے۔"

زریچہ کو احساس ہوگیا تھا کہ کوئی بہت ہی غیر معمولی گڑبڑ ہے اور اس کے پاس اپنے بھائی کو روکنے کا یہ آخری موقع ہے۔ وہ حیرت میں پڑ کر اس سنہری موقع کے کتنے ہی قیمتی لمحات ضائع کر چکی ہے۔ اچانک ہی جیسے نیند سے بیدار ہو کر وہ اس گاڑی کی طرف دوڑی تھی۔ لیکن جو غلطی اس سے سرزد ہو چکی تھی، وہ ایک بھیانک غلطی تھی۔

گاڑی اسٹارٹ ہوگئی تھی اور اسٹیئرنگ ویل اس وقت دانیال کے ہاتھ میں تھا۔ دانیال نے قیمتی کار کو انتہائی خطرناک یوٹرن دیا تھا اور اب انہیں روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ پیری کے لبوں سے سکون کا ایک گہرا سانس خارج ہوا۔ لیکن زریچہ کے سوچنے کا انداز بالکل مختلف تھا۔ وہ ان تمام تر قوتوں سے کام لے کر اپنے بھائی کو روک سکتی تھی جو اس کے دادا نے سوسولا پہلے اس کے وجود میں سمو دی تھیں اور اس خیال کے تحت سو سال کی لمبی اور طویل نیند اختیار کی تھی کہ ان خوفناک قوتوں کے استعمال کا اس وقت کوئی موقع نہیں ہے۔ کیونکہ دُنیا سائنس کی کوششوں میں بہت پیچھے ہے اور وہ ان قوتوں کا کسی طور مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ جو وقت سے پہلے بہت ہی ذہین، بہت ہی اعلیٰ دماغ کے مالک اور اس دور کے سب سے بڑے سائنس دان احمد صلاغی کے ذہن میں پیدا ہو چکی تھیں۔ چنانچہ اس نے اپنی ذہنی قوت سے کام لیا اور اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ پھیلنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی کار کے ٹائروں کو بریک لگ گئے۔

دانیال نے ایک نظر اپنے پیروں کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر کوشش کی۔ اس نے ایک جھٹکے سے کلچ چھوڑ کر دوسرے پیر سے ایکسی لیٹر پر دباؤ بڑھایا۔ گاڑی نے جھٹکا لیا مگر ایک انچ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ دانیال نے انجن بند کر کے دوبارہ اسٹارٹ کیا اور ایک اور کوشش کی مگر اب گاڑی اپنی جگہ سے

چند انچ سے زیادہ نہ کھسک سکی تو دانیال کی آنکھیں خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ اب وہ خود کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت ڈاکٹر لیموس چیخا۔

"کتے کے بچے......! کیا مصیبت نازل ہوگئی تجھ پر......؟ گاڑی چلا......!"

"مجھے نہیں معلوم کہ گاڑی کے ساتھ کیا گڑبڑ ہے......؟ گاڑی کا انجن صحیح کام کر رہا ہے۔ پہیئے بھی گھوم رہے ہیں لیکن......"

دانیال نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

یہ بہت خود ڈاکٹر لیموس نے بھی محسوس کی تھی۔ انجن کی آواز سے وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ اس میں کسی قسم کی میکینکل پرابلم ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اس کا ذہن تیزی اس سوال کا جواب ڈھونڈنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے اس سوال کا جواب پیری کی نظر نے ڈھونڈ لیا تھا۔ اس نے گھبرا کر کھڑی سے گردن باہر نکالی اور اس لڑکی کو دیکھنے لگی جو پوری آنکھیں کھولے ہوئے ان کی کار کو گھور رہی تھی۔ پھر اس نے ریحان کا چہرہ دیکھا لیکن ریحان کا چہرہ اس وقت بھی جذبات سے عاری تھا۔

"میں تمہیں بتا رہی ہو ڈاکٹر......! وہ لڑکی گڑبڑ کر رہی ہے۔"

پیری کی چیخ سن کر ڈاکٹر لیموس نے بھی سر نکال کر اس لڑکی کی طرف دیکھا اور بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ پھر اس کا ایک ہاتھ ہونٹوں کے پاس گیا اور اب وہ مائنڈ کنٹرول یونٹ پر ریحان سے مخاطب تھا۔

"ریحان......! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس کار پر سے اپنی بہن کی مداخلت کو ختم کر دو......!"

ریحان نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ لیکن لیموس کے حکم کی

فوراً ہی تعمیل ہوئی تھی۔ کار کئی گز تک گویا ہوا میں اُڑتی ہوئی گئی تھی۔ اس طرح کہ جیسے خلائی جہاز ایک جھٹکے سے اپنے دوسرے حصے سے الگ ہوتا ہے۔

دانیال نے ایکسی لیٹر سے پیر ہٹا کر گاڑی کی اسپیڈ کو کم کرنے کی کوشش کی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس نے بریک بھی دبایا تھا۔ لیکن بریک فیل ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی دانیال کے منہ سے پھٹی پھٹی آواز نکلی۔

لیکن لیموس پر اس کی چیخ کا کوئی ردِّعمل نہیں ہوا تھا۔ پیری بھی کار کی اس برق رفتاری پر چونکی تھی۔ جھٹکا لگنے سے اس کا سر پہلے چھت اور پھر ڈش بورڈ سے ٹکرایا۔ لیکن لیموس کو مطمئن دیکھ کر وہ بھی سنبھل کر بیٹھ گئی۔ میوزیم کے اطراف میں کھڑی ہوئی پولیس اور سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے کار کی پرواز کا منظر دیکھا تھا۔ یہ کار پولیس کاروں کا گھیرا توڑے بغیر ہی فضاء میں پرواز کرتی ہوئی باہر جا چکی تھی اور پھر اس نے بڑی شاندار لینڈنگ کرتے ہوئے سڑک پر ریس لگا دی۔

اس کی رفتار کو دیکھتے ہوئے کسی پولیس وین پیٹرول یا کار نے اس کا تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ادھر زریچہ نے مسرت اور آنسو بھری آنکھوں سے کار کی پرواز کا منظر دیکھا اور دل تھام کر رہ گئی۔ ایک لمحے پہلے اگر اس صورتِ حال کا اندازہ ہوتا تو وہ کار کو روک سکتی تھی۔ لیکن اب اس کار کو روکنا بھی ناممکن تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اب گاڑی کا کنٹرول ریحان کے قبضے میں ہے لیکن اسی وقت اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر شاید قدرت کو ترس آگیا۔ اس نے اس منی بس کو دیکھا جو اس کے قریب آ کر رُک گئی تھی اور اس میں سے کسی نے سر نکال کر شیری کو مخاطب کیا تھا۔

"اوہو......! تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو......؟ اور یہ سب کچھ یہاں

کیا ہورہا ہے......؟''

''جلدی......! جلدی......! میری جان......! جلدی......!''

شیری نے منی بس کے ڈرائیور سے کہا جو یقینی طور پر اس کا بہت ہی اچھا جاننے والا تھا اور پر وہ زریجہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''آؤ......! جلدی آؤ......!''

وہ پانچوں منی بس کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے اور شیری نے کہا۔

''اگر تم نے ابھی چند لمحے قبل جو ایک کار کی پرواز دیکھی ہے، تمہیں اس کا پیچھا کرنا ہے۔ اس کے اندر میرا بھائی ہے۔ پلیز......! اسے پکڑو......! کیا تم اس کار کو پکڑ لو گے......؟''

لیکن منی بس کا ڈرائیور بھی شاید کوئی سر پھرا انسان تھا۔ اس نے جس طرح منی بس کو ٹرن دے کر موڑا تھا، وہ انتہائی خطرناک تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایکسی لیٹر پر دباؤ ڈالا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جنون میں مبتلا ہو گیا ہو۔ لیکن یہ جنون سائنسی جنون تھا۔ سائنس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ کیونکہ اس وقت بھی زریجہ نے بس کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

البتہ بس کے کنٹرول کو ڈرائیور اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

''ارے ارے......! یہ کیا ہو رہا ہے......؟ کیا ہو رہا ہے یہ......؟''

اس نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا لئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھنے لگا۔ کار کی رفتار کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ سب ایسے تصور کر رہے تھے کہ جیسے وہ کسی ایسے جیٹ طیارے میں سفر کر رہے ہوں جس کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے ہوئے ہوں۔ ڈرائیور سکتے کے سے عالم میں بیٹھا رہا۔

اردگرد کے مناظر تبدیل ہو رہے تھے۔ اس نے بار بار منی بس کی رفتار کنٹرول کرنا چاہی تھی۔ لیکن کوئی صورتِ حال سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ادھر زریجہ کسی قیمت پر بھی اس گاڑی کو نظروں سے اوجھل ہونے دینا نہیں چاہتی تھی۔ آگے جانے والی کار ان سے چند سو گز آگے تھی۔ مگر تیسری سڑک پر پہنچنے کے لئے زریجہ کو کئی میل کا سفر طے کرنا تھا۔

پھر اس نے ایک خطرناک فیصلہ کرتے ہوئے منی بس کو فٹ پاتھ پر چڑھا دیا اور دوسری سڑک پر پہنچا دیا۔ لیکن اندر بیٹھے ہوئے کسی بھی شخص کو یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ فٹ پاتھ عبور کرتے ہوئے منی بس نے سڑک چھوڑ دی تھی۔

ڈرائیور کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ دوسری سڑک پر کب اور کیسے پہنچ گیا......؟ اس نے اپنی حیرانی دُور کرنے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھا اور اسی دوران اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ دوسری سڑک پر آ گیا ہے۔ اور آگے جانے والی کار صرف چند گز کے فاصلے پر رہ گئی ہے۔

''میرے خدا......! میرے خدا......! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے......؟''

اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ ادھر کار میں کنٹرول اس وقت بھی ریحان کے پاس تھا۔ اس کی مشینی آواز اُبھری۔

''ایک منی بس ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔''

ڈاکٹر لیموس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ منی بس واقعی ان کے بالکل پیچھے آ رہی تھی اور ڈرائیور کے برابر جو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی، اسے پہچاننے میں ڈاکٹر لیموس نے دیر نہیں لگائی۔

''ریحان......!''

ڈاکٹر لیموس کنٹرول یونٹ پر مخاطب ہوا۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ منی بس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرو۔ یہ ہمارا پیچھا نہ کرنے پائے۔''

لیموس کا جملہ مکمل ہوتے ہی اس کی کار اسی سپیڈ پر ایک ذیلی سڑک پر مُڑ گئی۔ جس رفتار سے اس کار نے موڑ کاٹا تھا، اس رفتار پر منی بس کے موڑنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے انتہائی چابک دستی سے اسی رفتار سے موڑ کاٹا تھا اور ڈرائیور زریجہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ جواب میں زریجہ مسکرائی۔

دوسرا خطرناک موڑ کاٹتے ہوئے اس نے اس بات کی بھی پرواہ نہیں کی کہ سامنے سے آنے والی مرسڈیز اگر اس سے ٹکرا گئی تو کیا ہوگا......؟

زریجہ بدستور مسکرا رہی تھی۔ لیکن پیچھے مرسڈیز کو قلابازیاں کھاتے دیکھ کر انہیں افسوس ہوا تھا۔ پھر اچانک ہی انہوں نے اپنے سامنے ایک اسکریپر عمارت کے گرد بنی ہوئی لوہے کی باڑ جو عمارت پر پلستر اور رنگ و روغن کی غرض سے باندھی جاتی ہے، دیکھی۔ کسی اَن دیکھی طاقت نے اچانک ہی اسکریپر منی بس پر اُلٹ دی۔

ڈرائیور نے ایک بار پھر پوری قوت سے بریک لگائے تھے۔ لیکن رفتار زیادہ ہونے کی وجہ سے منی بس عین اسی جگہ جا کر رُکی جہاں موت ان کا مقدر تھی۔ فولادی بانہوں کی باڑھ آہستہ آہستہ زمین کی طرف آ رہی تھی۔

کسی بھی لمحے کچھ ہو سکتا تھا۔ منی بس کی پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے لڑکوں نے خود کو اس خوف ناک حادثے سے بچانے کے لئے سیٹوں میں سر چھپا لئے تھے۔ لیکن جس برق رفتاری سے ڈرائیور نے بریک لگائے تھے، اسی

برق رفتاری سے اس نے دوسرا فیصلہ کیا اور ایکسی لیٹر پر پورا دباؤ ڈال کر ایک جھٹکے سے کلچ چھوڑ دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ فولادی باڑھ کی حدود سے باہر تھا۔ اس کی اس خوداعتمادی اور مہارت کو دیکھتے ہوئے زریجہ نے مداخلت ختم کر کے منی بس کا کنٹرول ڈرائیور کے سپرد کر دیا۔

اب ڈرائیور کسی فلمی ہیرو کی طرح کار سے ریسیں لگا رہا تھا۔ اس کی ہیجانی کیفیت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ کئی بار منی بس اس کے کنٹرول سے باہر ہوئی اور کئی مرتبہ فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔ موڑ کاٹتے ہوئے تو وہ منی بس کو دو پہیوں پر کھڑا کر دیتا اور ٹائروں کی چرچراہٹوں کی آوازیں اندر بیٹھے ہوئے لڑکوں کا خون خشک کر دیتیں۔ وہ چیخ مارتے اور اپنی اگلی چیخ کو گلے میں ہی گھونٹ لیتے تھے۔ ڈرائیو عجیب جنوں کی کسی کیفیت کا شکار تھا۔ پھر جو کچھ ہوا اچانک ہی ہوا تھا۔

منی بس اس وقت اپنے اسپیڈ میٹر کی آخری حدود میں تھی کہ سیمنٹ کی بوریوں سے لدا ہوا ایک ٹرک سیمنٹ فیکٹری سے ریورس کرتا ہوا عین سڑک کے درمیان آ کر رُک گیا۔ ڈرائیور اس مرتبہ بھی اپنا کمال دکھانے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ لیکن ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ خالی دیکھ کر اس نے عجیب سے انداز میں گال پھلا لئے۔

ادھر زریجہ ایسے کسی حادثے سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔ ڈرائیور کا منہ دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ اس کی خود اعتمادی کو حیرانی نے نگل لیا ہے۔ ڈرائیور نے پوری قوت سے بریک لگایا تھا۔ لیکن شاید بریک فیل ہو گیا تھا۔

پھر کسی ان دیکھے ہاتھوں نے اسٹیئرنگ کو اس قدر تیزی سے گھمایا کہ ایک ڈرائیور نے ایک بار پھر ڈر کر اپنے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے اُٹھا لئے۔ وہ سب زندہ سلامت تھے مگر منی بس کا کباڑہ ہوگیا تھا۔ اگر اس کی رفتار بہت زیادہ نہ ہوتی تو وہ ٹرک اور فیکٹری کی دیوار کے درمیان پھنس کر رہ جاتی۔

ڈرائیور نے رو دینے والے انداز میں سائیڈوں پر پڑنے والی رگڑ کو دیکھا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ پتہ نہیں کیا کہہ رہا تھا.....؟ اتنے بڑے حادثے سے بچ جانا ایک معجزہ ہی تھا کہ اچانک ان سب کی چیخیں بلند ہوئیں۔

ایک بہت بڑی سکول بس سڑک کے عین درمیان میں اس طرح لہراتی ہوئی چل رہی تھی گویا اس کا ڈرائیور منی بس کے پرخچے اُڑا دینا چاہتا ہو۔

اس مرتبہ ریحان نے منی بس کے راستے میں واقعی ایک خطرناک رکاوٹ کھڑی کی تھی۔ ادھر ڈرائیور کے حلق سے خوف ناک چیخ برآمد ہوئی تھی۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کی موت اور زندگی کے درمیان صرف چند لمحوں ہی کا فاصلہ ہے۔ اس کا پورا جسم اس سیٹ پر اکڑتے اکڑتے پورا دوہرا ہوگیا۔ وہ کسی بھی خوف ناک دھماکے کی توقع کر رہا تھا۔ مگر پورے دو سیکنڈ گزر گئے، کوئی دھماکہ نہیں ہوا۔ پھر تیسرا سیکنڈ اور پھر جب چوتھا اور پانچواں سیکنڈ بھی گزر گیا تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ اسکول بس غائب ہوگئی ہے۔ اس کو زمین نے نگل لیا تھا یا آسمان کھا گیا تھا.....؟

بس سڑک پر نہیں تھی۔ نہ آگے نہ پیچھے۔ جس پر اس نے بے اختیار آسمان کی طرف دیکھا اور جو کچھ دیکھا اس نے صحیح معنوں میں اس پر دیوانگی طاری کردی۔ بس فضاء میں موجود تھی۔ ایک اُڑنے والی سکول بس کا تصور یہ اتنا

مضحکہ خیز تھا کہ کوئی بھی اس پر یقین نہیں کرسکتا تھا۔ ڈرائیور بھی اس منظر کو اپنی نگاہوں کا فریب سمجھتا رہا۔

پھر اس نے آہستہ آہستہ سکول بس کو زمین کی طرف اُترتے ہوئے دیکھا۔ بس اب اس طرح چل رہی تھی جیسے کوئی خاص بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پچھلے حصے میں بیٹھے ہوئے چاروں لڑکوں نے تو بولنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ سب اس انداز میں ایک دوسرے سے مخاطب تھے کہ ہنسی آتی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اس وقت ہم ایک پری کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ یہ پری ضرور پرستان سے نیچے آگئی ہے اور پریشان ہے۔

ابھی ہی خوف ناک ریسیں جاری تھیں کہ کار کسی خوفزدہ بلی کی طرح دائیں بائیں دوڑنے لگی۔ منی بس غراتے ہوئے اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ ڈاکٹر رچہ لیموس کا ذہن تیزی سے اس صورتِ حال سے نکلنے کے لئے ترکیب سوچ رہا تھا۔ اسے اس بات کا اچھی طرح انداز ہوگیا تھا کہ اس لڑکے کی بہن اس سے زیادہ باصلاحیت، زیادہ ہوشیار اور زیادہ قوتوں کی مالک ہے۔ کار اب شہر کے روٹ سے باہر نکل آئی تھی اور اپنی اسپیڈ کے آخری حدود پر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ خراٹے بھر رہی تھی۔

ڈاکٹر رچہ نے دُور سے آتی ہوئی دیوہیکل ٹرین کو دیکھا اور اس کے شاطر ذہن میں ایک خوف ناک خیال نے جنم لیا۔ گاڑی کا کنٹرول اس وقت دانیال کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دانیال کو تفصیل سمجھانے لگا۔

''تم نے اس وقت گاڑی پھاٹک والی سڑک پر موڑنی ہے اور ریلوے لائن کو اس وقت کراس کرنا ہے جب پیچھے آنے والی منی بس کے پاس اتنا وقت نہ رہے کہ وہ ہمارے پیچھے آسکیں۔''

دانیال نے تائید میں اس طرح سر ہلایا جیسے ڈاکٹر کے پورے منصوبے سے واقف ہو۔ جوں جوں کار کراسنگ کے قریب ہو رہی تھی، وہیل کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ انتہائی خطرناک صورتِ حال تھی۔ اگر دانیال سے معمولی غفلت بھی ہو جاتی تو دیوہیکل ٹرین کی معمولی سی ٹکر بھی کار کو ٹین کے ڈبے میں تبدیل کر کے رکھ دیتی۔

دانیال اس وقت پوری طرح محتاط تھا۔ لیکن عین وقت پر موت کا خوف اس پر غالب آگیا اور اس نے پوری قوت سے بریک دبا دیئے۔ ڈاکٹر اس خطرناک لمحے کا منتظر تھا۔ وہ صرف ایک لمحے پہلے کار کا کنٹرول ریحان کے سپرد کر چکا تھا۔ کار دوسری طرف صحیح سلامت پہنچ گئی اور ڈاکٹر رچر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے یقین تھا کہ منی بس کے ڈرائیور کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ حفاظتی تدبیر سوچ سکے۔

منی بس پوری رفتار سے کراسنگ کے قریب پہنچی۔ ڈرائیور ٹرین کو بھی دیکھ چکا تھا۔ کار کی بریک لائٹ کو جلتا ہوا دیکھ کر اس نے بریک لگائے لیکن ریل کے عین کراسنگ کے قریب پہنچتے ہی کار گویا اُڑتے ہوئے دوسری طرف پہنچ گئی۔ لیکن ڈرائیور نے بریک لگا دینے کی غلطی کی اور اب منی بس کے لئے ایک خطرناک صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔

رچر کو منی بس کے ڈرائیور سے جس غلطی کی توقع تھی، وہ ڈرائیور وہی غلطی کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی رچر کو زریجہ سے بھی ایک غلطی کی توقع تھی۔ پھر زریجہ سے بھی وہ غلطی سرزد ہوگئی۔

منی بس بریک لگانے کی وجہ سے کسی بھی لمحے گھومتی ہوئی ٹرین سے ٹکرانے والی تھی۔ ڈرائیور نے آنکھیں بند کر لیں اور زندگی اور موت کے

درمیان حائل لمحوں کی گنتی کرنے لگا۔

ادھر زریجہ سے واقعی بھیانک غلطی ہو چکی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ منی بس بھی کار کے پیچھے کراسنگ سے گزر جائے گی لیکن ڈرائیور نے عین وقت پر بریک لگا کر صورتِ حال کو انتہائی خوف ناک بنا دیا تھا۔ فطری طور پر اس نے اپنی قوت ٹرین پر ہی صرف کی تھی اور یہ ہی زریجہ کی غلطی تھی۔ اس کی بے انتہاء قوت خرچ کرنے کے باوجود بھی وہ ٹرین کو ہٹانے میں ناکام ہوگئی۔

پھر اچانک ہی اس نے اپنی تمام تر قوت کو منی بس پر صرف کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے منی بس کسی ہیلی کاپٹر کی طرح گھومتی ہوئی فضاء میں بلند ہوگئی۔ زریجہ کی یہ قوت یقیناً منی بس کے وزن سے پچاس گنا زیادہ تھی۔ ڈرائیور جو زندگی اور موت کے درمیان حائل لمحوں کو گن رہا تھا، ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ پیچھے سے لڑکوں کی آوازیں اُبھری تھیں۔

''ارے واہ......! ہم تو اُڑ رہے ہیں۔ یمن کی تاریخ میں اس طرح کے ناقابل یقین واقعات کبھی نہیں پیش آئے تھے۔''

یہ دو ہزار دس تھا دو ہزار دس کا درمیانی حصہ جبکہ سائنس نے خلاء، سیاروں اور نہ جانے کون کون سی چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ مناظر ابھی زمین تک اس انداز میں نہیں پہنچے تھے جو اس وقت پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن بہت کم لوگ ان مناظر سے آشنا ہوئے تھے۔

میوزیم میں ہونے والا واقعہ پہلا واقعہ تھا۔ جو اس انداز میں پیش آ رہا تھا۔

''یہ لڑکی اپنے بھائی سے زیادہ چالاک ہے۔''

پیری جو اب تک سانس روکے خاموش بیٹھی تھی، منی بس کو ہموار

لینڈنگ کرتے دیکھ کر بولی۔

"آہ......! یہ لڑکی تو ہمارے ٹھکانے تک پہنچ جائے گی۔"

وہ پھر بولی۔

رچرڈ لیموس کو یوں لگا جیسے پیری نے اسے گالی دی ہو۔ وہ پہلے ہی زریجہ کے ہاتھوں لگاتار شکستوں سے تلملا رہا تھا۔

"تو اپنی چونچ بند نہیں رکھے گی بڑھیا......! بار بار میری سوچوں میں مداخلت کرتی ہے۔ سب کچھ تیری وجہ سے تو ہوا ہے۔"

اس نے شدید غصے سے کہا اور ایک خطرناک منصوبہ بندی کرنے لگا۔

اس وقت یہ کار پیری ہاؤس جانے والے پہاڑی راستے پر تھی۔ اس کے بلندی پر پہنچتے ہی اس نے دانیال کو گاڑی روکنے کا حکم دیا اور خوف ناک لہجے میں ریحان سے مخاطب ہوا۔

"ریحان......! منی بس اب بھی ہمارے تعاقب میں ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جیسے ہی وہ اس راستے پر پہنچے، تم سورج کی روشنی کو گاڑی کے شیشوں سے اس زاویے سے منعکس کرو کہ بس کا ڈرائیور اندھا ہو جائے۔"

ڈاکٹر کے خاموش ہوتے ہی کار ایک مخصوص زاویے سے مڑ گئی۔ منی بس کی رفتار اس وقت بھی ناقابل یقین حد تک تیز تھی۔ پھر جیسے ہی منی بس کے ڈرائیور نے پہاڑی راستے پر چڑھائی، پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے چاروں لڑکوں نے بھی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ خود زریجہ بھی ایک لمحے کے لئے بدحواس ہوگئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے سورج کو منی بس کی ونڈ اسکرین سے ٹکرا دیا ہو۔

منی بس سڑک کے کنارے لگی ہوئی ریلنگ کو توڑتی ہوئی دوسری

طرف جا رہی تھی اور ڈرائیور کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ ابھی کچھ لمحوں کے بعد ویگن کی رفتار اسے کسی ہموار چٹان پر پٹخے گی اور وہ ہموار چٹان پر سے قلابازیاں کھاتی ہوئی سینکڑوں فٹ نیچے دوسری سڑک پر جا گرے گی۔

اس مرتبہ اس کے برابر بیٹھی ہوئی حیرت انگیز لڑکی بھی ان سب کو مرنے سے نہیں بچا سکے گی۔ منی بس نے ریلنگ توڑتے ہی ہوا میں قلابازی کھائی تھی۔ لیکن عمودی چٹان پر اس کے چاروں پہیے ہی جا کر ٹکرائے تھے اور ڈرائیور نے نہایت ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بریک لگا دیا تھا۔ مگر زمین کی بے پناہ قوتِ کشش منی بس کو اپنی جانب گھسیٹ رہی تھی۔

بریک لگے رہنے کے باوجود منی بس آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سب سے پہلے ڈرائیور نے منی بس سے کود کر جان بچائی تھی اور اس کی دیکھا دیکھی چاروں لڑکے بھی کود گئے تھے۔ ان پانچوں کو محفوظ دیکھا کر زریجہ نے بھی اپنی توانائی ضائع کرنا مناسب خیال نہیں کیا اور اُڑتی ہوئی منی بس سے باہر نکل آئی۔

منی بس چند لمحوں تک چٹان کے عمودی کناروں پر گھومتی رہی۔ لمحہ لمحہ وہ آگے کی طرف کھسک رہی تھی۔ وہ آدمی چٹان پر تھی اور آدھا وزن فضاء میں جھول رہا تھا۔

آخر کار اس نے ایک ہچکولا کھایا اور فضاء میں پرواز کرنے لگی۔

لیکن اس مرتبہ منی بس کی پرواز بغیر کسی کنٹرول کے تھی۔

جیسے کسی ہوائی جہاز کا انجن ناکارہ ہو جائے اور وہ قلابازیاں کھاتا ہوا زمین سے جا ٹکرائے۔ منی بس کے سینکڑوں فٹ نیچے سڑک پر گرنے کے دھماکے کی آواز اتنی تیز نہیں تھی، جتنی ڈرائیور کی چیخ کی۔ شاید ڈرائیور کو اس منی

بس کے نقصان کا شدید صدمہ تھا۔

''یہ ایک ہی گھنٹے میں کیا سے کیا ہوگیا......؟''

وہ خود تو ایک غریب آدمی تھا۔ بس ان سڑکوں سے شناسائی اسے لے ڈوبی تھی۔ کاش اس احمق لڑکے سے اس کی کبھی ملاقات ہوئی نہ ہوتی۔ وہ چند لمحے تک صدمے سے بے حال ہوکر سسکتا رہا۔

آخر کار آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں ختم ہوگئیں۔ اس نے دل کو سمجھا کہ منی بس کا نقصان تو خیر وہ زندگی نہیں بھر سکتا، اب جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ وہ ابھی کھڑا ہو ہی تھا کہ ایک بار پھر اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ چاروں لڑکے اور وہ لڑکی اچانک غائب ہوگئے تھے اور دُور دُور تک ان کا نام نشان نہیں تھا۔

''ارے......! یہ کیا ہوا......؟ یہ کہاں جا کر مر گئے......؟ اب تو یہ ہی کہوں گا کہ خدا انہیں غارت کرے......آہ...... کاش...... میں اس منی بس کے ساتھ نیچے جا گرتا اور مستقبل کا ہر خوف ختم ہو جاتا۔''

وہ اپنی جگہ بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

❀❀❀

کمرے کا واحد لیمپ زریجہ نے ان چاروں کے جانے کے بعد گل کر دیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ کر دن بھر میں پیش آنے والے واقعات کا تجزیہ کرتی رہی تھی۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ اس کا بھائی ریحان خطرناک لوگوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ میوزیم میں کی جانے والی ڈکیتی تو صرف ابتداء تھی جو زریجہ کی بروقت مداخلت سے ناکام ہوگئی تھی۔ یقیناً ان لوگوں نے ریحان کی یادداشت بھی صاف کر دی تھی۔

زریجہ کو وہ لمحات بھی یاد تھے جب ریحان اسے شناخت بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ مختلف پہلوؤں پر غور کر رہی تھی۔ اُصولی طور پر تو اسے اب ہر قیمت پر اپنے دادا ابو احمد صلاغی سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا لیکن یہ ایک ٹھوس معاہدہ تھا۔ بلکہ احمد صلاغی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اب جو وہ ان دونوں کو روانہ کر رہا

ہے، وہ اس کی زندگی میں سائنسی حدود کا سنگ میل ہے اور انہوں نے ایک لمحہ بھی کسی بات کی وعدہ خلافی کی تو وہ قیامت تک کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور دوبارہ کبھی نہیں مل سکیں گے۔

اس نے پوتے اور پوتی کو بٹھا کر یہ بات کہہ دی تھی کہ سو سال بعد کی سائنسی دُنیا کو شناخت کرنے میں، واقعات چاہے کسی بھی شکل میں پیش آئیں، کچھ خاص اُصولوں کی ضرورت ہے اور ان میں سے ایک اُصول یہ ہے کہ وہ دونوں جس مہم پر بھی نکلیں، اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اس کی تکمیل کریں۔ بدترین حالات میں بھی یہ نہ سوچیں کہ انہیں دادا ابو سے رابطہ قائم کرنا ہے۔

چنانچہ اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان واقعات سے احمد صلاغی کو آگاہ کیا جائے تو پھر بات وہی ریحان کی آجاتی ہے۔

''کیا اسے نشہ آور ادویات دی گئی تھیں......؟ وہ کیا چیز تھی جس پر بوڑھی عورت ریحان کو مخاطب کر رہی تھی......؟ کیا وہی چیز ریحان کی ذہنی تبدیلی کی ذمہ دار تھی......؟''

اس کے ذہن میں بہت سے سوالات تھے لیکن وہ کوشش کے باوجود اپنے کسی سوال کا جواب تلاش نہیں کر پا رہی تھی۔ ان سوالوں کے جواب تو صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو ریحان کے ساتھ تھے۔ زریجہ نے کوشش تو کی تھی کہ ان کے ٹھکانوں تک پہنچ جائے۔ اب اندھیروں میں خود کو تھکانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اب تو صرف ایک ہی صورت تھی کہ اس کے یہ چاروں دوست کل صبح تک اس کار کے مالک کا نام و پتہ رجسٹریشن آفس سے ڈھونڈ نکالیں۔

اس وقت وہ خود کو بے پناہ تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ آج اس نے

بے انتہاء انرجی خرچ کی تھی۔ جسمانی بھی اور ذہنی بھی۔

''اب مجھے سو جانا چاہئے۔ کل صبح کی اُمید پر۔''

اس نے کہا اور خود کو سونے کی ہدایت کرتے ہوئے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ ابھی اس کا ذہن پوری طرح نیند میں نہیں ڈوبا تھا کہ اس کے جسم نے ایک شدید جھٹکا لیا۔ جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ دوسرے جھٹکے کو محسوس کرتے ہی وہ بجلی کی سی پھرتی سے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں......؟''

اس نے خود سے سوال کیا۔

لیکن وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ کوئی اس کا نام لے کر اسے پکار رہا تھا۔

''زریجہ......! زریجہ......! زریجہ......!''

اب یہ پکار مسلسل سنائی دینے لگی تھی۔ آواز کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی اسے مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ وہ بستر سے اُچھل کر نیچے اُتری اور دونوں ہاتھوں سے کانوں کو سختی سے بند کر لیا۔ ایسا کرنے سے اسے پکارنے والے کا سلسلہ وقتی طور پر بند ہوتا محسوس ہوا۔

''مجھے ایک گلاس دُودھ پی لینا چاہئے۔ شاید اس سے میرے اعصاب کو سکون مل جائے اور مجھے نیند آ جائے۔''

وہ اندھیرے میں چلتی ہوئی میز تک گئی اور دُودھ کا گلاس اُٹھا کر جو وہاں موجود تھا، پینے لگی۔ ابھی اس نے پہلا ہی گھونٹ لیا تھا کہ وہی آواز اس کی سماعت سے دوبارہ ٹکرائی۔

''زریجہ......! زریجہ......!''

اس وقت وہ نیند میں ہرگز نہیں تھی۔ اس مرتبہ تو یہ آواز ذہن کے پردے پر جیسے ریوالور کی گولی کی طرح جا کر ٹکرائی تھی۔ دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ اب کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں تھی۔ یہ آواز سو فیصدی اس کے بھائی ریحان کی تھی جو ہوا کے دوش پر آ رہی تھی۔

ان لوگوں کے ذہنی رابطے جو وائرلیس تھے اور ویوز کے ذریعے ایک دوسرے تک پہنچ رہے تھے، یقیناً ریحان اس سے ذہنی رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔ زریجہ اسی حالت میں فرش پر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر کے آواز کو زیادہ واضح سننے کے لئے ذہنی یکسوئی کرنے لگی۔ اب وہ معمولی سے معمولی آواز بھی سن سکتی تھی۔ صرف تین سیکنڈ کے بعد اس کے ذہن نے ریحان کا پیغام وصول کیا۔

”زریجہ......! میں یہاں ہوں۔ تم میری آواز کی لہروں کو محسوس کرتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلی آؤ......!“

زریجہ بے اختیار ہوگئی۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اس کا بھائی اسے پکار رہا تھا۔ ٹیلی پیتھک سگنل کے سہارے وہ پہلے بھی اس قسم کے کھیل کھیلتے رہے تھے۔ وہ تین تین، چار چار سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اس عمارت سے باہر نکلی تھی، جہاں اس کا قیام تھا۔ اس کے لئے یہ ہر طرح کا بندوبست اس کے یہ چاروں دوست کر رہے تھے۔ جنہیں قدرت نے اس کے لئے نرم کر دیا تھا۔ نہ جانے انہوں نے اس سے کیا رشتے قائم کئے تھے......؟ لیکن یہ رشتے بڑے مضبوط تھے۔ ان چاروں نے جیسے اپنے آپ کو اس کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

چاند اس وقت جیسے کسی روشن غبارے کی طرح زمین پر اُتر آیا تھا۔

آس پاس کی تمام عمارتیں چاندنی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ سرسراتی ہوئی ہوا اور پُراسرار سے سناٹے نے زریجہ کے بال اس کے چہرے پر بکھرا کر اس کا استقبال کیا۔

اس وقت ماحول کی کیفیت کو لفظوں میں بیان کرنا بڑا مشکل تھا۔ اگر زریجہ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اپنے قدموں کی آواز سن کر ہی ڈر جاتا۔ لیکن زریجہ ان سب باتوں سے بے نیاز تھی۔ اس نے دوڑتے دوڑتے ایک جگہ رُک کر اپنے کانوں پر بکھر آنے والی زُلفوں کو ہٹا کر ریحان کی آواز سنی اور اپنے دائیں ہاتھ مُڑ کر دوڑتی چلی گئی۔ اس کے بعد اسے گویا کسی راہنمائی کی ضرورت ہی نہ رہی ہو۔ وہ پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی، اُڑتی ہوئی اور ہوا میں تیرتی ہوئی شہر سے باہر جانے والے راستے پر بھاگ رہی تھی۔

دو مرتبہ سردی اور ٹھٹھرتے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے ریڈیائی لہروں کا سلسلہ منقطع ہوا۔ لیکن اس کی دُور بین نگاہوں نے جلد ہی اس راستے کو تلاش کر لیا۔ شہر کی سڑکوں سے ناواقفیت کی بنا پر کئی مرتبہ وہ غلط راستوں پر مُڑی لیکن ایسے میں ریحان کی آواز اس کی راہنمائی کرتی رہی۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد وہ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر تھی۔ مزید کچھ دیر بعد وہ پہاڑی پر بنے ہوئے ایک قلعہ نما مکان جو سرمئی پہاڑی کے پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا، کے سامنے تھی۔

اس نے رُک کر اطراف کا جائزہ لیا۔ سفر یہاں پر ختم ہوگیا تھا اور سو فیصدی ریحان اسی مکان کے کسی حصے میں قید تھا۔ اس کے دل نے اسے دھڑک کر یقین دلایا۔ قلعہ نما عمارت کا داخلی دروازہ کھولنے میں اسے کوئی دِقت نہیں ہوئی۔ وہ بجری کے فرش پر چلتی ہوئی عمارت کے صدر دروازے کی طرف

بڑھی اور اندر کی سُن گُن لینے کے لئے دروازے سے کان لگا دیئے۔ صدر دروازہ اب اندر سے بند تھا۔

چنانچہ وہ فوراً ہی دوسری طرف گھوم گئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گیراج سے عمارت کے اندر داخل ہونے والا دوسرا دروازہ کھلا ملا اور وہ بغیر کوئی آواز پیدا کئے ہوئے دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہوگئی۔

یہ ایک وسیع ہال نما کمرہ تھا۔ اندر اندھیرا اور مکمل سناٹا تھا۔ لیکن کھڑکیوں کے بند شیشوں سے چاند کی اتنی روشنی ضرور اندر آ رہی تھی کہ وہ آس پاس کے مناظر دیکھ سکتی تھی۔ وہ سانس روکے ہوئے ایک دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گئی اور کچھ لمحوں کے بعد ایک دوسرے ہال میں پہنچ گئی۔ جسے نہایت شاہانہ طرز پر سجایا گیا تھا۔

اس ہال سے ایک کشادہ زینہ تہہ خانے کی طرف جا رہا تھا۔ زریجہ فرش پر بچھے ہوئے دبیز قالین کے باوجود کسی بلی کی طرح چل رہی تھی اور اسی طرح تہہ خانے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ تہہ خانے کی سیڑھیوں کا اختتام ایک ادھ کھلے دروازے پر ہوا۔ تہہ خانے میں ایک قطار سے کمرے بنے ہوئے تھے۔

زریجہ نے ایک کمرے کے اندر جھانکا۔ اس کمرے میں صرف شراب کا ذخیرہ کیا گیا تھا۔ دوسرا کمرہ ایک گودام ثابت ہوا۔ زریجہ نے ایک تیسرے کمرے کے دروازے کو دھکا دیا اور اندر نظر پڑتے ہی ساکت ہوگئی۔

اس کمرے میں ایک نہایت جدید ترین سائنس لیبارٹری کا سامان موجود تھا۔ وسیع کمرے کے عین درمیان ایک آپریشن ٹیبل موجود تھی اور زریجہ کی توجہ ایک دم اپنی غلطی کی طرف مبذول ہوگئی۔ یہ وہی جگہ تھی جس کو اس نے

ہسپتال سمجھنے کی غلطی کی تھی۔ ابھی تک اس کا سامنا کسی انسان سے نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی وہ اب پوری طرح چوکنا ہوگئی۔

پھر ایک کمرے کے ہینڈل کو گھمانے سے پہلے اس نے تھوڑا سا ذہن پر دباؤ ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ اس کے لبوں سے آہستہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

”ریحان......!“

وہ جذباتی ہو کر اندر داخل ہوگئی۔ ریحان ایک کشادہ بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ سیدھا زریجہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا لیکن یہ دیکھ کر زریجہ کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا کہ جواب میں ریحان کے لبوں پر نہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور نہ آنکھوں میں جان پہچان کی چمک پیدا ہوئی۔

زریجہ جذبات میں بھری ہوئی ریحان کی طرف بڑھی اور اس کے قریب پہنچ کر اسے جھنجھوڑنے لگی۔

❁ ❁ ❁

نیا دور گردشوں کا دور تھا۔ احمد صلاغی نے سو سال پہلے وہ سائنسی قوتیں حاصل کر لی تھیں جنہیں اگر وہ اسی دور سے فروغ دیتا تو شاید اس وقت دُنیا کے عظیم ترین سائنس دانوں میں شمار ہوتا۔ لیکن وہ حقیقی معنوں میں ایک محقق تھا اور اپنے پوتے اور پوتی کے ساتھ اس نے جس قدر سائنسی قوتیں حاصل کر لی تھیں، وہ اتنی زیادہ تھیں کہ جس دور میں وہ جی رہا تھا، وہ دور ان سائنسی قوتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ دُنیا میں وہ واحد سائنس دان نہیں ہے جو اپنی سائنسی قوتوں کو بہت آگے لے جا چکا ہے۔

بے شک کچھ لوگ پوشیدہ تھے لیکن ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان کے سوچنے کا انداز کیا ہے......؟ جو ''مونیگولوس ریگولیشن پاور'' احمد صلاغی نے حاصل کی تھی، اس کی لاتعداد شاخیں پھوٹ سکتی تھیں اور ان سے

تخریب وتعمیر دونوں قوتوں میں عظیم الشان کام کئے جا سکتے تھے۔

اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ دونوں بچے جو اس کے ساتھ ساتھ سائنسی طاقتوں میں آگے بڑھتے جا رہے ہیں، اگر کسی تخریب کار کے ہاتھ لگ گئے تو دُنیا بہت سے خطرات سے دوچار ہو سکتی تھی۔ ان بچوں کو اس نے بہت سی قوتوں سے مالا مال کر دیا تھا۔ لیکن بات وہی آ جاتی تھی کہ موجود دور میں وہ جو کچھ کرتے وہ مافوق العقل ہوتا۔ صرف اسی پائے کے سائنس دان ان قوتوں کو سمجھ سکتے تھے، جس پائے کی قوتیں ان بچوں کو حاصل تھیں اور اگر یہ بچے تخریب کاری کے عمل میں نکل گئے تو پھر انہیں کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا۔

ہاں......! ایک محقق کے طور پر احمد صلاغی نے چویمن کا ایک دوست مند انسان تھا، بچوں کے ذہنوں کو بھی تحقیق کی جانب ہی مائل کر دیا تھا اور آخر کار وہ زندگی کے سو سال کھونے کے لئے تیار ہو گئے تھے اور یہ بھی ایک انوکھا سائنسی عمل تھا کہ آپ اپنی زندگی کے سو سال گہری نیند سلا دیں اور بعد میں اپنی مرضی کے مطابق جاگ اُٹھیں۔

یہ بھی ایک تحقیقی سائنسی عمل تھا جو کسی بھی طرح مذہب کے تصورات کی نفی نہیں کرتا تھا۔ یعنی یہ کہ مالک کائنات نے تو واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ

''اور وہ ہر سوچ، ہر احساس تمہارے لئے محفوظ کر دیا گیا جس کے تجسس میں تم آگے بڑھو اور اسے حاصل کر لو۔''

گویا دماغ کو وہ قوتیں عطا کر دی گئیں تھیں جو انوکھے عمل سرانجام دیتی تھیں اور ثناء المروجہ کے رہنے والے اس شخص نے اپنا قول بھی نبھا دیا تھا اور جب وہ سو سال کے بعد جاگا تو اس نے اپنے ساتھ سونے والوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی توانائی کی قوتوں کا مظاہرہ اس طرح یہ کریں کہ شہر کی سڑکوں پر

مداری نظر آئیں۔ بلکہ محقق ہیں، محقق ہی رہیں اور یہ دیکھیں کہ دُنیا سائنسی اُمور میں کتنی آگے بڑھ گئی ہے۔ تخریب و تعمیر کا عمل کس انداز میں جاری ہے۔ یہ ایک دلچسپ تحقیق ہوگی۔

اور اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ دونوں بہن بھائی اپنے اعتماد کے ساتھ اقدامات کریں اور اپنی تحقیق کو اپنے آپ تک محدود رکھیں۔ حالات کیسی ہی سنگینی کیوں نہ اختیار کر لیں......؟ وہ مدد کے لئے اپنے دادا کو نہ پکاریں اور اگر انہوں نے ایسا کر بھی لیا تو بھی احمد صلاغی ان کی مدد کے لئے ایک قدم بھی آگے نہیں آئے گا اور نہ ہی انہیں جواب دے گا۔

اور اس نے یہ بھی کہا تھا ان سے کہ

''سنو......! جو کچھ کرو...... اس میں اپنی قوتوں کو کسی کے خلاف استعمال مت کرنا اور یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ میری پہنچ تم سے دُور نہیں ہوگی اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ مجھے تم تک پہنچ جانا چاہئے تو تم یہ نہ سوچنا کہ میں تمہیں تلاش نہیں کر سکوں گا۔ میں تم سے زیادہ فاصلے پر نہیں رہوں گا۔''

یہ ہی وجہ تھی کہ ابھی تک انتہائی مشکل حالات کا شکار ہونے کے باوجود کم از کم زریجہ نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا تھا۔

جہاں تک بچپن کی حدود میں رہنے والے ریحان صلاغی کا تعلق تھا تو وہ بے شک سائنسی قوتیں حاصل کرنے کے باوجود ایک شریر سا بچہ تھا اور اسی بچپن نے اسے شدید ترین مشکلات کا شکار کر دیا تھا اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا۔

رچرڈ لیموس جیسے شیطان صفت سائنس دان کو ریحان صلاغی پر دسترس حاصل ہوگئی تھی اور شاید اسے زریجہ کی بدنصیبی ہی کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ

زریجہ بھی بھائی کی محبت میں اس جگہ پہنچ گئی تھی جہاں اس کے لئے مشکلات ہی مشکلات کا دور دورہ تھا۔

اس نے اپنے ذہن کو گرفت میں لینے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی ذہنی قوتیں گیس کے غبارے کی طرح اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں تھیں۔ زریجہ کو ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے قدموں کے نیچے سے فرش نکال کر نرم روئی کے بادل بچھا دیئے ہوں۔ اس نے گرتے گرتے مدد طلب نگاہوں سے اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ پتھر کا بت کسی بھی طرح اس کی مدد کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ جبکہ اسی نے اسے آوازیں دیں تھیں۔

اب یہ بات تو زریجہ بالکل نہیں جانتی تھی کہ یہ آوازیں اس کے لئے موت کے جال کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ہاں......! کچھ ہی لمحوں کے بعد اس نے دو اجنبی چہرے دیکھے۔ ایک بوڑھی عورت اور ایک شیطان صفت اور شاطر سی شکل کا مالک شخص جس کے چہرے پر اس وقت فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور کیوں نہ پھیلتی......؟ آخر کار رچرڈ لیموس کے شیطانی ذہن نے زریجہ کو بھی اپنے جال میں پھانس ہی لیا تھا۔

زریجہ کو گرفتار کرنے کی اس کے پاس دو وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کی آزادی ڈاکٹر رچرڈ لیموس کے منصوبے میں گڑبڑ کر سکتی تھی اور اس گڑبڑ کا منظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ دولت کی دیوانی پیری اس کے لئے ایک مکمل عذاب کی حیثیت رکھتی تھی۔

پیری ایک دولت مند عورت تھی اور شمالی یمن کے شہر المرجہ کی آدھی صنعتیں اور جائیدادیں اس کی ملکیت تھیں۔ لیکن وہ اس بات کی خواہش مند تھی

کہ دولت کے اتنے بڑے بڑے انبار اس کے اردگرد پھیل جائیں کہ وہ ان کے درمیان تلاش تک نہ کی جاسکے اور اسی لئے اس نے وقت کے سب سے بڑے سائنس دان رچر لیموس کو اپنا آلہ کار بنایا تھا اور دونوں کے درمیان یہ معاہدہ طے ہوا تھا کہ رچر لیموس اپنی سائنسی قوتوں کو اتنا آگے بڑھائے گا کہ دُنیا آخر کار اس کے قدموں میں آجھکے گی اور اس کی سائنسی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لئے جس قدر مالی وسائل کی ضرورت ہوتی، وہ پیری فراہم کرے گی اور پیری ایسا ہی کر رہی تھی۔

لیکن اس معاہدے کے تحت کہ رچر لیموس دولت کے حصول میں اس کی بھرپور مدد کرے گا اور پہلی سائنسی قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسا بندوبست کرے گا کہ پیری کی ساری خواہشیں پوری ہو جائیں اور اس نے یہ کر لیا تھا لیکن اس وقت وہ شدید ذہنی انتشار کا شکار ہوگیا جب پیری کی حرص نے اور اس کے لالچ نے ایک بہت ہی خوف ناک کارنامہ سرانجام دیا۔

اس نے میوزیم میں جو کارروائی کی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس کی شیطانی سوچ کا اظہار تھی۔ لیکن وہاں زریجہ کی وجہ سے جو گڑبڑ ہوئی، وہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

زریجہ کی مداخلت نے میوزیم ڈکیتی میں جو تباہی مچائی تھی، وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اس کے علاوہ رچر لیموس کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ لڑکے ریحان صلاغی کے پاس جو قوتیں تھیں، اس سے کہیں زیادہ دماغی قوتیں اس کی بہن کے پاس تھیں۔ شاید اس لئے کہ وہ اس سے عمر میں بڑی بھی تھی اور اس نے ان قوتوں کے حصول کے لئے زیادہ ریاض اور کوششیں کی تھیں۔

اب یہ بات تو بعد کی تھی کہ ان دونوں بہن بھائیوں کو یہ قوتیں کہاں سے حاصل ہوئیں تھیں۔ البتہ زریجہ پر دسترس حاصل کرنے کے لئے اس نے جو محنت کی تھی، وہ ناقابل فراموش تھی۔

اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ نہ صرف اس کے پاس اس کی طاقت دُگنی ہو جائے گی بلکہ کسی مضبوط دُشمن کا امکان بھی کم ہو جائے گا اور کسی گڑبڑ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ یہ اس کی اپنی سوچ تھی۔ پیری کے سوچنے کا انداز اس سے ذرا مختلف تھا۔

بوڑھی عورت اس وقت بھی اس کے پاس موجود تھی اور شاید اس کی تمام کارروائیوں سے بہت زیادہ مطمئن بھی نہیں تھی۔ چونکہ بے اطمینانی کے آثار اس کے چہرے پر پائے جاتے تھے۔ رچر لیموس کو اپنی ان کامیابی پر بے پناہ خوشی تھی جس کا اظہار اس کے چہرے سے ہو رہا تھا۔ اس نے بوڑھی عورت کے جھریوں بھرے چہرے پر اُلجھنوں کے آثار دیکھے تو بے اختیار شیطانی انداز میں ہنس پڑا۔ پیری چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تمہاری ہنسی اس وقت میرے لئے ناقابل فہم ہے۔''

پیری نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

''یہ نہ سوچنا کہ جو کچھ تم میوزیم میں کر چکی ہو، وہ میں نے معاف کر دیا ہے۔ تم نے تو مجھے اس طرح سمندر کی گہرائیوں میں ڈبونے کی کوشش کی تھی کہ اس کے بعد میں کبھی نہ ابھر پاتا۔ اگر حکومت یمن مجھے ان تمام معاملات کو مجرم قرار دے دیتی تو میرے لئے سزائے موت کے علاوہ اور کوئی سزا نہ سنائی جاتی اور مادام پیری......! تم بھی اسی کا شکار ہوتیں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اب دیوانگی کی سرحد میں داخل ہو چکے ہو۔ تم

نے اپنی قوتوں کو آسمانی قوتوں کے برابر سمجھ لیا ہے۔ ورنہ تم جس انداز میں مجھ سے گفتگو کر رہے ہو، اس سے پہلے تم کبھی اس انداز میں بات نہیں کرتے تھے۔ ہوتا ہے...... انسان اپنی قوتوں پر نازاں ہو کر آخر کار کسی نہ کسی شکل میں تو نقصان اُٹھاتا ہے۔''

''بکواس مت کرو بوڑھی عورت......! تم اگر میری سائنسی صلاحیتوں کی تکمیل میں مجھے مالی مدد دیتی رہی ہو تو میں نے بھی تمہیں اس کے عوض بہت کچھ دیا ہے اور میں اپنے خلوص میں کسی بھی طرح پیچھے نہیں ہوں۔ یعنی تمہارے لئے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہوں جو تمہاری خواہشوں کی تکمیل کر دے۔

دیکھو مادام پیری......! اپنے انداز میں مت سوچو۔ کیونکہ تمہاری ایک بات سے میں بالکل اتفاق کرتا ہوں کہ قوتوں کے حصول کے بعد دیوانگی کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں اور یہ سرحدیں تباہی کے گڑھوں پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ میرے ساتھ تعاون کرو۔ تمہارے علاوہ اس بارے میں مشورہ کرنے والا میرے لئے اور کون ہے......؟''

مادام پیری نے شاید سمجھداری سے سوچا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے چہرے کے تاثرات نرم کئے اور بولی۔

''کیا سوچ رہے ہو تم......؟''

''میں بہت تیزی سے یہ سوچ رہا ہوں کہ مائنڈ کنٹرول یونٹ کی ایک ڈبلیکیٹ تیار کی جائے۔ کیونکہ اس وقت تک اس لڑکی کی انتہائی نگہداشت بے حد ضروری ہے جب تک کہ میں ان کی قوتوں پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہو جاؤں۔ ورنہ کسی بھی وقت یہ ہم سب کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔

لیکن مادام پیری......! تم جانتی ہو کہ دوسرے آلے کی تیری کوئی آسان بات نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی آسان بات ہے کہ اس لڑکی کو چند گھنٹوں کے بعد سکون بخش دوا کا انجکشن لگایا جاتا رہے۔ تم شاید اس بات پر بالکل غور نہیں کر رہیں مگر میں جانتا ہوں کہ اگر ہم اس طرح اسے انجکشن لگاتے رہے تو اس کی ذہنی صلاحیتوں کو کوئی نقصان پہنچ جائے گا اور ہم ان سے وہ فائدہ نہیں حاصل کر سکیں گے جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میری خواہش تو یہ ہی ہے کہ ہم ان دونوں کو بہت عمدگی کے ساتھ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ یعنی تمہارے لئے دولت کی ریل پیل اور میرے لئے سائنسی قوتوں کا حصول۔

ابھی تو ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ آخر یہ دونوں ہیں کون......؟ اور کہاں سے ان قوتوں کا ذخیرہ لے کر آئے ہیں......؟ لیکن یہ اتنی جلدی معلوم نہیں ہو سکے گا۔ اس کے لئے محنت کرنا ہوگی۔''

رچر لیموس کے کچھ الفاظ پیری کے لئے بہت ہی خوش کن تھے۔ جن میں خاص طور پر الفاظ جو تھے وہ یہ کہ تمہارے لئے دولت کا بے پناہ حصول...... یہ تو پیری کی زندگی کا مقصد تھا۔

چنانچہ پیری اس سے تعاون کے لئے تیار ہوگئی۔ اس کا اظہار اس کے چہرے کے نقوش سے ہوتا تھا۔ وہ دونوں اس جگہ سے باہر نکل آئے اور رچر لیموس سوچوں میں ڈوب گیا۔ اس کا ذہن اس پریشانی کا حل ڈھونڈ رہا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ صرف ایک ذہین سائنس دان ہی نہیں تھا بلکہ ایک مجرمانہ شاطر ذہن کا مالک بھی تھا۔

اس کے چالاک ذہن نے آخر ایک ترکیب اسے سجھا ہی دی اور وہ

اس ترکیب پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہوگیا۔

لیبارٹری کے اسٹور میں ضروریات کا بیشتر سامان ہر وقت موجود ر
تھا۔ چنانچہ اس نے اس اسٹور میں ان فولاد سے زیادہ مضبوط شیشوں کا انتخا
کیا جو نہ جانے کس مقصد کے لئے وہاں لائے گئے تھے۔

اس نے بڑے بڑے شیشوں کے ٹکڑے تلاش کئے اور انہیں ور
شاپ میں جمع کرلیا۔ ان ٹکڑوں کی مضبوطی ناقابل یقین حد تک تھی۔ پیری ا
کے ساتھ تھی۔ اس نے ان شیشوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ کس لئے نکالے ہیں تم نے......؟ شاید تم نے انہیں کسی خلائی س
کے لئے حاصل کیا تھا اور تمہارا وہ منصوبہ......''

''ایک منٹ......! ایک منٹ......! ایک منٹ......! طویل گفتگو سے
بچنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ جس بات کا مفہوم اور مقصد چند الفاظ میں ہ
جائے ان کے لئے طوالت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔''

''اور تم نے خود یہ جواب کتنے الفظ اور کتنی دیر میں دیا ہے۔ اس ک
تمہیں احساس ہے......؟''

پیری نے کہا اور رچر لیموس بے اختیار ہنس پڑا۔

''ہم دونوں ہی وہ کر رہے ہیں جو ہم نہیں کرنا چاہتے۔ خیر چھوڑو......!
میں ان شیشوں کی مدد سے اس لڑکی کے لئے قبر تیار کروں گا۔''

''بات میری سمجھ میں اب بھی نہیں آئی ہے۔ لیکن تم سے تعاون کرتے
ہوئے میں اس پر بحث نہیں کروں گی۔''

پیری نے کہا۔

''بس......! تو پھر میں اپنے کام کا آغاز کرتا ہوں اور اس کے بعد رچر

لیموس لیبارٹری میں اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس کے پاس شیشوں کے ان
ٹکڑوں کو جوڑنے کے لئے اس قسم کا مصالحہ موجود تھا جو تصور تک نہ کیا جا سکے
اور اس مصالحے کی مدد سے شاید ٹوٹی ہوئی چٹانوں تک کو جوڑا جا سکتا تھا۔

اس شیشے کو کاٹنے کے لئے اس کے پاس ایسی مشنری موجود تھی جس
سے ان شیشوں کو ہموار کیا جا سکے اور اس کام میں اس نے اتنی شدت سے محنت
کی کہ پسینہ پسینہ ہوگیا اور پیری بھلا اس کی کیا مددگار ہوسکتی تھی۔

ہاں......! اس نے پیش کش کی تھی کہ اگر وہ چاہے تو دانیال کو اپنے
کام کے سلسلے میں استعمال کرسکتا ہے۔ جواب میں رچر لیموس ہنس پڑا تھا۔

''جو کام میں کر رہا ہوں۔ اگر اس سے دس گناہ زیادہ محنت کا کام مجھے
دے دیا جائے تب بھی تم دیکھو گی مادام پیری......! کہ میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔''

''خیر......! یہ بات تو میں جانتی ہوں۔''

پیری نے جواب دیا اور اس کے بعد یہ احرام نما تابوت تیار ہونے
لگا۔ جس کی تیاری میں بہت زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

اور وقت کا صحیح معنوں میں کوئی تعین نہیں ہو سکا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ زریجہ کے ذہن نے کروٹ بدلی۔ اس کے خوابیدہ ذہن نے تھوڑی دیر تک سکون کا وقت گزارا اور اس کے بعد اسے اب تک پیش آنے والے تمام واقعات یاد آنے لگے اور اسے خطرے کا سگنل ملنے لگا۔

زریجہ نے آدھ کھلی آنکھوں سے بستر کے گرد چڑھایا گیا شیشے کا خول دیکھا اور بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''وہ پاگل شخص سمجھتا ہے کہ ریحان کی طرح مجھے بھی اپنی قید میں جکڑ لے گا۔ احمق......! گدھا......! غلط فہمی کا شکار ہے۔ میں اسے اس کی اس کمینی حرکت کی ایسی سزا دوں گی کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا......زندگی بھر......!''

ایک لمحے کے لئے زریجہ کے چہرے پر نفرت کے نقوش پھیلے اور وہ

اس شخص کو اپنی یادداشت کے خانوں سے آنکھوں کے پردوں پر منتقل کرنے لگی۔ جسے اس نے وہیں لیبارٹری میں دیکھا تھا اور ساتھ ہی اس مکروہ شکل کی چیل نما عورت کو بھی جس نے اسے انجکشن دے کر بے ہوش کر دیا تھا۔

لیکن اب اس نے اپنے ذہن کے خانوں کو ٹٹولا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگی کہ اس کا ذہن مکمل طوز پر جاگ رہا ہے اور اس کے اپنے قبضے میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ہاتھوں کو جنبش دی جو بستر کے کناروں پر مضبوط چمڑے کے تسموں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ لیکن اس وقت وہ اپنی اس گرفت کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ صحیح معنوں میں وہ اپنی قوتوں کا تجزیہ بھی کر رہی تھی۔

جو خواب آور انجکشن اسے دیا گیا تھا اس کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ انجکشن کے زیر اثر اس نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے......؟ اور جب چمڑے کے تسمے اس کے ہاتھوں سے جدا نہ ہوئے تو اس کی آنکھوں میں ایک نامعلوم سا خوف لہرانے لگا اور اس کے پورے بدن میں لرزش کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن پر توجہ دی اور اس بارے میں سوچنے لگی تو اس کے ذہن نے اسے جواب دیا کہ انجکشن کا اثر ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ زریجہ کا ذہن تو جاگ رہا تھا لیکن جسمانی قوت اس وقت بھی مردہ تھی اور وہ اپنی ایک اُنگلی کو بھی حرکت نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے غصے میں کچھ بڑبڑاہٹیں سی نکل گئیں جن میں کچھ الفاظ نمایاں تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''دادا ابو......! ہم ابھی عمر میں چھوٹے ہیں۔ اتنے تجربات ہم پر مسلط نہ کریں کہ ہمارا کوئی تجربہ ناکام ہو جائے۔''

پھر اس نے سوچا کہ اگر میں اپنی ذہنی قوت سے بستر سے اُٹھ بھی

جاؤں تو بھی شاید یہاں سے فرار ممکن نہ ہو سکے۔ ان لوگوں نے نے یقینی طور پر صرف خواب آور دوا ہی استعمال نہی کی ہے بلکہ کوئی ایسی دوا بھی استعمال کی ہے جس کے زیر اثر میرا جسم خوف ناک حد تک سن ہو چکا ہے۔

میں شاید ابھی کافی مشکلات میں مبتلا رہوں گی۔ لیکن مجھے سوچوں کے عمل سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے۔ ہر قیمت پر مجھے ان لوگوں کی گرفت سے فرار ہونا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں یہاں سے فرار کی کوشش کروں گی تو یہ لوگ دوسرا انجکشن گھونپ دیں گے۔

زریجہ کا ذہن بہت تیزی سے اس صورتِ حال کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس سے نکلنے کے لئے کوئی ترکیب بھی ڈھونڈ رہا تھا۔ بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس کے ذہن میں روشنی کی ایک کرن چمکی۔

اسے اپنے ان چاروں دوستوں کا خیال آیا تھا جو اس کے مددگار رہے تھے اور انہوں نے کچھ اس طرح اپنے آپ کو اس کی ذات میں ختم کر دیا تھا کہ حیرت ہی ہوتی تھی اور خاص طور سے وہ لڑکا جوان میں سب سے نمایاں حیثیت کا حامل تھا، اور جس نے اپنا نام شیری بتایا تھا، تو زریجہ کا ایک طرح سے دیوانہ ہی ہو گیا تھا۔

اگر ایک بار پھر انہیں ذہنی طور پر اپنی مشکل سے آگاہ کر دیا جائے تو شاید وہ اس کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں۔

”لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں تلاش کیسے کیا جائے......؟“

زریجہ نے ایک بار پھر کوششیں شروع کر دیں اور اس کے ذہن سے نکلنے والی لہریں اپنے دوستوں کو تلاش کرنے لگیں۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہو سکا۔

تب اس نے اپنی یادداشت کے خانے سے ایک اور ترکیب نکالی۔

اس عمارت میں اگر ایسا کوئی شخص مل جائے جس کے دماغ کو اپنے قابو میں کر کے وہ اس کے ذریعے سفر کرے اور اپنے چاروں مددگاروں کو طلب کرے۔ ایسا ممکن ہوسکتا تھا لیکن وہ شیشے کے ایک تابوت میں بند تھی۔

اگر دماغ کی لہریں اس تابوت سے باہر نکل کر کچھ کر لیں تب تو کام ممکن ہوسکتا تھا۔ اس نے کوشش شروع کر دی اور بہت سی آوارہ روحیں عمارت کے مختلف گوشوں میں کسی کو تلاش کرنے لگیں۔ کسی ایسے ذی روح کو جو اپنے اندر تحریک رکھتا ہو اور ایک ایسا دماغ اس کے اپنے دماغ سے نکلی ہوئی لہروں سے ٹکرایا۔ یقیناً یہ کوئی متحرک وجود تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ اس وجود کی تصویر اپنے ذہن میں حاصل کی تو اسے یوں لگا جیسے وہ کوئی انسان نہ ہو۔

رفتہ رفتہ اس کی صورت تشکیل پاتی جا رہی تھی۔ وہ ایک کتا تھا۔ ایک قد آور کتا۔ جو کھلا ہوا تھا اور یقیناً یہاں حفاظت کے لئے رکھا گیا تھا۔

زریجہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”چلو......! ایک دوست ملنا چاہئے تھا۔ انسان ہو یا جانور...... آج ایک جانور کے ذہن پر کنٹرول کر کے ذرا سی صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے۔“

اور اس نے اس کتے کے ذہن کو اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیا جو اپنی سوچوں میں مصروف تھا۔ اس کے ذہن پر اس وقت مایوسی کا غلبہ تھا۔

”میں ایک کاہل کتا ہوں۔ میں کوئی کام ڈھنگ سے کر ہی نہیں سکتا۔“

وہ اندر ہی اندر خود سے لڑتے ہوئے گویا زندگی کے سامنے ہتھیار ڈالتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے سوچا۔

"اور میں ان دنوں میں تو کوئی کام کر ہی نہیں سکتا جب راتیں بے حد سرد اور دن خوب گرم ہو جائیں۔"

اس نے مایوسانہ انداز میں اپنی تھوتھنی فرش پر ڈالی اور کاہلی سے لیٹ گیا۔

لیکن اچانک ہی اس کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا اور یہ جھٹکا زریجہ نے دیا تھا۔ دوسرے لمحے اس کی سوچوں میں تبدیلی شروع ہوگئی۔ وہ اپنی جگہ سے ایک دم ہی اُچھلا تھا اور اب خود کو سمجھا رہا تھا۔

"نہیں نہیں......! میرا سوچنا غلط ہے۔ میں کیا نہیں کر سکتا......؟ میں تو سب کچھ کر سکتا ہوں۔ خواہ راتیں سرد ہوں یا گرم۔"

زریجہ اب اس کے ذہن پر مجموعی قابو پاتی جا رہی تھی۔ اس نے کتے کو جسے ٹام کہہ کر پکارا جاتا تھا، حکم دیا کہ وہ باہر نکل آئے۔

چنانچہ کتا تیز رفتاری سے آگے بڑھا اور اپنی اس آرام گاہ سے جو اس کے لئے خاص طور سے بنا دی گئی تھی اور جہاں وہ رات کو لیٹ کر یا ضرورت پڑنے پر باہر نکل کر چوکیدار کرتا تھا، وہاں سے باہر نکل آیا۔ وہ کچھ نہ کچھ کرنے پر کمر بستہ ہوگیا تھا اور اپنے لئے کچھ نہ کچھ کرنے پر آمادہ تھا۔

زریجہ کا مسلسل اس سے ذہنی رابطہ تھا اور اب اس نے اس سے کافی اُمیدیں وابستہ کر لی تھیں۔

چنانچہ وہ باہر نکل آیا اور چند ہی لمحوں کے بعد شہر کی جانب جانے والی سڑک کے کنارے کنارے پوری رفتار سے دوڑنے لگا۔

زریجہ مسرور انداز میں اس کے ذہن کو کنٹرول کر رہی تھی اور اسے علم تھا کہ ٹام نامی کتا اپنا کام بخوبی سرانجام دے رہا ہے۔ ٹام کو اچانک ہی احساس

ہوا کہ اسے ایک لمبا سفر طے کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی پوری رفتار سے دوڑتا ہوا آگے جانے والی ایک فورٹ کی چھت پر چڑھ گیا۔

فورٹ میں مرد ڈرائیور کے برابر بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ہونٹوں کو لپ اَسٹک لگا رہی تھی۔ وہ بڑے سلیقے سے ہونٹوں پر لپ اَسٹک جما رہی تھی کہ دھب کی آواز سنتے ہی اس کا ہاتھ ہل گیا اور لب اَسٹک نے اس کے رُخسار پر ایک گہری سرخ لکیر ڈال دی۔

لڑکی نے غصے اور حیرت سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے مرد کی طرف دیکھا۔ مگر مرد خود بھی حیران ہوا تھا کہ چلتی ہوئی گاڑی کی چھت پر کیا معاملہ ہوا ہے......؟ اس نے اچانک ہی بریک لگائے۔ ٹام جیسے اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ پاس سے گزرتی ہوئی ایک دوسری کار کی چھت پر کود گیا۔

اس دوسری کار میں ایک بوڑھا جوڑا سفر کر رہا تھا۔ بوڑھا ڈرائیور اس لمحے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی خاتون کو سگریٹ کا لائٹر دکھا رہا تھا۔ لیکن فورٹ کی چھت سے پرواز کر کے اس کی گاڑی پر لینڈ کرنے والا کتا اسے اس قدر بدحواس کر گیا کہ لائٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

اس کی بدحواسی نے خاتون کے ہونٹوں میں دبی ہوئی سگریٹ بھی اس کی ٹانگوں کے درمیان سیٹ پر گرا دی جس نے دونوں کو اور زیادہ بدحواس کر دیا۔

بوڑھے نے ٹریفک کے کسی اُصول کی پرواہ کئے بغیر گاڑی کو سڑک کے کنارے پر موڑ لیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ نہ صرف ان کی توقعات سے خلاف تھا بلکہ اس شخص کی بھی توقعات کے خلاف تھا جو پوری رفتار سے

گنگناتا ہوا اپنی اس اسپورٹس کار میں ان کے پیچھے چلا آرہا تھا۔

دونوں کاریں بری طرح برباد ہوگئیں تھیں اور ان شدید پریشان کن حالات کے باوجود زریجہ کو جو انوکھے تجربات ہو رہے تھے، وہ اس کی دلچسپی بڑھا رہے تھے۔

بے شک وہ دماغ کو استعمال کر رہی تھی اور اس دماغ نے اس وقت ٹام کو اس کی آنکھیں بنا دیا تھا۔ گویا جو کوئی ہدایت وہ ٹام کو دے رہی تھی، وہ اس کی دماغی لہروں کے ذریعے اس کی آنکھوں تک پہنچ رہی تھیں اور یہ سارا کا سارا منظر دماغی لہروں کے ساتھ ساتھ اس کی بینائی میں سے گزر رہا تھا۔

اس نے ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ بوڑھا شخص معذرت آمیز لہجے میں اسپورٹ کے ڈرائیور سے کہہ رہا تھا۔

''آپ یقین کریں جناب......! اس افسوس ناک حادثے کی وجہ وہ کتا تھا۔''

''کون سا کتا......؟''

اسپورٹ کے ڈرائیور نے غراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''خدا جانے اب وہ کہاں چلا گیا......؟''

''میں اس کی تائید کرتی ہوں۔ وہ کتا ہی تھا۔''

''بکواس کر رہے ہو تم لوگ......! میں نے کوئی کتا نہیں دیکھا۔ مجھے بتائیں کہاں ہے وہ کتا......؟''

''اب میں آپ کو کیا بتاؤں......؟''

اس سوال کا جواب نہ بوڑھے کے پاس تھا اور نہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی بوڑھی عورت کے پاس۔ اور نہ ہی اسپورٹ ڈائیور کے پاس۔

البتہ زریجہ دیکھ رہی تھی کہ ٹام کی غیر موجودگی...... موجودگی میں کس شکل میں تبدیل ہوئی ہے۔ اس بات کا علم اس ٹرک ڈرائیور کو بھی نہیں تھا جس کے ٹرک کے پچھلے حصے میں ٹام آرام سے لیٹا ہوا تھا۔

پھر ٹرک ایک موڑ مُڑا تو ٹام سنبھل کر اُٹھ گیا اور بڑی مہارت سے اس نے اس طرح زمین پر چھلانگ لگائی جیسے اسے ٹرک کے اپنی مخالف سمت جانے کا احساس ہوگیا ہو۔

ٹام اپنی جگہ کھڑا ہو کر سمت کا تعین کرنے لگا۔ زریجہ مائنڈ کنٹرول سسٹم پر اس کی آنکھوں کے ذریعے پورے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی اور اسے ہدایات دے رہی تھی۔ اس نے ٹام کے لئے ایک راستہ منتخب کرتے ہوئے اسے ہدایت کی اور اسی وقت اس کی نگاہوں نے ایک کالے رنگ کی مرسڈیز کو دیکھا۔ جسے وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ اور مرسڈیز میں اس نے جو کچھ دیکھا، اسے دیکھ کر اس نے اس وقت بڑی مشکل سے اپنی ذہنی لہروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور جب اس کے ذہن کی لہروں کا ایک حصہ ٹام کی طرف اور دوسرا اس مرسڈیز کی جانب مکمل طور پر متوجہ ہوگیا تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''آفریں ہے تجھ پر میرے ذہین دادا......! کہ تو نے انسان ہونے کے باوجود مجھے انتہائی غیر انسانی صفات بخش دیں ہیں اور واقعی تیری سائنس کا مقابلہ شاید سو سال بعد کی سائنس بھی نہ کر سکے۔

گو بے شک میں اس وقت کافی مشکل کا شکار ہوگئی ہوں لیکن پھر بھی جو وقت گزر رہا ہے، اگر اسے اپنے قابو میں نہ کر پاؤں اور موت کا شکار ہو جاؤں تو سچی بات ہے کہ کم از کم مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔''

اس نے اپنے ذہن کی منتقل ہو جانے والی لہروں کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا تھا لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ اگر اس کے اور بھی کئی حصے کرنا پڑیں تو شاید اس میں بھی اسے ناکام نہ ہو۔

❁ ❁ ❁

کالے رنگ کی مرسڈیز اس وقت شہر سے باہر جانے والی جنوبی سڑک پر جا رہی تھی۔ اسٹیئرنگ وہیل پر دانیال بیٹھا ہوا تھا۔ پیری اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی اور پچھلی سیٹوں پر ڈاکٹر، رچر لیموس، ریحان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جنوبی سڑک پر اگرچہ اس وقت زیادہ رش نہیں تھا، لیکن سڑک کے دونوں کناروں پر لگے ہوئے ہرے بھرے درخت اور اطراف میں دُور تک پھیلا ہوا سبزہ اس بات کی نشان دہی کر رہا تھا کہ سڑک بہت اہمیت کی حامل اور نہایت خوب صورت ہے۔

کالے رنگ کی خوب صورت مرسڈیز کاف دُور تک سیدھی چلنے کے بعد ایک دوسرے راستے پر مُڑ گئی۔ اس بار وہ جس سڑک پر مُڑی تھی، یہ کسی قدر تنگ تھی۔ کناروں پر دونوں طرف لگے ہوئے گہرے درختوں نے سڑک پر گہرا

سایہ کر رکھا تھا۔

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسی سڑک پر آگے جا کر دونوں جانب فلیٹوں کی قطاریں نظر آتی تھیں۔ لیکن جس علاقے میں یہ فلیٹ واقع تھے، وہ ذرا سنسان سا تھا۔ غالباً فلیٹوں کے مکین اس علاقے میں زیادہ گہما گہمی پسند نہیں کرتے تھے اور بس ضروری کاموں ہی سے اپنے گھروں سے باہر نکلتے تھے۔

چنانچہ اس وقت بھی یہاں چہل پہل نہیں تھی۔ مرسڈیز اسی رفتار سے دوڑتی ہوئی فلیٹوں کو پیچھے چھوڑ آئی اور پھر ایک پہاڑی راستے پر چل پڑی۔

اس کے اندر بیٹھے ہوئے چاروں مسافر پُراسرار خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ڈھلوان راستہ آیا اور اس راستے پر بنے ہوئے پُل کے پاس پہنچ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے دانیال نے خود بخود کار کی رفتار آہستہ کر لی۔ وہ شاید پُل کے ساتھ بل کھاتے ہوئے دریا کی روانی اور اطراف میں دُور دُور تک بچھے ہوئے سبز مخمل کے قالین اور کھلی فضاء سے کچھ دیر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

زمین پر بچھی ہوئی سرسبز و شاداب گھاس اور اس پر جگہ جگہ خود رو پھولوں کے ننھے ننھے کنج آنکھوں کو نئی روشنی بخش رہے تھے۔ جیسے ہی گاڑی کی رفتار سست ہوئی اور پھر وہ رُکی تو مادام پیری نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

اور پھر اس کی نگاہیں پہاڑی پر بنی ہوئی قلعہ نما عمارت کو دیکھنے لگیں۔

کچھ دیر وہ عمارت پر نگاہیں جمائے رہی۔ پھر اس کے منہ سے نکلا۔

”یہ کون سی جگہ ہے...... رچر لیموس......؟“

لیموس نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا تھا تو مادام پیری پھر بولی۔

”مجھے تو کوئی فیکٹری وغیرہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کیا ہی حسین اطراف

ہیں اس کے۔ جس نے بھی اس جگہ پر فیکٹری بنائی ہے، اس نے سچی بات یہ ہے کہ اس علاقے پر ظلم کیا ہے کیونکہ یہ خوب صورت علاقہ تو کوئی پکنک اسپاٹ ہونا چاہئے تھا۔“

اس بارے میں بھی ڈاکٹر رچر لیموس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ دانیال نے حیرانی سے کہا۔

”میں نے بھی پہلی بار ہی اس علاقے کو دیکھا ہے۔“

پیری نے عمارت کے اندر بنے ہوئے ایک وسیع گنبد کو دیکھا اور ایک بار پھر ڈاکٹر رچر لیوس سے مخاطب ہو کر بولی۔

”یہ کس قسم کی فیکٹری ہو سکتی ہے......؟ ڈاکٹر رچر......! اور واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے کبھی اس طرف آنا نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ ہمارے شہر ہی کا ایک حصہ ہے اور میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی کوئی سرکاری حیثیت ہے...... یا اگر ہے بھی تو اس کی سیکورٹی کے کوئی خاص انتظامات نہیں کئے گئے۔ کیونکہ ہماری کار کو بھی راستے میں کسی نے نہیں روکا۔“

ڈاکٹر رچر لیموس کے چہرے پر ایک خوف ناک سی مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔ وہ اپنی پُراسراری خاموشی سے جیسے سسپنس پیدا کر رہا تھا اور یقینی طور پر وہ اس میں کامیاب بھی تھا۔

دیر تک پھر مسلسل خاموشی طاری رہی۔ دانیال بدستور گاڑی روکے اس حسین علاقے کی خوب صورتی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پیری کے چہرے پر اب کسی قدر جھنجلاہٹ کے آثار پیدا ہوئے اور اس نے کہا۔

”تمہارا رویّہ اور انداز بہت تبدیل ہوتا جا رہا ہے رچر......! یوں لگ رہا ہے جیسے تمہیں اپنی کامیابیوں پر غرور ہوتا جا رہا ہے۔ غرور بری چیز نہیں

ہے۔ انسان اگر کسی سلسلے میں محنت کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے تو یہ اس کا حق ہوتا ہے۔ لیکن ان ساتھیوں کے ساتھ جو اس کے غرور کی تعمیر میں ....''

پیری نے اتنا ہی کہا تھا کہ رچرڈ لیموس نے ہاتھ اُٹھایا اور بولا۔

''ایک منٹ ....! ایک منٹ ......! ایک منٹ .....! صبر بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ تھوڑا سا انتظار کر لینے میں کوئی حرج تو نہیں ہوتا۔ یہ فیکٹری نہیں ہے میڈم.....! یہ پلاٹینیم پروسیسنگ پلانٹ ہے۔''

''کیا ہے.....؟''

''پلاٹینیم پروسیسنگ پلانٹ.....! جہاں U-235 اور U-35 کو U-39 میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ سمجھ رہی ہیں آپ یہ سب کچھ.....؟ اگر آپ کی ننھی سی کھوپڑی میں یہ بات سما سکتی ہے تو اس پر غور کر کے مجھے بتایئے کہ آپ نے کیا سمجھا.....؟''

رچرڈ لیموس نے ایک ہی سانس میں یہ سب کچھ کہہ دیا اور پھر اپنے ہاتھوں کی اُنگلیاں ایک دوسرے میں اس طرح پھنسا لیں کہ جیسے وہ اس وقت شدید جذباتی ہیجان میں مبتلا ہو۔

''آہ.....! میں نہیں سمجھی.....! تم اپنی سائنس دانی کا رعب ان لوگوں پر جماتے ہو جو سائنس کی ''الف'' سے بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ بیچارہ دانیال تو خیر کسی گنتی میں نہیں۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ مجھے آسان الفاظ میں سمجھاؤ.....!''

پیری کے لہجے میں ایک حکمیہ انداز تھا۔ جس کے نتیجے میں ڈاکٹر رچرڈ لیموس کے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

پیری اس مسکراہٹ کو کوئی نام نہیں دے سکی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں

ڈاکٹر لیموس کے رویے سے اس کا دل اندر سے ضرور دھک دھک کرنے لگا تھا۔ ڈاکٹر رچرڈ کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ کے انداز میں پھر کچھ الفاظ نکلے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس وقت پیری یا دانیال سے مخاطب نہیں ہے بلکہ اس کی ساری گفتگو صرف اپنی ذات کے لئے ہے۔ وہ کہنے لگا۔

''پلاٹینیم سونے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔''

یہ وہ زبان تھی جسے پیری نے فوراً ہی سمجھ لیا۔ سونے سے زیادہ قیمتی والی بات اس کے لئے بہت دلکش تھی۔ ایک دم ہی اس کا چہرہ بھی کھل اُٹھا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، دانیال کی آواز اُبھری۔

''پلاٹینیم میں ایسی کیا خاص بات ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے.....؟''

دانیال کا یہ سوال شاید رچرڈ لیموس کو زیادہ دلچسپ محسوس ہوا تھا۔ کیونکہ عام طور سے وہ دانیال کو ایک معمولی سا انسان سمجھتے ہوئے زیادہ تر اس کی بات پر کبھی توجہ نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس وقت دانیال نے جو سوال کیا تھا، وہ رچرڈ لیموس کے لئے کافی دلچسپی کا باعث تھا۔

اس نے کہا۔

''سونے سے تم صرف سنسنی پیدا کر سکتے ہو۔ ایٹمی دھماکے نہیں کر سکتے۔ کیا بات تمہاری سمجھ میں آئی.....؟''

رچرڈ لیموس نے آسان الفاظ میں دانیال پر سونے اور پلاٹینیم کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ اچانک ہی پیری جو کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی، آہستہ سے سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کہیں تمہارا یہ پروگرام تو نہیں ہے کہ تم اس لڑکے کے ذریعے ایٹم

بم چوری کرانا چاہتے ہو......؟''

پیری نے شاید یہ الفاظ ازراہِ مذاق کئے تھے یا وہ ڈاکٹر رچرلیموس کی طنزیہ گفتگو کے جواب میں کوئی ایسی بات کہنا چاہتی تھی کہ جو ڈاکٹر رچرلیموس کو بری لگے اور اس کا یہ انداز واقعی رچرلیموس کو پریشان کر گیا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کی جگہ اچانک ہی غصے اور حقارت نے لے لی۔

اس نے خونی نگاہوں سے پیری کو دیکھا اور پیری کی نگاہیں جب اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں تو وہ خوفزدہ سی ہوگئی۔ اس نے بالکل غیر اختیاری طور پر دانیال کی جانب رُخ کیا تھا۔ اسی وقت رچرلیموس کی سرد اور غراتی ہوئی سی آواز اُبھری۔

''پلاٹینیم دُنیا کی سب سے زیادہ طاقت ور اور تابکاری پیدا کرنے والی دھات ہے۔ ہم وہاں جا رہے ہیں جہاں ایٹمی پلانٹ مین اس کی پروسیسنگ کی جاتی ہے۔ کیا سمجھے تم لوگ......؟ اور وہاں سے ہم کسی بھی شہر پر ایٹمی تابکاری کے بادل بھیج سکتے ہیں۔ اب تمہاری سمجھ میں آیا ہوگا کہ میں تم سے کیا کہنا چاہتا ہوں......؟''

پیری کے بدن میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوگئی۔ اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

''لیکن میں کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتی۔ شاید ہم میں سے کوئی بھی کسی کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔''

پیری کے لرزیدہ جسم میں تھرتھراہٹ مزید تیز ہوگئی اور اس کا احساس اس کی آواز سے بھی ہوتا تھا۔ جواب میں ڈاکٹر رچرلیموس پیری کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس وقت اس کے سامنے ایک چھوٹی سی بچی بیٹھی ہو۔ پیری واقعی

اتنی دُور تک نہیں سوچ سکتی تھی، جتنی گہرائی تک رچرلیموس جیسا مجرم سائنس دان سوچ سکتا تھا۔

''تم فکر مت کرو......! وہ ایسا ہونے بھی نہیں دیں گے۔ اس سے پہلے ہی ہمارے مطالبات تسلیم کر لئے جائیں گے۔''

ڈاکٹر رچرلیموس نے چند لمحے توقف کے بعد کہا اور پھر براہِ راست پیری کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''کبھی تم نے سوچا ہے کہ اگر تمہارے اکاؤنٹ میں اربوں نہیں بلکہ کھربوں ڈالر جمع کر دیئے جائیں تو تمہاری کیا کیفیت ہوگی......؟ ڈارلنگ پیری......!''

پیری نے محسوس کیا کہ اس کے دورانِ خون میں اچانک ہی تیزی آگئی ہے۔ اس وقت اس کا پارٹنر پہلی بار اس زبان میں گفتگو کر رہا تھا جو پیری کے لئے ایک پسندیدہ زبان تھی اور جسے وہ ایک لمحے کے اندر سمجھ لیتی تھی۔

''اربوں، کھربوں، ڈالر......؟''

اس کے حلق سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی اور خاموشی چھا گئی۔ خدا جانے وہ حساب کتاب کرتی ہوئی کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی......؟ اس دوران ڈاکٹر رچرلیموس نے پیری کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر دُور سامنے ایٹمی پلانٹ کی طرف دیکھا اور گویا خود سے ہم کلام ہوا۔

''یہ تو صرف پہلا قدم ہے۔ اس کے بعد میرے منصوبے اور کیا ہیں......؟ میں کیا کچھ کرنا چاہتا ہوں......؟ اس کا کوئی بھی تصور نہیں کر سکتا۔ لیکن اپنے اس پہلے ہی قدم سے میں دُنیا کا سب سے انسان بن جاؤں گا۔ کیا سمجھ رہی ہو تم......؟''

''میں تو جو کچھ سمجھ رہی ہوں وہ الگ بات ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ یمن میں اس پُرامن ایٹمی پلانٹ کی کہانیاں مستقل اخبارات سناتے رہتے ہیں۔ بے شک یہ ایٹمی پلانٹ ہے لیکن اس کے باوجود میں محسوس کر رہی ہوں کہ ابھی تک مجھے اس پلانٹ کے تحفظ کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔''

جواب میں رچرڈ لیموس ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

''تمہارا چھوٹا سا ذہن صرف دولت کے حصول کے لئے کہانیاں سوچتا رہتا ہے۔ تمہاری آنکھیں کبھی دُور تک کی گہرائیوں کو تلاش نہیں کر سکتیں۔ کیا سمجھیں تم......؟ بجائے اس کے کہ اس وقت فضول باتوں پر غور کرو، ذرا یہ سوچو کہ کیا تم یمن کی سب سے دولت مند عورت نہیں بن جاؤ گی......؟ یہ یہ تم چاہتی تھیں اور اسی کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ تم دُنیا کی سب سے دولت مند خاتون کہلاؤ گی جس کا تعلق یمن سے اور اس کے شہر المروجہ سے ہوگا اور میں...... میں دُنیا کا سب سے طاقتور انسان کہلاؤں گا۔ کیا سمجھیں......؟ چلا دانیال......! گاڑی آگے بڑھاؤ......!''

دانیال ایک جیسے چونک پڑا یہ ساری گفتگو اس کے لئے بھی جیسے سنسنی خیز تھی اور سوچ رہا تھا کہ ان دو انسانوں کے درمیان خلوص کی اپنی حیثیت کیا ہے۔ بہرحال اس نے گاڑی آگے بڑھائی اور پانچ منٹ کے بعد وہ ایٹمی پلانٹ کی پہلی چیک پوسٹ پر تھے۔ اس چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد ہی وہ پلانٹ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے۔

چیک پوسٹ پر دو باوردی گارڈز موجود تھے۔ جبکہ ایک گارڈ ایک کیبن نما کنٹرول روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ جہاں سے وہ کلیئر کا اشارہ پاتے ہی ایک بٹن کو دبا کر لوہے کے مضبوط پھاٹک کو کھول دیتا۔

گارڈ نے مرسڈیز کو دُور سے ہی رُکنے کا اشارہ کیا تھا۔ دانیال نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کے لئے اپنے اعصاب کو سنبھالا اور پھر اس کا ہاتھ نہ جانے کس طرح ریڈیو تک پہنچ گیا۔ ریڈیو سے اس وقت موسیقی پیش کی رہی تھی۔ موسیقی کے ریکارڈ نے دانیال کو کسی حد تک حوصلہ دیا اور اس کے کپکپاتے ہوئے قدم کسی بھی لمحے ایکسی لیٹر پر دباؤ ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ایٹمی پلانٹ کے دونوں گارڈز یقینی طور پر ایٹمی پلانٹ میں داخل ہونے کے لئے ہر کار اور ہر آنے والے شخص سے واقف تھے۔ سیاہ مرسڈیز اور اس کی نمبر پلیٹ ان کے لئے اجنبی تھی۔ شاید اسی لئے مرسڈیز کی طرف بڑھتے ہوئے وہ نہ صرف پوری طرح چونکے تھے، بلکہ ان کے چہرے پر کسی قدر سختی بھی پھیلی ہوئی تھی۔

اسی وقت پیری نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا دیا۔ اس کے اس عمل سے دونوں گارڈز اسی سے مخاطب ہوئے۔

''جی میڈم......! ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں......؟''

''میں ٹالکم پاؤڈر فروخت کرنے آئی ہوں۔ تمہیں یقیناً اس کی ضرورت ہوگی۔''

پیری نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے اور اس کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ اس کو کوئی سخت بات کہنا چاہتے تھے کہ اچانک ہی فولاد کا مضبوط پھاٹک کھلتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی گویا مرسڈیز کو پَر لگ گئے۔ دونوں گارڈز صرف چلاتے ہی رہ گئے۔ لیکن دانیال نے ایکسی لیٹر پر جتنا دباؤ ڈالا تھا، اس کے تحت مرسڈیز جیسی شاندار گاڑی کو اسی طرح پرواز کرنی چاہئے تھی۔

دانیال شاید پاگل ہی ہوگیا تھا۔ ورنہ عام حالات میں وہ اس قدر بہادر انسان نہیں تھا۔ اس نے سامنے سے آنے والے ٹرک کو ایک خوف ناک ڈاج دیا اور ٹرک ڈرائیور نے بے قابو ہو کر ٹرک کو اُلٹا دیا۔ دانیال اب موسیقی پر باقاعدہ تھرک رہا تھا اور پھر ڈاکٹر رچرڈ نے اسے اشارہ کیا اور دانیال نے اشارہ پا کر مرسڈیز کو ایک بلند ٹاور کے قریب روک لیا۔

''ریحان......!''

ڈاکٹر رچرڈ لیوس مائنڈ کنٹرول پوائنٹ پر ریحان سے مخاطب ہوا۔

''اس فولادی ٹاور کو بغور دیکھو۔ یہاں سے سیکورٹی کو ہدایات دی جاتی ہیں۔ اس کنٹرول ٹاور کے فریکوئنسی کنٹرول بکس کو جام کر دو۔ پیری اور دانیال اس وقت کنٹرول ٹاور ایک دھماکے کے ساتھ اُڑ جانے کی توقع کر رہے تھے۔ لیکن دھماکے کی کوئی آواز انہوں نے نہیں سنی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ کنٹرول ٹاور کیبن سے ایک دُھواں سا اُٹھنے لگا اور رچرڈ کے اشارے پر مرسڈیز ایک بار پھر آگے بڑھ گئی۔

ادھر کنٹرول ٹاور سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک عمارت کے اندر بیٹھا ہوا ایک شخص ویڈیو مانیٹر اسکرین پر دُھواں سا پھیلتا ہوا دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور دوسرے لمحے وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک دوسرے کمرے کی طرف بھاگا۔

''ارے......! ارے......! اوہو......! یہ کیا ہوگیا......؟''

اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ پھر وہ ایک بڑے پینل پر مختلف بٹنوں کو چھیڑنے لگا۔ مزید دو منٹ گزرنے کے بعد مرسڈیز نے تین خطرناک موڑ کاٹے تھے اور اس کے بعد ڈاکٹر رچرڈ لیوس کے اشارے پر

دانیال نے ایک عمارت کے سامنے مرسڈیز روک دی اور اس کے بعد مرسڈیز کے دروازے کھلے۔ نہ صرف پیری اور دانیال بلکہ ساتھ ہی ساتھ پچھلی سیٹوں سے اپنی اپنی سمت سے دروازے کھول کر ڈاکٹر رچرڈ اور دوسری طرف سے ریحان صلاغی بھی نیچے اُتر آئے اور ٹہلنے کے سے انداز میں عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔

اس مرتبہ بھی عمارت کا دروازہ خود بخود ہی کھلتا چلا گیا تھا۔ فرنس بلڈنگ کے تینوں سیکورٹی گارڈز خوفزدہ ہو کر اپنے کیبن سے باہر نکلے تھے۔ لیکن اتنی دیر میں خودکار دروازہ بند ہو چکا تھا اور وہ چاروں افراد اندر داخل ہو کر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ پھر جتنی دیر میں انہوں نے دروازہ کھولا، وہ چاروں اجنبی افراد فرنس کے کسی حصے میں گویا روپوش ہو گئے تھے۔

اس وقت ڈاکٹر لیوس کی چال میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ وہ خود کو بے انتہا طاقت کا مالک سمجھنے لگا تھا اور شاید اس احساس کا شکار تھا کہ اب اسے روکنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔

ٹام اس وقت بے انتہاء تھک چکا تھا۔ وہ دیوار کے سائے میں چند لمحوں کے لئے ستانے کے لئے رُک گیا۔ اور اس کی لمبی زبان باہر نکل آئی۔ وہ ہانپ رہا تھا۔

وہ ٹیکسی اس سے صرف چند منٹ کے فاصلے پر آ کر رُکی تھی اور ٹیکسی ڈرائیور فٹ پاتھ پر کھڑے شخص سے مخاطب ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''کدھر جانا ہے مسٹر......؟ مجھے راستہ بتائیے......!''

''لیمین اسٹریٹ مارکیٹ......!''

فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے شخص نے جواب دیا۔

اور پھر ٹیکسی ڈرائیور کے اقرار میں گردن ہلانے پر ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ ٹام شاید ایسے ہی کسی لمحے کا منتظر تھا۔ اس شخص کو شاید اندازہ بھی نہ ہو

سکا کہ اس کی ٹانگوں کے پاس سے کیا چیز گزری ہے ؟ اور اسے ہلکا سا دھکا کیسے لگا ہے......؟ البتہ ٹام بڑی ہوشیاری کے ساتھ پچھلی سیٹ پر گردن ڈال کر بیٹھ گیا تھا اور ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی تھی۔

ٹیکسی کا دروازہ خودبخود ہی بند ہو گیا تھا۔ سڑک پر اس وقت بھی ٹریفک کا بہت زیادہ رش تھا۔ ٹام خود کو بہت خوش قسمت سمجھ رہا تھا۔ اس وقت اسے قدرت کی مہربانی سے شاید اس شہر کا سب سے زیادہ تیز رفتار ٹیکسی ڈرائیور میسر آیا تھا۔ کیونکہ جس رفتار سے وہ ٹیکسی چلا رہا تھا اور جس قسم کی آوازیں ٹائروں سے نکل رہی تھیں، اس سے ڈرائیور کی بے پناہ مہارت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

ٹام تو خیر ایک جانور تھا۔ کوئی انسان بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس وقت کس کس کا ذہن کس کس کے کنٹرول میں ہے۔ ٹام کے حلق سے ایک مدہم سی آواز نکلی تھی۔ خدا جانے ٹیکسی ڈرائیور نے اسے کیا سمجھا......؟ وہ سامنے دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''اگر آپ کو اس سے بھی زیادہ جلدی ہے جناب......! تو میں اس سے بھی زیادہ تیزی سے آپ کو آپ کی منزل تک پہنچا سکتا ہوں۔ کیا سمجھے......؟''

پتہ نہیں ڈرائیور کے ذہن پر کیا چیز سوار تھی......؟ وہ سڑک پر رینگتی ہوئی ٹریفک میں سے مزید تیزی سے راستہ بنانے لگا۔ وہ مسلسل بولے جا رہا تھا۔

''میں اس شہر کا سب سے زیادہ تیز رفتار ڈرائیور ہوں۔ آپ کسی سے بھی پوچھ لیں۔ ہر ٹیکسی ڈرائیور آپ کو بتا دے گا کہ ہمدان اس شہر کا سب سے

تیز رفتار ڈرائیور ہے۔ لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میری ٹیکسی پر آج تک ایک بھی خراش نہیں آئی۔"

ٹیکسی ڈرائیور ہمدان مسلسل ایکسی لیٹر پر دباؤ بڑھا رہا تھا۔ اس دوران ٹام کے منہ سے ایک بار پھر اپنی مخصوص آواز نکلی لیکن ہمدان نے اس مرتبہ بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

وہ اپنی ہی تعریف میں نہ جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا......؟

"اکثر لوگوں کی میری بارے میں یہ رائے ہے کہ میں ایک ریس ڈرائیور ہوں اور اُصولی طور پر مجھے دُنیا میں ہونے والی بڑی بڑی کار ریسوں میں حصہ لینا چاہئے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے......؟"

نہ جانے پھر کس طرح ٹام کے منہ سے پھر وہی آواز نکلی تھی۔ لیکن پاس سے گزرتی ہوئی ایک گاڑی کے ہارن کے شور میں دب گئی تھی۔

پھر ہمدان کو ایک موٹر سائیکل سوار کو بچانے کے لئے بریک بھی لگانے پڑے تھے اور گاڑی کو زِگ زیگ بھی کرنا پڑا تھا۔ ٹام نے اس وقت بمشکل تمام خود کو اپنی سیٹ پر سنبھالا لیکن ہمدان بڑے مزے کی چیز تھا۔ دوسرے لمحے اس نے پھر وہی ڈرائیونگ شروع کر دی تھی۔

اور ٹیکسی سڑک پر خراٹے بھر رہی تھی۔ ہمدان کے چہرے سے اس بات کا قطعی کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک خطرناک ایکسیڈنٹ سے بال بال بچا ہے۔ وہ اپنی بک بک مسلسل جاری رکھے ہوئے تھا۔

"اکثر ٹیکسی ڈرائیوروں کو یہ بیماری ہوتی ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ بولتے رہنا پسند کرتے ہیں۔ چاہے ان کی سواری ان کی آواز سن رہی ہو یا نہ سن رہی ہو۔"

اس نے کہا۔

"لوگوں کی رائے میرے بارے میں کچھ بھی ہو لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ایک انتہائی محتاط ڈرائیور ہوں۔ میں پورے اُنیس سال اور گیارہ مہینے سے ٹیکسی چلا رہا ہوں اور میں نے ٹیکساس، لندن اور فرانس میں ٹیکسی چلائی ہے۔

اس دوران نہ میرا کبھی ایکسیڈنٹ ہوا نہ ہی کبھی گاڑی پر کوئی خراش آئی۔ بس ایک مہینے کی بات اور ہے۔ پھر مجھے اپنی شاندار ڈرائیونگ کرنے کی وجہ سے محکمہ ٹریفک کی طرف سے گولڈ میڈل دیا جائے گا۔

ایک سوال کر سکتا ہوں سر......! کیا آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی گولڈ میڈل لیا ہے......؟"

ٹام ساری باتیں سمجھ رہا تھا۔ اپنے طور پر وہ ہر بات کا جواب بھی دیتا جا رہا تھا۔ تبھی ہمدان نے کہا۔

"آپ تو کچھ بولتے ہی نہیں ہیں جناب......! اس قسم کے لوگ جو کم گفتگو کرتے ہیں، میرے تجربے کے مطابق بھاری ٹپ دینے والے لوگ ہوتے ہیں۔"

گویا ہمدان نے خود اپنے آپ کو سمجھایا۔ اور یہ یہ مناسب سمجھا کہ اب خاموش ہو کر ڈرائیونگ کرے۔ اسے مکمل یقین تھا کہ جس طرح تیزی سے وہ اس مسافر کو لایا ہے، اس کے بدلے اسے بھاری ٹپ ملے گی۔ لیکن مطلوبہ سڑک پر پہنچ کر اس کی نظر بیک گلاس پر پڑی۔ پہلی نگاہ میں تو وہ کچھ نہیں سمجھ پایا۔ مگر گردن موڑ کر پچھلی سیٹ پر دیکھتے ہی اس کا پیر بریک پر دبتا چلا گیا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس ٹیکسی میں ایک مسافر کی جگہ ایک کتا

مزے سے لیٹا ہوا ہے۔ ہمدان کی گردن ابھی پچھلی سیٹ کی طرف ہی تھی۔ پھر زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی اس کی گردن سامنے کی طرف گھومی۔ اس کی بیس سالہ محتاط ڈرائیونگ کا ریکارڈ ٹوٹ گیا تھا۔

وہ بری طرح بدحواس ہوگیا۔ بھلا کوئی عقل کی بات تھی کہ اس نے اپنی ٹیکسی میں ایک مسافر کی جگہ ایک کتے کو بٹھا لیا تھا اور مسلسل کتے سے گفتگو کرتا چلا آرہا تھا۔ اس پر دیوانگی سی طاری ہوگئی اور وہ پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچتا ہوا ٹیکسی سے اُترا۔

اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پوری قوت سے ٹام کے ایک لات رسید کی۔ ٹام کو مکمل طور پر اس بات کا یقین تھا کہ آخرکار یہ سفر کسی ایسے ہی حادثے پر ختم ہوگا۔ چنانچہ وہ کوئی احتیاط کئے بغیر ایک طرف روانہ ہوگیا اور اس کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی ہمدان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے ساتھ ہی وہ اپنی ٹیکسی کے زخم بھی دیکھتا جارہا تھا۔ لیکن ٹیکسی کی ٹوٹ پھوٹ سے زیادہ اسے اپنے شاندار ریکارڈ کے ٹوٹ جانے کا افسوس تھا۔

ابھی وہ اس واقعے کو صرف ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ اس کا ازلی دشمن پولیس انسپکٹر، حلیب اپنی پیٹرول کار سے اُتر کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

انسپکٹر حلیب کے چہرے پر پھیلی ہوئی عجیب وغریب مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ ایک طویل عرصے کے بعد ہمدان پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ہمدان اپنا رونا دھونا بھول کر اس حادثے کی وضاحت کرنے لگا۔

''آپ یقین کیجئے جناب......! جب میں نے اس مسافر کے لئے اپنی ٹیکسی روکی، جس نے مجھے رُکنے کا اشارہ کیا تھا تو میں نے یہ ہی سمجھا کہ وہ

مسافر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا ہے۔ آپ شاید اس بات کا یقین نہ کریں، اس کتے کے بچے کو میں نے چار بلاک دُور سے اپنی ٹیکسی میں سوار کرلیا تھا اور ایک انتہائی محتاط سفر طے کیا تھا۔''

''جس مسافر سے تمہیں ٹپ نہیں ملتی، تم اسے کتا ہی کہتے ہو ناں......؟ یہ تمہاری پرانی عادت ہے۔''

پیٹرول پولیس انسپکٹر حلیب نے پچھلی جیب سے چالان بک نکالی اور بولا۔

''اس کے بعد تم یہ ہی کہو گے کہ جس وقت تم نے گردن موڑ کر پچھلی سیٹ پر دیکھا تو وہ کتے کا بچہ تمہیں ٹپ دیئے بغیر فرار ہوگیا۔ یقینی طور پر اس نے تمہیں ٹیکسی کا کرایہ بھی نہیں دیا ہوگا...... کیوں......؟ یہ ہی کہو گے نا......!''

اس کے بعد ہمدان کے لئے کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور آنکھیں بند کرکے سر کو جھٹکے دینے لگا۔

❁ ❁ ❁

اُداس تو وہ چاروں ہی تھے۔لیکن شیری سب سے زیادہ دُکھی نظر آ رہا تھا۔ چاروں اپنی رہائش گاہ میں بیٹھے ہوئے زریچہ کے بارے میں ہی گفتگو کر رہے تھے۔ان میں سے ایک نے کہا۔

''اس دُنیا کی مخلوق لگتی ہی نہیں تھی۔ عجیب وغریب صلاحیتوں کی مالک بھلا دوسروں کے خیالات اس طرح پڑھ لینا، جسے جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے سامنے ہو رہا ہے۔کوئی معمولی بات تو نہیں تھی......؟''

''البتہ ایک بات میں ضرور سوچ رہا ہوں۔''

دوسرے نے کہا۔

''کیا......؟''

تیسرے نے پوچھا۔

''جس طرح وہ لوگوں کے خیالات پڑھ لیتی ہے یا پڑھ لیتی تھی۔''

''نہیں......! شیری کے سامنے لفظ ''تھی'' استعمال نہ کرو...... اس کے دل کو دُکھ ہوگا۔''

تیسرے دوست نے از راہِ مذاق کہا اور شیری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تلاش کرنے لگا۔لیکن شیری کا چہرہ بدستور لٹکا ہوا تھا۔

''تو کیا کہہ رہے تھے تم......؟''

''میں کہہ رہا تھا کہ جس طرح وہ دوسروں کے خیالات پڑھ لیتی ہے تو کیا اس نے شیری کے خیالات نہیں پڑھیں ہوں گے......؟''

''کون سے خیالات......؟''

''یہ ہی کہ شیری اس سے محبت کرنے لگا ہے۔''

شیری نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور گردن جھٹکتا ہوا بولا۔

''نہیں......! بے شک میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔لیکن یہ بات بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں اس کی محبت کے قابل نہیں تھا۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ صاحب حیثیت، صاحب تعلیم اور پھر خوب صورت تھی۔

بھلا اس کے دل میں میرے لئے کیا محبت پیدا ہوسکتی ہے......؟ جو کہ عجیب وغریب صفات کی مالک تھی۔ کیا کہا جا سکتا ہے......؟ اور کیا نہیں کہا جا سکتا......؟''

اسی وقت انہوں نے ٹام کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ پہلے تو وہ چاروں اسے کوئی آوارہ کتا سمجھے تھے۔لیکن آوارہ کتا اس قدر صاف ستھرا کیسے ہوسکتا ہے......؟

''یہ کتا......شاید یہ کتا بھوکا ہے......؟''

ان میں سے ایک نے تبصرہ کیا۔

"لے جاؤ اسے کچھ کھانے کو دو...... !"

کتے کے سامنے دودھ رکھا گیا لیکن اس نے دودھ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک نے کتے کو بھگانے کی کوشش کی لیکن ٹائم زریجہ کے بستر پر چڑھ گیا۔

"کاش اس وقت زریجہ یہاں ہوتی تو وہ اس کتے کی سوچ کو پڑھ لیتی کہ یہ ہم سے کیا چاہتا ہے......؟"

ان میں سے ایک نے کتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

زریجہ کا نام سنتے ہی ٹام نے بستر پر اُچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ ان چاروں کو یہ احساس دلانا چاہتا ہو کہ یہ نام ہی اس کے لئے باعث اہمیت ہے اور پھر شاید یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ایک لڑکے نے سب سے پہلے یہ بات نوٹ کی۔

"ارے دیکھو......! اسے دیکھو......! کہیں اس کتے کو زریجہ نے تو نہیں بھیجا......؟"

ٹام اس سوال پر بھونکنا بند کر کے خاموشی کی زبان میں گویا اقرار کرنے لگا۔

"دیکھو...... دیکھو...... ذرا غور سے دیکھو......! عجیب سے انداز میں جیسے وہ واقعی ہمیں کچھ بتانا چاہتا ہو۔"

ٹام مسلسل اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ ان چاروں کو تھوڑی دیر کے بعد یقین آ گیا کہ کتا زریجہ کے ذکر پر بھونکنا بند کر کے بستر سے خود کو دروازے تک جاتا ہے اور پھر بستر پر آ کر اُچھل کود شروع کر دیتا ہے۔

"یارو......! میرا تو خیال اب یہ ہے کہ ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہئے۔ ضرور کتا ہمیں کچھ سمجھانا چاہتا ہے۔"

شیری جلدی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سب سے پہلے اس کتے کے پیچھے جانے کے لئے تیار تھا۔

ٹام کو اس کے علاوہ ہدایت ہی کیا تھی۔

زریجہ نے ذہنی طور سراسے مکمل طور پر کنٹرول کیا ہوا تھا۔ اس کی ذہنی قوتیں اس کی بینائی کو جو احساس دلا رہی تھیں، ان میں ایک طرف وہ لوگ تھے، یعنی ڈاکٹر رچرڈ لیموس اور اس کا پیارا بھائی ریحان وغیرہ تو دوسری طرف وہ ٹام کو بھی اپنی نگاہوں میں رکھے ہوئے تھی۔

ٹام ایک دم سے آگے بڑھنے لگا اور وہ لوگ اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ وہ آگے آگے تھا اور لڑکے اس کے پیچھے پیچھے۔ راستے میں کچھ لوگوں نے ٹام کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ شاید وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ چاروں لڑکے ٹام کو تنگ کرنے کے لئے پکڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن صرف آدھے گھنٹے کی ریس میں ہی وہ چاروں ہانپ گئے۔

آہستہ آہستہ ان کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی اور وہ لوگ مایوسی کی باتیں بھی کرنے لگے تھے۔ ٹام کے لئے البتہ یہ خطرناک لمحہ تھا۔ لیکن اچانک ہی شیری نے گویا ان لوگوں میں ایک نئی اُمنگ پھونک دی۔ وہ بولا۔

"ارے......! یہ تو وہی جگہ ہے جہاں ہم نے کالی مرسڈیز کا تعاقب کیا تھا۔"

"ہاں......! بالکل وہی جگہ ہے۔"

اس کے ساتھ ہی چاروں کے چہروں پر سرخی پھیل گئی۔ ٹام ان

چاروں کو خوش دیکھ کر ایک بار پھر بہت تیز دوڑنے لگا اور آخرکار یہ لوگ پیری پیلس پہنچ گئے اور یہاں آکر یہ ریس ختم ہوگئی۔

پیری پیلس کے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ وہ چاروں مایوسی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ لیکن یہ مایوسی اس وقت حیرت انگیز خوشی میں تبدیل ہوگئی جب کتا ایک جگہ سے اندر داخل ہوگیا اور اس نے ان کے لئے ایک کھڑکی کھول دی۔ یہ شاید کتے کی جانی پہچانی جگہ تھی یا پھر اس کا انتخاب بھی زریجہ نے اپنی ذہنی قوتوں سے کرلیا تھا۔

یہ اندر داخل ہونے کا کوئی مخصوص راستہ تھا اور اس کے بعد وہ چاروں اس راستے سے اندر داخل ہوگئے۔ انہوں نے ٹام کو دیکھا جو ان کے اندر آنے کا منتظر تھا۔ وہ انہیں لئے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں زریجہ ایک شیشے کے تابوت میں قید تھی۔

وہ چاروں زریجہ کو اس حالت میں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے خوفزدہ ہوگئے لیکن پھر شیری کی محبت عود کر آئی۔ جو ہو رہا ہے اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس کتے نے پتہ نہیں کس کے اشارے پر یہاں تک ان کی راہنمائی کی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ بھی زریجہ کی انوکھی قوتوں کا ایک مظاہرہ ہو۔ لیکن اب اسے اس شیشے کے تابوت سے نجات دلانا ان لوگوں کا فرض تھا۔

چنانچہ وہ اس کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔ شیری نے شیشے کے احرام نما تابوت کے نٹ، بولٹ کو کھولنے کی کوشش کی۔ اس کے ایک ساتھی نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے کچھ اور کارروائیاں شروع کر دیں اور ان کارروائیوں کے نتیجے میں زریجہ شیشے کے اس تابوت سے آزاد ہوگئی۔

سب سے پہلے دولڑکوں نے زریجہ کے ہاتھ پاؤں کو آزاد کیا اور وہ

اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اپنے دوستوں کو دیکھا۔ شیری اب اسے سہارا دیئے ہوئے بیٹھا تھا۔ جبکہ باقی دوست ہاتھ پاؤں سہلا رہے تھے۔ ان چاروں کی مخلصانہ جدوجہد سے زریجہ کی تمام تر جسمانی قوتیں واپس آگئیں اور وہ پوری طرح تندرست ہوگئی۔

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے.....؟''

ان چاروں نے زریجہ کو بہتر حالت میں دیکھ کر ایک ساتھ سوال کیا اور جواب میں اس کے چہرے پر ناقابل بیان مسرت پھیلتی چلی گئی۔

''تم سب کا شکریہ.....! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہارا یہاں آنا میری بڑی بہتری کا باعث ہے۔''

''لیکن تم یہاں پہنچ کیسے گئیں زریجہ.....؟''

اس بار بھی انہوں نے مشترکہ طور پر ہی سوال کیا تھا اور زریجہ اپنے یہاں پہنچنے کے واقعے کو یاد کرتی رہی۔

وہ کچھ دیر اپنی یادداشت کو ٹٹولتی رہی اور پھر بے اختیار بستر سے اُچھل کر نیچے آگئی۔ اس کے حلق سے چیختی ہوئی آوازیں نکلیں۔

''ریحان.....! ریحان کہاں ہے.....؟ اس نے مجھے یہاں بلایا تھا..... اور..... اور..... اور وہ سب کہاں گئے.....؟ آہ.....! وہ سب کہاں گئے.....؟ آؤ.....! ذرا میرے ساتھ.....!''

اس نے کہا اور اس کے بعد لڑکوں نے اس کے پیچھے پیچھے دوڑ لگا دی۔

زریجہ اب یہاں ایک ایک کمرے کو جھانکتی پھر رہی تھی۔

''تم کن لوگوں کی بات کر رہی ہو زریجہ.....؟''

آخر کار شیری نے زریجہ کا دیوانہ وار راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت وہ لیبارٹری کے اس حصے میں موجود تھے جہاں زریجہ نے آخری بار اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔

''آہ......! میرا بھائی......! میرا بھائی......!''

زریجہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ عمارت مکمل طور پر خالی ہے۔ زریجہ......! ہم اسے دیکھ چکے ہیں۔ تم یقیناً یہاں کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔''

شیری نے اسے نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔ اس کے لہجے میں سے اس محبت کا اظہار بخوبی ہو رہا تھا جو اس کے دل میں موجود تھی اور اس بات کے امکانات ان لحات میں ضرور ہو سکتے تھے کہ زریجہ محبت بھرے اس لہجے کو محسوس کرے جب دونوں مطمئن اور مسرور ہوتے۔

عمر چاہے سو سال کے لئے سو گئی ہو یا ہزار سال کے لئے...... ہر دور کی اپنی ایک مانگ ہوتی ہے اور اس مانگ کی تکمیل کی آرزو بھی۔ لیکن زریجہ کو اس وقت اپنے بھائی کی تلاش تھی۔ اس کے دل میں محبت کا ایک ہی جذبہ موجزن تھا اور وہ تھا اس کا بھائی۔ جو نہ جانے کیسی کیسی مشکلات میں پھنسا ہوا تھا۔ زریجہ نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنے بھائی ریحان کو تلاش کرنے لگی۔

اس وقت وہ اپنی ٹیلی پیتھک پاور کو مکمل طور پر استعمال کر رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس کی سوئی سوئی آواز اُبھری۔

''میں ایک بہت بڑا گنبد دیکھ رہی ہوں۔ ریحان بھی اس گنبد کے اندر ہے۔ ہاں......! وہ ہے...... مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اسی گنبد کے نیچے موجود ہے۔''

زریجہ کا چہرہ ہیجانی انداز میں اپنا عکس پیش کر رہا تھا۔ وہ مسلسل اپنی آنکھوں پر دباؤ ڈال کر جیسے اندھیرے میں واضح طور پر کچھ دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے کہا۔

''یہ گنبد بہت بڑا ہے۔ بہت ہی بڑا گول اور سفید رنگ کا۔ ایک گولے کی شکل میں۔''

''کیا......؟''

اچانک ہی شیری کے ایک ساتھی کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔ پھر وہ کہنے لگا۔

''شیری......! زریجہ جس جگہ کا ذکر کر رہی ہے، میرا خیال ہے یہ جگہ میری دیکھی ہوئی ہے۔'' اس کے یہ الفاظ زریجہ کے لئے بم کا دھماکہ ہی ثابت ہوئے تھے۔ اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور بے اختیارانہ لہجے میں بولی۔

''خدا کے لئے......! خدا کے لئے مجھے فوراً اس جگہ لے چلو۔ دیر مت کرو......! دیر مت کرو......! جلدی جلدی......!''

اس نے ان میں سے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور برق رفتاری سے باہر کی طرف دوڑی۔ وہ ایک وقت میں تین تین سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی تہہ خانے سے باہر نکلی تھی اور پھر بھاگتے بھاگتے جیسے اچانک اسے کچھ یاد آیا۔

وہ رُکی اور بے اختیار ہو کر واپس تہہ خانے کی جانب بھاگنے لگی۔ نہ جانے اسے کیا یاد آیا تھا۔

چاروں لڑکے عجیب سے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ اس بار انہوں نے اس کا پیچھا نہیں کیا تھا۔ شیری کی تو جو بھی کیفیت ہو سو ہو...... لیکن باقی تینوں لڑکے محسوس کر رہے تھے کہ زریجہ پاگل پن کی حدود میں داخل ہوگئی

ہے اور دیوانہ وار حرکتیں کر رہی ہے۔ جبکہ زریجہ کو جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

وہ واپس تہہ خانے میں اُتر گئی۔ تہہ خانے کے کمرے میں ٹام سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

زریجہ نے فوراً ہی جھک کر ٹام کا سر اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور ٹام کے حلق سے ایک عجیب ہی آواز نکل گئی۔ زریجہ کے محبت بھرے انداز نے اسے دم ہونے پر مجبور کر دیا۔ زریجہ نے آہستہ سے کہا۔

''میرے دوست......! میں زندگی بھر تمہارے اس احسان کو نہیں بھولوں گی۔ اس بات کو تم بھی یاد رکھنا۔''

کتے نے پھر زریجہ کے لفظوں کا کچھ جواب دیا تھا۔ لیکن زریجہ نے وہ جواب نہیں سنا تھا اور ایک بار پھر بیرونی دروازے کی جانب چل پڑی تھی۔

❁ ❁ ❁

ڈاکٹر رچر لیموس بھی اپنی زندگی کی شدید ترین جدوجہد میں مصروف تھا۔ وہ اور اس کے تینوں ساتھی بڑی ہوشیاری کے ساتھ فرنس بلڈنگ کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ اس وقت وہ کوریڈور میں تھے اور ان کے قدموں کی آواز نے خاموشی کو کسی پُراسرار اور انوکھی دھن میں بدل دیا تھا۔

وہ چاروں آہستہ آہستہ اس حصے کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں ایک باوردی گارڈ انٹرکام پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس وقت بالکل اس بات کا موقع نہیں تھا کہ وہ کسی بھی طرح اپنے آپ کو گارڈ کی نگاہوں سے چھپا رکھتے۔ ظاہر سی بات ہے کہ گارڈ نے انہیں دیکھ لیا تھا اور انہیں دیکھتے ہی وہ بے اختیار اُچھل پڑا اور پھر اس کی غرائی ہوئی آواز اُبھری۔

''رُک جاؤ......! رُکو ایک منٹ......ٹھہرو...... ہالٹ......!''

مگر ان چاروں پر اس گارڈ کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے گارڈ کا نام اس وردی پر لکھا ہوا دیکھا جو عام نام نہیں تھا۔

''تم لوگ اس جگہ سے نہیں جا سکتے...... آخر تم لوگ ہو کون......؟ چلو اپنی شناخت کراؤ......رُکو......! شاید تم میری آواز سن نہیں رہے۔''

جواب میں رچر لیموس نے مائنڈ کنٹرول یونٹ کو لبوں سے لگا کر ریحان کو مخاطب کیا۔

''گارڈ کو ہمارے شناختی کارڈ دکھاؤ ریحان......!''

گارڈ کا ایک ہاتھ غیر اختیاری طور پر شناختی کارڈ لینے کے لئے آگے بڑھا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے نہ صرف اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے بلکہ آنکھیں بھی پھیلتی گئیں۔

وہ کسی خودکار لفٹ کی طرح ہوا میں بلند ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی اور اس کا چہرہ خوف و دہشت کی تصویر بن چکا تھا۔ چھت بے شک اُونچی تھی لیکن جس تیزی سے وہ کسی لفٹ کی طرح ہوا میں بلند ہوتا جا رہا تھا، اس سے چھت کی بلندی بے مقصد ہو کر رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ اس کا سر چھت سے زوردار آواز کے ساتھ جا کر ٹکرایا اور اس کے حلق سے آخری آواز بھی نہ نکل سکی اور کچھ لمحوں کے اندر ہی اندر گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔

اس کے بعد ان کا یہ کام ختم ہوا تو وہ آہستہ آہستہ اس دروازے کی جانب بڑھے جو ٹھوس فولاد کا کمپیوٹرائزڈ دروازہ تھا۔

''اور اب تم جانتے ہو ریحان......! کہ تمہیں کیا کرنا ہے......؟''

رچر لیموس نے مسکرا کر ریحان کی طرف دیکھا۔

ریحان نے دروازہ کھولنے میں صرف دس سیکنڈ صرف کئے تھے اور

اب وہ چاروں سیڑھیاں اُتر رہے تھے۔

ان چار سیڑھیوں کا اختتام دوسرے دروازے پر ہوا جس میں سرخ رنگ سے نمایاں طور پر یہ الفاظ تحریر تھے۔

''خطرہ......!''

''ایٹمی بھٹی......!''

''غیر متعلق افراد کا داخلہ سخت ممنوع ہے......!''

پیری کے قدم رُک گئے۔ ان الفاظ کو پڑھ کر وہ ایک عجیب سے تجسس کا شکار ہو گئی تھی۔ اس قسم کے کمپیوٹرائزڈ دروازے کا وجود تو کسی بینک میں ہی ہو سکتا ہے اور یہ تالا بھی کسی بینک کا ہی لگتا ہے۔ اندر بہرحال جو کچھ بھی تھا وہ اسے فوری دیکھنا چاہتی تھی۔

ادھر ڈاکٹر رچر لیموس اپنے اس ربوٹ سے بھرپور کام لے رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''دروازہ کھولو ریحان......!''

حکم ملتے ہی ریحان نے دروازے کو گھورنا شروع کر دیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے دروازوں کے پٹوں کے درمیان میں پھنسی ہوئی فولادی اسٹیل کی دو دو فٹ کی سلاخیں جنہوں نے دروازہ کو تالا لگا رکھا تھا، ایک دوسرے میں پھنسی پھنسی ٹوٹ گئیں اور فولادی دروازے کے دونوں پٹ چوپٹ کھل گئے۔

رچر لیموس نے مسکرا کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور ان چاروں کے اندر داخل ہوتے ہی ریحان نے لیموس کے حکم پر دروازے کو تالا لگا دیا۔

ڈاکٹر رچر لیموس مطمئن ہو کر سر ہلانے لگا۔ فولادی اسٹیل کی دونوں سلاخوں کو پُراسرار ریحان کی ذہنی قوت نے دوبارہ ویلڈ کر دیا تھا۔ رچر اس

وقت بہت زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس نے پیری اور دانیال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور تم لوگ مجھے اس دور کا عظیم سائنس دان ماننے کے ساتھ ساتھ اس دور کا عظیم دماغ بھی تسلیم کرو گے۔ فی الحال تم دونوں اور اس کے بعد ساری دُنیا۔

تم نے دیکھا کہ میں نے اپنی ضرورت کے اس ننھے سے جوان کو کس طرح اپنے جال میں پھانسا اور اب کس طرح میں اس سے کام لے رہا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مائی ڈیئر لیموس...... ! لیکن تم نے ابھی تک یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ آخر یہ بہن بھائی ہیں کون......؟ اور ان کے اندر یہ سائنسی قوت کہاں سے موجود ہیں......؟ کیا یہ سائنٹسٹ ہیں یا جادوگر......؟

چونکہ سائنس کا جادو تو جس طرح زیرِ عمل ہے، کسی حد تک میں بھی جانتی ہوں۔ تم تو خیر ہو ہی سائنس دان۔ لیکن گوشت و پوست کے بنے ہوئے ایسے دو بچے جن کی عمریں بھی زیادہ نہیں ہیں اور جو کسی کے ٹرانس میں آ کر بآسانی وہ کام کر سکتے ہیں جو کسی انسانی بس میں نہ ہو، ہیں کون......؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ ان کا تعلق کسی سیارے سے ہے...... یا پھر وہ......''

''اور یہ ہی فرق ہے مجھ میں اور تم میں...... مادام پیری......! میں ضرورت کا کام پہلے کر لیتا ہوں اور اس کام کو کرنے والے اوزاروں پر بعد میں توجہ دیتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ اوزار میرے تیار کئے ہوئے نہ ہوں۔ جو اوزار میں خود تیار کرتا ہوں، ان کے سلسلے میں ظاہری بات ہے کہ میں پہلے مکمل طور پر غور کرتا ہوں اور اس کے بعد عمل...... میری بات لازمی طور پر تمہاری سمجھ میں آ رہی ہوگی......؟''

''ہاں......! شاید......؟''

پیری نے کسی قدر بد دلی سے کہا اور اس کے بعد وہ لوگ یہاں سے آگے بڑھ گئے۔ پھر چند لمحوں کے بعد ہی پیری اور دانیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس غیر مانوس سی مشینوں کو دیکھ رہے تھے جن کے وہ ناموں سے بھی ناواقف تھے۔

ایک بہت بڑی مشین ہال کے عین درمیان اس طرح ایستادہ تھی کہ اس کے اندر سے پائپوں کا ایک طویل سلسلہ نکل کر مختلف سمتوں میں جا رہا تھا۔ اس کنٹینر نما مشین کے ایک جانب سیڑھیاں بھی لگی ہوئی تھیں اور اس کے آس پاس مشین کا جائزہ لینے کے لئے ایک چھوٹا سا راستہ بھی موجود تھا۔ یہ سیڑھیاں گھومتی ہوئی آخر کار ایٹمی پلانٹ کے گنبد تک چلی گئی تھیں۔ مشین کے اندر سے آنے والی ''گھوں، گھوں'' کی آواز پورے ہال میں پھیلی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر رچہ کچھ لمحوں تک تو اس مشین کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ صرف وہ واحد شخص تھا جسے اس طرح کی مشینوں کے متعلق حیرت انگیز معلومات تھیں۔ ورنہ باقی لوگ تو حیرانی کے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ رچہ نے مشین کا اچھی طرح جائزہ لیا اور اس کے بعد وہ اس مشین کے عین درمیان میں ایک دروازہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر وہ کسی حیرت کا اظہار کئے بغیر اندر داخل ہوگیا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ اس حیرت انگیز مشین کے کنٹرول روم میں تھا۔ جہاں اَن گنت ڈائل، بٹن اور میٹر لگے ہوئے تھے۔ ان پر بلاشبہ سینکڑوں کی تعداد میں بلب جل بجھ رہے تھے۔ ڈاکٹر رچہ لیموس کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس خارج ہوئی اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھے بغیر ان سے مخاطب ہوا۔

''سنا مادام پیری......! اور اے بے وقوف شخص......! جس کا نام دانیال ہے...... اور انوکھے نوجوان......! جس پر مکمل ریسرچ کے بغیر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو کون ہے......؟ تیرا تعلق کس سیارے سے ہے......؟ یا زمین ہی کے کسی حصے سے...... مگر شاید تو بھی صرف اپنے فن میں یکتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اس وقت ہم کہاں موجود ہیں......؟

میں ڈاکٹر رچرڈ لیموس سائنس کی دُنیا میں ایک نئی تاریخ صرف کر رہا ہوں...... بالکل نئی تاریخ......''

رچرڈ لیموس کے چہرے پر انتہائی خوفناک مسکراہٹ تھی۔ وہ اس وقت انسان لگ ہی نہیں رہا تھا۔ بس یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زمانۂ قدیم کا کوئی روایتی جادوگر اپنے مکمل جادو کے ساتھ جدید دُنیا میں آ گیا ہو۔ اس کے بعد وہ ریحان سے مخاطب ہوا۔ جس کی نگاہوں کے لئے یہ سب غیر مانوس تھا۔

''اور میں تجھے جو کچھ بتا رہا ہوں تو اپنے ذہن میں اسے محفوظ کر کیونکہ تیری ذہنی قوتوں کا مقابلہ میں خود بھی نہیں کر سکتا۔ اس مشین کے بارے میں جو کچھ میں تجھے بتا رہا ہوں وہ تجھے اپنے ذہن کے ڈیپارٹمنٹ میں فیڈ کرنا ہے۔''

یہ کہہ کر ڈاکٹر رچرڈ ریحان کو اس مشین کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔ وہ ریحان کو مختلف ڈائلوں اور بٹنوں کے متعلق ایک ایک معلومات دے رہا تھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ریحان ہر بٹن کی نوعیت اور اس کے فنکشن کے متعلق آگاہ ہو چکا ہے تو اس نے ریحان کو دوسرا حکم دیا۔

''میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تم اس ایٹمی بھٹی کے کولنگ سسٹم کو بند کر دو۔ اس طرح کہ ایمرجنسی بیک اَپ بھی بند ہو جائے...... کیا سمجھے......؟ تم

اسے ٹھنڈا کرنے کے نظام کو بند کر دو...... کیا سمجھے......؟ تم اس کے ٹھنڈا کرنے کے نظام کو بند کر دو......!''

ڈاکٹر رچرڈ مسلسل اپنی بات کو دہرا رہا تھا اور اس وقت اس کی آواز بھی حیرت انگیز طور پر بدلی بدلی سی تھی۔

ریحان نے اپنے سر کو سمجھنے والے انداز میں جنبش دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے کام کو سمجھ گیا ہے اور اس میں مصروف ہو گیا ہے۔ اس کا چہرہ لحہ بہ لحہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ گویا وہ اس وقت بہت طاقت اور محنت کا کام کر رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کے گلے کی رگیں پھولتی جا رہی تھیں۔ ریحان کی ان اُبلتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر پیری نے خوفزدہ ہو کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ریحان کی یہ کیفیت تقریباً تیس سیکنڈ تک برقرار رہی۔ اس کے فوراً بعد ان سب نے مشین کی ''گھوں گھوں'' کی آواز میں واضح طور پر تبدیلی محسوس کی۔ اس آواز میں اب ایک دوسری آواز بھی شامل ہو گئی تھی جو ہال کی دیواروں کے دوسری طرف سے آ رہی تھی اور یہ آواز لحہ بہ لحہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

مین کنٹرول روم جو اسی عمارت کے دوسرے حصے میں واقع تھا، ایک مانیٹر آفیسر کی نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا۔ کمپیوٹر مانیٹر اسکرین پر خطرے کی سرخ لائٹ دیکھ کر مانیٹر آفیسر اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

اگرچہ وہ ایک بے حد ذمے دار آدمی تھا لیکن اس وقت نہ جانے کیوں اس کے اعصاب ایک دم سے اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ اس نے ایک لمحے کے اندر اندر آپریشن انچارج کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

آپریشن انچارج کے چہرے پر ایک پل کے لئے موت کی سی زردی

پھیل گئی تھی لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"ضرور کسی سرکٹ میں خرابی ہوگئی ہے۔ کولنگ سسٹم کو دوبارہ اسٹارٹ کرو۔"

یہ کہہ کر آپریشن انچارج بھاگتا ہوا مانیٹر آفیسر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ نہ صرف مانیٹر آفیسر کی انگلیوں کو بغور دیکھ رہا تھا، بلکہ مانیٹر اسکرین پر نمودار ہونے والے کوڈ کی ترتیب بھی چیک کر رہا تھا۔

کوڈ مکمل کرنے کے بعد مانیٹر آفیسر نے کمپیوٹر کولنگ سسٹم دوبارہ اسٹارٹ کرنے کا حکم دیا۔ مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ خطرے کی سرخ روشنی اب اسکرین پر جل بجھ رہی تھی۔

مانیٹر آفیسر نے ایک دوسرا بٹن دبا کر اپنے لکھے ہوئے کوڈ کو اسکرین سے صاف کیا اور دوبارہ کوڈ داخل کرنے لگا۔ لیکن دوسری بار بھی ناکامی ہوئی اور اب وہ بری طرح بدحواس ہوگیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے......؟ مانیٹر آفیسر......! یہ کیا ہو رہا ہے......؟"

آپریشن انچارج کے حلق سے دہشت بھری آواز ابھری۔

"مجھ سے کولنگ سسٹم اسٹارٹ نہیں ہو رہا۔"

مانیٹر آفیسر کے چہرے پر موت کی زردی پھیل گئی تھی۔

"ایک منٹ......! ایک منٹ......! بدحواس ہونے کی ضرورت نہیں......!"

آپریشن انچارج نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔

"بیک اپ سسٹم کو سیٹ کرو......!"

اس نے حکم دیا تو مانیٹر آفیسر نے چونک کر اپنے باس کے چہرے کو

دیکھا۔ جیسے اسے اس کی دماغی صحت پر شبہ ہوگیا ہو۔

"نہیں......! یقینی طور پر تمہاری حیرت بجا ہے۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم پہلی دفعہ اس قسم کے الفاظ سن رہے ہو۔

سنو......! میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ عام حالات میں جب کولنگ سسٹم ٹھیک کام کر رہا ہو تو اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن کسی خطرناک صورت میں ایمرجنسی بیک اپ ہی ایک راستہ ہے...... کیا سمجھے......؟"

آپریشن انچارج نے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور ایک انتہائی خفیہ خانہ کی بورڈ پر نمودار ہوگیا۔ اس خفیہ خانے سے مانیٹر آفیسر آج تک لاعلم تھا۔ آپریشن انچارج پوری احتیاط کے ساتھ ایک ایک بٹن دبا رہا تھا اور اس تسلسل میں وہ اپنی صرف ایک انگلی استعمال کر رہا تھا۔

عام حالات میں دس گز کے فاصلے کے لئے بھی وہ لوگ انٹرکام یا واکی ٹاکی استعمال کرتے تھے۔ لیکن اس وقت وہ کولنگ سسٹم انجینئر کی واضح آواز سن رہے تھے۔ جو برابر کے کمرے سے پکار رہا تھا۔ انجینئر کی آواز کا ان دونوں کا سن لینا بھی ایک معجزہ ہی تھا۔ کیونکہ اس عمارت کا ہر کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔

"آہ......! یہ کیا ہوا......؟ یہ کیا ہوا......؟"

دونوں کے حلق سے بیک وقت بدحواسی کے عالم میں نکلا تو آپریشن انچارج نے کہا۔

"آؤ...... اٹھو...... ہری اپ......! ہری اپ......!"

دونوں بدحواس ہو کر انجینئر کے کمرے کی جانب لپکے تھے اور بالکل

غیر متوقع طور پر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ جبکہ اس کی اجازت قطعی طور پر نہیں ہوتی تھی۔

ہر شخص کی اپنی ایک ذمہ داری تھی اور ہر شخص اس ذمہ داری کو پورا کرتا تھا۔ کسی بھی طرح کی بدعنوانی ناقابل برداشت ہوتی تھی اور اس کے کسی شخص کو بھی اختیارات نہیں تھے۔ لیکن اس وقت آپریشن انچارج اور مانیٹر آفیسر کو دیکھ کر انجینئر کے منہ سے صرف ایک آواز نکلی تھی۔

''تھرمواسٹیٹ انڈیکیٹر...... تھرمواسٹیٹ انڈیکیٹر......''

انجینئر کے منہ سے پوری بات نہیں نکل رہی تھی۔ اس کی اُنگلی مسلسل ایک جانب اُٹھی ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے......؟ کیا بات ہے......؟''

آپریشن انچارج کے حلق سے پھٹی پھٹی آواز نکلی۔

''بھٹی میں درجہ حرارت بڑھ گیا ہے سر......! کولنگ سسٹم میں کوئی بڑی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔''

انجینئر کی اس رپورٹ کے بعد آپریشن انچارج کتنے ہی لمحوں تک یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکا کہ اسے کیا کرنا چاہئے......؟ وہ دوبارہ بیک اَپ سسٹم کو چیک کر چکا تھا۔

ایٹمی بھٹی کے اس حصے میں کام کرنے والے تمام ہی افراد نہایت مستعد، ہوشیار اور دیانتدار لوگ تھے۔ ان کی طرف سے معمولی سی غفلت کا بھی ایک فیصد امکان نہیں تھا۔

آپریشن کے دوران کسی غلطی اور خرابی کا امکان تقریباً ناممکنات میں سے تھا۔ بیک اَپ سسٹم میں کسی فنی خرابی کا امکان اگرچہ نظر انداز نہیں کیا جا

سکتا تھا لیکن یہ امکان دس لاکھ مرتبہ آپریشن اسٹارٹ کرنے پر صرف ایک بار ممکن تھا۔

یہ پُرامن استعمال کے لئے تیار کیا ہوا ایٹمی پلانٹ دُنیا کے بہت بڑے بڑے اور ذمے دار ممالک کی حفاظت میں تھا اور اس کا تعلق حکومت یمن سے نہیں تھا بلکہ اس کا پس منظر بہت ہی پُراسرار اور عجیب وغریب تھا اور اس کے لئے ایک پوری کہانی تھی۔ جسے انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا اور اس کا منظر عام پر آنا ناممکنات میں سے تھا۔

اس طرح سے یہاں ہر طرح کے انتظامات کئے گئے تھے اور یہ حفاظتی انتظامات ایسے ذہین لوگوں کے سپرد تھے، جو دُنیا کے لئے بڑی پُراسرار اہمیت رکھتے تھے۔ ان کی طرف سے معمولی سی غفلت کا بھی ایک فیصد امکان نہیں تھا۔ اسی طرح آپریشن کے دوران کسی غلطی اور خرابی کے امکانات تقریباً ناممکنات میں سے تھے۔

بیک اَپ سسٹم میں کسی فنی خرابی کا امکان اگرچہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ بالکل ٹھوس حقیقت تھی کہ یہ امکان دس لاکھ اسٹارٹ کرنے کے بعد صرف ایک بار ممکن تھا۔

آپریشن انچارج کی پہلی ذمے داری یہ تھی کہ وہ ڈائریکٹر ایٹمی پلانٹ کو فوراً اس خوف ناک صورتِ حال سے آگاہ کر دے۔ لیکن اس سے پیشتر کہ آپریشن انچارج ڈائریکٹر کو فون کرتا، انجینئر روم میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور آپریشن انچارج نے تیزی سے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف سے سنائی دینے والی آواز بے حد سرد اور گونجتی ہوئی تھی۔

''کنٹرول......؟''

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ آپریشن انچارج نے جلدی سے کہا۔

''یس سر......! کون بات کر رہا ہے......؟''

''میرا نام تمہارے لئے شناسا نہیں ہوگا۔ تم میری بات سنو......! میں نے تمہارا کولنگ سسٹم بند کر دیا ہے۔''

سرد آواز میں بے حد خود اعتمادی اور ٹھہراؤ تھا۔ آپریشن انچارج سے چند لمحوں تک کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

''او کے......!''

لیکن کم از کم تم مجھے اپنے نام سے تو آگاہ کرو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ کولنگ سسٹم بند ہو جانے سے کیا صورتِ حال پیدا ہو سکتی ہے......؟ کیا تم کسی قیمت پر مجھے اپنا نام بتانا پسند نہیں کرو گے......؟''

دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر کہا گیا۔

''میرا نام ڈاکٹر رچرڈ لیموس ہے۔''

''او کے......! ڈاکٹر رچرڈ لیموس......! اگر تم نے کولنگ بند کی ہے تو اسے فوراً اسٹارٹ کر دو......!''

آپریشن انچارج کے لہجے میں جو خوف تھا، وہ چھپائے نہیں چھپ سکتا تھا۔ دوسری طرف پیری جو رچرڈ لیموس کی نئی باتوں کو سن رہی تھی، سرسراتی آواز میں بولی۔

''اسے بتاؤ مائی ڈیئر......! کہ کولنگ سسٹم کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے کی کیا قیمت ہوگی......؟''

پیری اپنی ہی زبان میں بات کر رہی تھی۔ لیکن رچرڈ لیموس نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

اس نے فون پر کہا۔

''مسٹر انچارج......! اب سے ٹھیک تیس منٹ کے بعد میں فضاء میں ایٹمی تابکاری کے بادل خارج کر دوں گا۔ اگر تم نے میری شرائط نہ مانی۔''

''کیسی شرائط......؟''

دوسری طرف سے فوراً ہی سوال کیا گیا۔

''تھاؤزنٹ ملین ڈالر کیش...... ایک ائیر پورٹ پر ایک جیٹ ہوائی جہاز کو بحفاظت روانگی کے لئے تیار کر دو...... اور یہ ایک ہزار ملین ڈالر وہاں محفوظ ہونے چاہئیں۔ تم یہ بات نوٹ کر لو اور اپنے بڑوں کو بھی آگاہ کر دو کہ میری روانگی میں دخل اندازی بڑی مہنگی ثابت ہوگی۔ کیونکہ میں ڈاکٹر رچرڈ لیموس نا صرف مالیکیولرز کی طاقت پر دسترس رکھتا ہوں بلکہ میں انسانی دماغوں کو کنٹرول کرنا بھی جانتا ہوں۔

اور یہ سب تو ابھی ابتداء ہے...... کیا سمجھے......؟ صرف ابتدا......!''

پیری جو ڈاکٹر رچرڈ کی باتیں سن رہی تھی، اس وقت بڑی عقیدت مندانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے اس کے مطلب کی بات کی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایک ہزار ملین ڈالر کیش کا حجم کیا ہوگا......؟ اور اس کے لئے کتنے بڑے بڑے کارٹن درکار ہوں گے......؟ اور خود اس کے اپنے حصے میں کتنے ڈالر آئیں گے......؟

لیکن ابھی وہ انہیں سوچوں میں گم تھی کہ سائرن کی تیز آوازوں نے اس کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دی۔ اس نے گھبرا کر ڈاکٹر رچرڈ کی طرف دیکھا۔ لیکن رچرڈ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد دوڑتے بھاگتے قدموں کی آوازیں آنے لگیں اور پیری نے انتہائی دہشت بھرے لہجے

میں کہا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے.....؟ ڈاکٹر.....! وہ لوگ..... وہ لوگ.....''

''نہیں ڈارلنگ.....! میری بوڑھی محبوبہ.....! تم بالکل بے فکر رہو.....! اب اس فولادی دروازے کو کوئی بھی نہیں توڑ سکتا۔ اس فولادی دروازے کو کمپیوٹر کوڈ کے بغیر ہرگز نہیں کھولا جا سکتا اور اب اس کا کمپیوٹر کوڈ خود اس کے تالے میں پھنس کر رہ گیا ہے۔''

یہ کہہ کر رچرڈ لیموس نے ایک ہذیانی قہقہہ لگایا اور دانیال اپنے بدن میں موجود تھرتھراہٹ کو نہیں روک سکا۔ البتہ پیری غیر مطمئن نہیں تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اس بہت بڑے آپریشن کے نتیجے میں ڈاکٹر رچرڈ لیموس نے اور کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ دولت ہی کا مطالبہ کیا ہے۔

❀ ❀ ❀

زریجہ نے اس عمارت کو دیکھتے ہی مایوسی سے گردن ہلا دی۔

''یہ وہ عمارت ہرگز نہیں ہے۔ اس عمارت کا گنبد تو اس سے بہت بڑا تھا۔''

اس نوجوان لڑکے نے پر اپنی یادداشت کو ٹٹولا۔ لیکن اس نے پورے شہر میں ایسی کوئی عمارت نہیں دیکھی تھی۔ جس کا گنبد اس عمارت کی طرح ہو جس کی نشان دہی زریجہ نے کی تھی۔

وہ چاروں کسی ایسی عمارت کے بارے میں سوچنے میں ناکام ہو گئے جو زریجہ کے خیالوں کے عین مطابق ہو۔ جس کا گنبد گول، سفید اور بہت بڑا ہو۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ ایک منی بس کے ٹائروں کی چرچراہٹ

ان کے بالکل قریب آ کر رُک گئی اور ڈرائیونگ سیٹ کی طرف نگاہ پڑتے ہی اور کچھ نہ سہی لیکن چاروں لڑکے سن ہو گئے تھے۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ان کا شناسا ڈرائیور نعمان بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ نعمان کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر ان کے دلوں کو بھی سکون ہوا کہ وہ بہت بری حالت میں نہیں ہے۔ حالانکہ اس دن اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا تو وہ تو یہ ہی توقع کر بیٹھے تھے کہ نعمان اپنی منی بس کے ساتھ اس دُنیا سے رُخصت ہی ہو گیا ہوگا۔

خود انہیں وہاں سے غائب کرنے میں سیدھا سیدھا زریجہ کا ہاتھ تھا اور زریجہ شاید اپنی بدحواسی کی وجہ سے نعمان یا منی بس کا کوئی تحفظ نہیں کر سکی تھی۔

مسکراتے ہوئے نعمان نے انہیں دیکھا اور بولا۔

''پانچوں شریر دوست......! اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ کرنے والے جادوگروں کے سے انداز میں...... سناؤ......! تمہاری جادوگری کیسی گزر رہی ہے......؟ آؤ......! میرے پاس بیٹھ کر مجھ سے بات کرو......!''

نہ جانے کس خیال کے تحت وہ سب اس کی نئی منی بس میں جا بیٹھے۔ نعمان کے چہرے پر بڑی پیار بھری مسکراہٹ تھی۔

''کہو دوستو......! کیسی گزر رہی ہے......؟''

اس نے سوال کیا۔

''آہ......! نعمان......! تم تو بڑے اسمارٹ نظر آ رہے ہو......؟''

انہوں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

نہ صرف اس نے اس وقت بہت عمدہ لباس پہنا ہوا تھا بلکہ ایک طرح

سے یہ کہا جائے کہ وہ فلموں کا ہیرو لگ رہا تھا۔ تو کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس نے منی بس کا ریڈیو آن کر رکھا تھا اور غالباً سنتا ہوا جا رہا تھا کہ اس کی نگاہیں ان لوگوں پر پڑ گئیں تھیں۔

''تمہاری یہ بس تو بالکل نئی اور بہت شاندار ہے۔''

''بے وقوف لڑکو......! تم کیا سمجھتے ہو......؟ تمہارا کیا خیال تھا کہ اس بس کی تباہی کے بعد مجھے میری نوکری سے نکال دیا جاتا......؟ یہ بات نہیں ہے...... ہم معمولی لوگ نہیں ہیں اور میں نے تو پوری زندگی ان لوگوں کے ساتھ صرف کی ہے جن کے مالک وہ بس والے تھے۔ انہوں نے میری تفصیل سنتے ہی مجھے نئی بس مہیا کر دی...... کیا سمجھے......؟''

''ارے واہ......! یہ تو بہت ہی شاندار بس ہے۔''

وہ لوگ یہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ہی نعمان نے ریڈیو سے موسیقی کا ریکارڈ بند ہو گیا۔ دوسرے لمحے اناؤنسر کی بے حد سنجیدہ آواز سنائی دی۔ وہ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اناؤنسر کہہ رہا تھا۔

''خواتین و حضرات......! سرکاری طور پر بتایا گیا ہے کہ المروجہ میں انٹرنیشنل ونگ سے بنائے گئے پُرامن ایٹمی پروگرام میں اچانک گڑبڑ پیدا ہو گئی ہے۔ ایٹمی بھٹی کو ٹھنڈا کرنے کے سسٹم میں مالیکیولر پاور کی مداخلت کی وجہ سے بھٹی کا درجہ حرارت خوف ناک حد تک بڑھ گیا ہے۔ ایٹمی سائنس دان اس خوف ناک صورتِ حال کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں۔ فضاء میں ایٹمی تابکاری کے خوف ناک بادل کے ممکنات میں ہر گزرنے والے لمحے کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔''

یہ جملے اناؤنسر ادا کر رہا تھا۔ لیکن ان جملوں کے ساتھ ساتھ ہی زریجہ

کے دماغ کو فوراً ہی برقی جھٹکے لگنا شروع ہو گئے تھے۔

جو بات ایٹمی سائنس دان نہیں سمجھ سکتے تھے، زریجہ کے ذہن نے فوراً سمجھ لی تھی۔ یہ اس کے بھائی ریحان کے علاوہ اور کسی کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ زریجہ کے منہ سے بڑبڑانے کے انداز میں نکلا۔

''ریحان اس وقت ان جرائم پیشہ لوگوں کے قبضے میں ہے۔ لازمی بات ہے کہ انہوں نے ہی ریحان کو اس کام کے لئے مجبور کیا ہوگا۔

لیکن وہ ہے کہاں......؟ آہ......! وہ اس وقت کہاں ہیں......؟''

ریڈیو اناؤنسر کی آوار پھر اُبھری۔

''خواتین و حضرات......! ہم اس وقت ایک خوف ناک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ سرکاری طور پر یہ بات بتائی گئی ہے کہ ایٹمی پلانٹ پر چند لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ ان لوگوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر حکومت نے ان کی شرائط منظور نہیں کیں تو وہ اس ایٹمی پلانٹ کو دھماکے سے اُڑا دیں گے اور اگر ایسا ہوا تو نہ صرف ایٹمی پلانٹ بلکہ المروجہ کا پورا شہر اسی طرح لمحوں کے اندر تباہ ہو جائے گا۔ جس طرح ہیروشیما اور ناگاساکی تباہ ہوئے تھے۔ المروجہ کے رہنے والوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سرکاری طور پر ان لوگوں سے مذاکرات کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے لیکن وہ المروجہ خالی کرنے کے لئے تیار رہیں۔''

ایٹمی پلانٹ کا نام سنتے ہی زریجہ نے غیر ارادی طور پر اپنے ہونٹوں کو چبا لیا تھا۔ اسے اپنے اوپر غصہ آ رہا تھا کہ وہ گنبد نما عمارت کا مطلب کیوں نہیں سمجھ سکی......؟ اس نے اپنے ذہن کے ریڈار اسکرین پر جو گنبد دیکھا تھا، وہ اس قدر وسیع و عریض تھا کہ صرف ایٹمی پلانٹ کی عمارت کا ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے ذہن کے ریڈار پر ایک بار پھر خطرے کی نشان دہی ہو رہی تھی۔

دوسرے لمحے اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اس کے چاروں دوست اور نعمان خود بھی اسے دیکھنے لگے۔

''کیا بات ہے......؟ لڑکی......! کیا بات ہے......؟ کیا ہو گیا ہے......؟''

''آہ......! جلدی...... جلدی کرو...... جلدی کرو......!

اس بار صرف میرا بھائی ہی خطرے میں نہیں ہے بلکہ حکومت یمن کا ایک شہر المروجہ...... بلکہ وہی نہیں...... آس پاس کی بہت سی آبادیاں شدید خطرے کا شکار ہیں۔ جلدی کرو......! جلدی کرو......! میرا بھائی ایٹمی پلانٹ کے اندر ہے۔ میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔''

''مم...... مجھے...... مجھے...... تم لوگوں کو کہیں سے جانے میں تو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کہ...... کہ......''

ابھی نعمان کے منہ سے اتنے ہی جملے ادا ہوئے تھے کہ اچانک ہی منی بس کے انجن سے ''گڑ، گڑ'' کی آواز بلند ہوئی۔

چونکہ ان لوگوں کے قریب پہنچ کر ڈرائیور نعمان نے بس کا انجن بن کر دیا تھا۔ لیکن اب اچانک ہی وہ خود بخود اسٹارٹ ہو گیا۔

نعمان نے زریجہ کے متوجہ کرنے پر ہی انجن کے اسٹارٹ ہونے کا یقین نہیں کیا تھا لیکن اس کی آنکھیں ضرور پھیل گئیں تھیں۔

''جلد کرو......! میرے عزیز......! میرے محسن......! جلدی کرو......! جلدی سے اسٹیئرنگ سنبھال لو......!''

زریجہ نے اشارہ کیا اور دوسرے لمحے نعمان سنبھل گیا۔

''ارے......! مم...... میرا مطلب ہے...... میں...... تمہارے

ساتھ......“

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ منی بس کے جھٹکے نے اس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا۔

وہ شاید منی بس سے کود جانا چاہتا تھا لیکن منی بس کا اسٹارٹ ہی اتنا خوف ناک تھا کہ بے اختیار اس نے اسٹیئرنگ تھام لیا۔ دوسرے ہی لمحے منی بس کی رفتار کسی جیٹ طیارے کے برابر ہو چکی تھی۔

❁ ❁ ❁

منی بس کا ڈرائیور نعمان قدرتی طور پر مصیبت زدہ انسان تھا۔ ایک بار پوری بس ضائع ہوگئی تھی۔ لیکن اس کی دیرینہ خدمات کو نگاہوں کے سامنے رکھتے ہوئے اسے بری الذمہ قرار دے دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ اس نے منی بس کی تباہی کی جو کہانی سنائی تھی، وہ بڑی ذہانت سے ترتیب دی گئی تھی۔ جس کی بنا پر اسے معاف کر دیا گیا تھا۔

اور اب دوسری بس اس کے حوالے کر دی گئی تھی۔ لیکن اب اسے کیا کہا جائے کہ تقدیر اسے گھما گھما کر تباہی کے انہی راستوں پر لے آتی تھی۔

پانچ افراد کا یہ گروہ پہلے بھی اس کے لئے مصیبت کا باعث بنا تھا اور اس کی زندگی بال بال بچ گئی تھی جس پر وہ خود بھی حیران تھا اور اس وقت پھر وہی حالات پیدا ہوئے تھے۔

بس کے اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ ضرور تھے لیکن اس کے انجن پر اس کا کوئی قابو نہیں تھا۔ ایکسی لیٹر جس طرح دبا ہوا تھا، اگر وہ ایکسی لیٹر بریک اور کلچ پر پاؤں ہٹا کر پالتی مار کر بھی سیٹ پر بیٹھا جاتا تو بس کو تو ایک وہی کام کرنا تھا۔

وہ اس وقت نہ جانے کتنی رفتار سے ایٹمی پلانٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایٹمی پلانٹ کی پہلی چیک پوسٹ پر نعمان نے بریک لگانے کی کوشش کی تھی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

منی بس کی ایک ہی ٹکر سے فولادی دروازہ کھل گیا تھا۔ لیکن اس بار چیک پوسٹ پر موجود گارڈز کسی بھی خطرناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔

منی بس کے ایٹمی پلانٹ کی حدود میں داخل ہوتے ہی سیکورٹی کی تین گاڑیاں منی بس کو گھیرے میں لینے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگیں اور نعمان مزید بوکھلا گیا......مگر وہ کیا کرتا......؟

بس اس کے قابو میں نہیں تھی۔ سیکورٹی کی گاڑیاں پوری جان لگائے ہوئے تھیں کیونکہ تھوڑی دیر پہلے جو حادثہ پیش آیا تھا اس نے ذمہ داروں کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ چیک پوسٹوں سے اس طرح گاڑیوں کے گزر جانے کا مقصد تھا کہ چیک پوسٹ کا اسٹاف بالکل ناکارہ ہے اور لازمی طور پر اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے کے ناقابل۔

کیونکہ یہ تو انتہائی اہم ترین جگہ تھی۔ جس کی حفاظت اور غیر ذمے دار افراد کے وہاں داخل نہ ہونے دینے کی ذمے داری مکمل طور پر سیکورٹی سٹاف کے سپرد تھی۔ چنانچہ سیکورٹی کی تینوں گاڑیاں بھی جان کی بازی لگائے ہوئے

تھیں اور آخر کار انہوں نے فرنس بلڈنگ کے نزدیک منی بس کو جالیا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اچانک ہی دروازہ کھلا اور پانچ افراد اس میں سے کود کر باہر نکل گئے۔ وہ اس برق رفتاری سے فاصلہ طے کرتے ہوئے سیکورٹی فورس کی نگاہوں سے گم ہوئے تھے کہ سیکورٹی فورس دیکھتی ہی رہ گئی۔ البتہ بس کے ڈرائیور کو انہوں نے پکڑ لیا تھا۔

ادھر زریجہ اور اس کے چاروں دوست فرنس بلڈنگ میں داخل ہو کر لفٹ میں گھس گئے تھے۔ پھر سے سے پہلے کہ سیکورٹی گارڈ لفٹ کو کسی طرح روک سکتے، لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا تھا اور لفٹ اپنی منزل کی جانب چل پڑی تھی۔

ادھر آپریشن ڈیپارٹمنٹ میں بدستور ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی اور ذمے دار افراد بھاگتے دوڑتے پھر رہے تھے۔

آپریشن انچارج بھاگتے ہوئے لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ کبھی وہ انجینئر کے کمرے میں گھس جاتا تو کبھی کنٹرول روم میں اور کبھی ادھر اُدھر گھومنے لگتا۔

اس وقت بھی وہ دوڑتا ہوا بالکل اتفاقیہ طور پر اس طرف نکل آیا تھا جہاں لفٹ رُکی تھی۔ اس نے لفٹ کو اُٹھتے ہوئے دیکھا اور پھر بالکل غیر متعلقہ افراد جو نہ تو ایٹمی پلانٹ میں کام کرنے والے کارکنان کی وردی میں ملبوس تھے اور نہ ہی آپریشن انچارج کے شناسا۔

کیونکہ اس جگہ عام لوگ تو بالکل داخل ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

''یہ پانچ اجنبی یہاں کہاں سے آ گئے......؟''

اور وہ ان کی طرف دوڑا۔

"اے......! اے روکو......! اے رُک جاؤ......! اے رُک جاؤ......!"

لیکن وہ لوگ رُکنے کے بجائے خود اسی کی طرف آنے لگے تھے اور چند لمحوں کے بعد وہ اس کے قریب پہنچ گئے۔

"سنو مسٹر......! سنو......! پلیز...... میری بات کو سنو......! میرے خلاف یا ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا...... کیونکہ ہم تمہارے لئے اس وقت بہت کارآمد لوگ ہیں۔"

زریجہ ہاتھ اُٹھا کر چلائی اور آپریشن انچارج ایک لمحے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

یہ خوب صورت اور نوجوان لڑکی جس ہیجانی انداز میں اس کے سامنے آئی تھی، اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ ضرور اس کے ذہن میں کوئی خاص بات ہے۔

"ہاں......! کیا ہوا......؟ اور تم کون ہو......؟ اور یہاں کہاں سے آ گئے......؟ اس وقت تو یوں لگتا ہے جیسے ایٹمی پلانٹ پر کوئی ذمے دار شخص موجود نہیں ہے۔ جس کا دل چاہ رہا ہے، منہ اُٹھائے گھسا چلا آ رہا ہے۔ جبکہ یہ طے ہے کہ اس طرح سے خود مقامی حکومت کے وزیر اعظم بھی اندر نہیں آ سکتے۔"

"میری بات سنیں جناب عالی......! جو لوگ ایٹمی پلانٹ کو دھماکے سے اُڑا دینا چاہتے ہیں...... انہوں نے میرے بھائی کو بھی اغواء کرلیا ہے۔ اگر آپ مجھے ان تک جانے کی اجازت دے دیں تو میں انہیں اس حرکت سے روکنے کی کوشش کروں گی۔"

"تم جو کچھ کہہ رہی ہو لڑکی......! کیا تمہیں احساس ہے کہ تمہارے

الفاظ کیا حیثیت رکھتے ہیں......؟"

"مجھے پورا پورا احساس ہے جناب......! اور اگر آپ نے اس وقت میری بات نہیں مانی تو آپ دُنیا کو بہت بڑے نقصان سے دوچار کر دیں گے۔"

"یہ لڑکی ٹھیک کہہ رہی ہے سر......! آپ اسے موقع دے کر دیکھیں۔"

شیری اور اس کے ساتھی لڑکوں نے زور زور سے گردن ہلا کر اس کی تائید کی۔

"اور اگر ہم اس میں ناکام ہوئے تو آپ ہمیں جو چاہیں سزا دے سکتے ہیں۔"

اتنی دیر میں سیکورٹی والے ڈرائیور نعمان کو بھی پکڑ کر وہیں لے آئے۔ وہ قسمیں کھانے لگا۔

"آپ شاید یقین نہ کریں سر......! یہ لڑکی انتہائی حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے۔ یہ وہ سب کچھ کر دے گی جو یہ کہہ رہی ہے۔ آپ اسے موقع دیں۔"

یہ سب لوگ ایک ہی زبان بول رہے تھے۔ لیکن آپریشن آفیسر ایک عملی آدمی تھا۔ ان لڑکوں اور اس معمولی سے آدمی کی باتوں پر بھلا کیسے یقین کر سکتا تھا......؟ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جس خطرے کو روکنے میں ایٹمی سائنس دان اور دیگر ماہرین ناکام ہوگئے ہیں، ایک نوجوان لڑکی اس سلسلے میں ان کی کیا مدد کرسکتی ہے......؟

اس نے کہا۔

"بے وقوف لڑکی......! کیوں بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو......؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو......؟"

"کیا یہ وقت ایسا ہے سر.....! کہ میں آپ سے اپنا تعارف کراؤں......؟ آپ مجھے موقع تو دیجئے......!"

"اوہ......! میں تمہیں کیا موقع دوں......؟ ان لوگوں نے ایٹمی بھٹی کے کمرے کو اندر سے بند کر لیا ہے اور اس طرح بند کیا ہے کہ ہم بھی اسے کھولنے میں ناکام ہوگئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے تم میری بات نہیں سنو گے......؟"

اچانک زریجہ کے لہجے میں ایک غراہٹ پیدا ہوگئی۔

"ایمرجنسی کولنگ سسٹم......"

آپریشن انچارج نے کہنا چاہا لیکن زریجہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"ہاں......! ایمرجنسی کولنگ سسٹم کہاں ہے یہ......؟ کس طرف ہے......؟"

"پانچ منزل نیچے......!"

آپریشن انچارج کا لہجہ بھاری ہونے لگا۔

"وہاں تک جانے کا راستہ بتاؤ......!"

زریجہ تحکمانہ لہجے میں بولی اور آپریشن انچارج اسے نیچے جانے کا طریقہ بتانے لگا۔

زریجہ کے لئے اتنی ہی معلومات کافی تھیں۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے دوسری طرف گھومی۔ اس کے چاروں دوست بھی شاید ذہنی طور پر اس کام کے لئے تیار تھے۔

اب بھلا اس بات کی کیا گنجائش تھی کہ زریجہ جیسی خطرناک لڑکی جو دُنیا

کا ہر کام بڑی آسانی سے کر لیا کرتی تھی، اپنے مقصد سے باز رہے اور وہ لوگ تہیہ کر چکے تھے کہ چاہے جان کی بازی کیوں نہ لگا دینی پڑے، وہ لمحہ لمحہ زریجہ کا ساتھ دیں گے۔

چنانچہ وہ برق رفتاری سے اس کے پیچھے لپکے۔ زریجہ لفٹ کے اندر داخل ہو کر مطلوبہ فلور کا بٹن دبا چکی تھی۔ لفٹ کا دروازہ بند ہوتے ہوتے وہ چاروں بھی اندر پہنچ گئے۔ نعمان نے بھی یہ ہی کوشش کی تھی لیکن سیکورٹی گارڈ ہوشیار تھے۔ انہوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور وہ احتجاج ہی کرتا رہ گیا۔

"مجھے بھی...... مجھے بھی جانے دو...... ان کے ساتھ...... ارے......! تم لوگ دیکھنا تو سہی...... وہ لوگ کیا کر کے دکھا دیتے ہیں......؟"

لیکن آپریشن آفیسر شاید زریجہ کے ٹرانس سے نکل چکا تھا۔ اس کے اندر شدید غصہ نمودار ہوگیا تھا۔

"لڑکی......! رُک جا......! رُک جا......! میں کہتا ہوں رُک جا ورنہ تو ان چاروں کے ساتھ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گی......رُک جا لڑکی......!"

وہ لفٹ کے دروازے کے درمیان جھری پر منہ رکھ کر زریجہ کو دھمکیاں دینے لگا۔ لیکن لفٹ اب کافی نیچے چلی گئی تھی۔ اس نے انہیں فرنس روم کے کوریڈور میں اُتار دیا۔

زریجہ تیزی سے آگے جا رہی تھی اور وہ چاروں اس کا پیچھا کر رہے تھے کہ اچانک ہی ایک تیز چیخ نے انہیں اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"اے لڑکی......! میری بات سنو......! سنو......! میری بات تو سنو......!"

یہ آواز کسی حد تک اوپر سے آئی تھی۔ انہوں نے چونک کر اوپر دیکھا

اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ ایک شخص چھت کے قریب خلاء میں معلق تھا۔ یہ وہی انچارج تھا جس کو اوپر لٹکا دیا گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''خدا کے لئے مجھے نیچے اُتارو......! میں بہت دیر سے یہاں لٹکا ہوا ہوں۔''

سیکورٹی آفیسر رو دینے کے قریب تھا۔ اس کے لہجے میں التجا تھی۔

چاروں لڑکے اسے دیکھ کر ہنس پڑے لیکن پھر انہیں احساس ہوا کہ وہ واقعی بے بس ہے اور الٹا لٹک گیا ہے۔

یہ بات تو ان چار لڑکوں نے بھی سمجھ لی تھی کہ یہ کام زریجہ کے حیرت انگیز بھائی نے ہی کیا ہوگا اور اب صرف زریجہ ہی اس شخص کو یہاں سے اُتار سکتی ہے۔

''زریجہ......! اسے اُتارو......! ہوسکتا ہے یہ ہمارے کام آسکے۔''

شیری نے سفارش کی اور زریجہ نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ پھر اس نے سیکورٹی آفیسر کی طرف دیکھا اور وہ آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے ساتھ ہونے والے اس خوف ناک ڈرامے کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے قدم فرش پر ٹک گئے۔ وہ حیرت سے منہ کھولے اب بھی انہیں دیکھ رہا تھا اور اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کچھ بولنا چاہتا ہو لیکن بول نہ پا رہا ہو۔ پھر اس نے اپنے آپ کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

''تم لوگوں کا بہت شکریہ......! میں تو صحیح سلامت ہوں۔''

اس نے کہا۔

اور دوسرے لمحے اس کے اندر کا سیکورٹی آفیسر باہر آگیا۔

''ارے......! مگر تم کون ہو......؟ اور کہاں جا رہے ہو......؟ تم جانتے

ہو کہ یہ راستہ کہاں جا رہا ہے......؟ اور اب کہاں جا رہے ہو تم......؟''

''اب تم اوقات سے باہر ہو رہے ہو......!''

زریجہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''نہیں......! میں یہاں سیکورٹی آفیسر ہوں اور تم لوگ بغیر اپنی شناخت کرائے اس طرف ہرگز نہیں جا سکتے۔ ورنہ میں تمہیں......''

ابھی اس نے یہ دھمکی دی ہی تھی...... لیکن اس دھمکی کے بعد جو کچھ ہوا، وہ اسے شرمندہ بھی کر گیا اور خوفزدہ بھی۔ اس نے گھبرا کر اپنے پیروں کی طرف دیکھا۔ لیکن اب اس کے قدم فرش پر نہیں تھے۔

ایک بار پھر وہ چھت کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ اس مرتبہ اگرچہ اس کا سر چھت سے نہیں ٹکرایا تھا لیکن بے ہوش ہونے سے پہلے وہ اپنے افسرِ اعلیٰ کو دینے کے لئے بیان کر چکا تھا۔

''فرنس روم کے کمپیوٹرائزڈ دروازے کے ٹوٹے ہوئے بولٹ میری شہادت دیں گے۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ سر......! جو لوگ یہ بولٹ توڑ کر اندر داخل ہو سکتے ہیں وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک کریں وہ کم......''

اور اس کی اس سوچ نے اسے ذرا سا مطمئن کر دیا اور وہ آسانی سے بے ہوش ہو گیا۔

ادھر زریجہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔ فرنس روم کا دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا تھا اور وہ پانچوں ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر اندر داخل ہو گئے تھے۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی فولاد کا مضبوط دروازہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔ اور اس کے بند ہونے کی آواز بھی بے حد خوف ناک تھی۔ جیسے ان کی گردنوں پر کسی نے ریوالور رکھ کر ٹریگر دبا دیا ہو۔

دروازہ بند ہونے کی آواز ٹریگر دبانے کی آواز سے مشابہہ تھی۔ وہ چاروں جو خود کو فلمی ہیرو سمجھتے ہوئے زریجہ کے ساتھ ساتھ یہاں پہنچ گئے تھے، ایٹمی بھٹی کے اندر داخل ہوتے ہی کسی قدر خوف زدہ ہو گئے۔ یہاں کا ماحول بھی انتہائی خوف ناک تھا۔

چاروں طرف سے بند کمرے کی ہوا میں جیسے بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ جس نے ان چاروں کے جسموں کے رونگھٹے تک کھڑے کر دیئے تھے۔ ان کے چہروں سے مسکراہٹ اس طرح غائب ہوئی تھی جیسے کسی نے اندر سے ان کا سوئچ بند کر دیا ہو اور اب ان کے اندر انتہائی طاقتور خوف و ہراس کے بلب سے روشن ہو گئے ہوں۔ وہ ایک لمحے تک وہیں کھڑے آنکھیں پھاڑتے رہے۔

زریجہ البتہ آگے بڑھ گئی تھی اور جب انہیں یہ احساس ہوا کہ ایک تنہا لڑکی ان سے کہیں زیادہ نڈر اور بے خوف ہے تو ان کے اندر غیرت کی لہریں نمودار ہوئیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور آہستہ قدموں سے آگے بڑھ گئے۔ یہ واقعی ایک خطرناک مرحلہ تھا اور شاید ان کی زندگی کا آخری معرکہ بھی۔ پھر ان کے سامنے وہ مشین آگئی اور وہ چاروں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عجیب و غریب مشین کو دیکھتے رہے۔ جو بلاشبہ ٹرین کے دو ائیر کنڈیشن ڈبوں کے برابر تھی۔

مشین کے چاروں طرف موٹے فولادی پائپوں کا جال پھیلا ہوا تھا جو دوسرے کمروں اور گنبد کی طرف جا رہے تھے۔ ان پائپوں کے اندر سے اس وقت بھی کسی سیال کے بہاؤ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مشین کے اندر سے آنے والی ''گڑ، گڑ'' کی آوازیں وسیع ہال اور گنبد کی وجہ سے شدید گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور فضاء میں ایک عجیب سی گڑگڑاہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی یہاں کوئی بہت ہی ہولناک اور جان لیوا حادثہ ہونے والا ہے۔

ان سے کچھ فاصلے پر زریجہ کھڑی ہوئی اس حیرت انگیز مشین کا جائزہ لے رہی تھی۔ جس کے چاروں طرف انتہائی طاقتور برقی لہروں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ ان لہروں کا اخراج لازمی طور پر ریحان کے دماغ سے ہو رہا تھا اور صرف زریجہ تھی جو ان نظر نہ آنے والی لہروں کو دیکھ سکتی تھی اور انہیں پہچان بھی سکتی تھی۔

ایک لمحے تک اس نے ان لہروں کو غور سے دیکھا اور پھر یہ سوچنے لگی کہ یہ لہریں کہاں سے کہاں تک جا رہی ہیں۔ اس کے بعد ظاہر ہے اسے وہ کرنا تھا جو لہروں کی راہنمائی میں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی نگاہوں نے ان لہروں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ان برقی لہروں نے بیس فٹ نیچے ایک کمرے میں کولنگ کرنے والی مشین کے گرد اپنا جال بن رکھا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی مکڑی کسی زندہ مکھی کے گرد جال بن کر اسے اُڑنے سے روک دے۔

ریحان کے دماغ سے خارج ہونے والی ان بے پناہ اور بے انتہاء طاقتور لہروں نے مشین کو اپنی گرفت میں جکڑ کر اس کے کولنگ سسٹم کو جام کر دیا تھا۔

زریجہ اپنی تمام تر ذہنی قوتوں سے یہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کولنگ مشین سے لپٹی ہوئی لہروں کا سرا ڈھونڈتی رہی۔ آخر کار ایک منٹ سے بھی کم وقت میں اس نے ان لہروں کا سرا ڈھونڈ لیا اور اس کے بعد وہ مصروفِ عمل ہو گئی۔ وہ مخالف سرے سے ان لہروں پر اپنے

ذہن کی لہروں کو لپیٹ رہی تھی اور تھوڑی ہی دیر میں کولنگ مشین کے گرد زریجہ کے اپنے ذہن سے خارج ہونے والی برقی لہروں کا ایک دوسرا جال بن گیا۔

اگرچہ ایسا کرنا انتہائی خوف ناک تھا لیکن زریجہ کے پاس اس خوف ناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ زریجہ کے وہ چاروں دوست حیرت سے گنگ ہوئے لمحہ بہ لمحہ زریجہ کی اس بدلتی ہوئی حالت کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں ذرّہ برابر اس بات کا تجربہ نہیں تھا۔ کسی لڑکی کا چہرہ اگر سرخ ہو تو اتنا سرخ ہو جائے جیسے اس پر سرخ رنگ کا پینٹ کر دیا گیا ہو۔

زریجہ کی آنکھیں تیز بلب کی طرح چمک رہی تھیں اور وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ پہلے تو اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ایک جھٹکے سے اپنی برقی لہروں کے جال کو تان کر توڑ دے۔ اس طرح کرنے سے اس کے ساتھ ریحان کی ذہن کی بکھری ہوئی لہروں کا جال بھی ٹوٹ جاتا لیکن اس سے ریحان کو بھی اذیت ہوتی۔ اس کا زریجہ کو پورا پورا احساس تھا۔

وہ اپنے بھائی کو کسی قیمت پر اذیت نہیں دے سکتی تھی...... کسی بھی قیمت پر...... چاہے اس کے لئے اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے......؟ وہ اس کا چھوٹا بھائی تھا اور وہ اس سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور بھائی کی اسی محبت نے اس سے اسی لمحے ایک بے حد خطرناک فیصلہ کروا دیا۔

اب وہ اپنی لہروں کو ہلکے ہلکے جھٹکے دے رہی تھی اور آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں سے آواز نکل رہی تھی۔

"ریحان......! ریحان......! میری جان ......! میرے بھائی......! ریحان......! ریحان......!"

اس کے وہ ساتھی دوست لڑکے، اس وقت اس کی اندرونی کیفیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بظاہر زریجہ کے منہ سے مدھم مدھم آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ بھائی کی محبت میں سرشار ہو کر روتے ہوئے اسے آواز دے رہی ہو۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔

اس وقت ایک خوف ناک صورتِ حال سامنے تھی۔ یہ صورتِ حال ایسی ہی تھی جیسے گویا دو پتنگوں کے درمیان پیچ لڑ جانے پر کسی ایک پتنگ کے کٹ جانے کا لازمی طور پر خطرہ رہتا ہے۔

ریحان کی طرف سے بھی کسی غلط ردِعمل کے نتیجے میں اس کے انرجی سیکشن کے فیوز ہمیشہ کے لئے ختم بھی ہو سکتے تھے۔ یہ بات زریجہ اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ اپنا عمل جاری رکھے ہوئے تھی۔ زندگی کے سب سے مشکل اور خطرناک لمحے اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔

کتنی ہی بار اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ اس بھیانک ترین موقع پر وہ دادا ابو کو آواز دے اور ان سے کہے کہ کیا اب بھی وہ ان کی جانب متوجہ نہیں ہوں گے......؟ جبکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ جب کوئی ایسا خطرناک لمحہ قریب آئے گا کہ ان کی زندگیوں کو خطرہ پیش آجائے گا تو وہ اپنی تمام احتیاطی تدابیر توڑ کر ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔

اور وہ دونوں بہن بھائی جانتے تھے کہ احمد صلاغی کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہو سکتی تھی کہ احمد صلاغی بے شک ان کی طرف سے غافل نہ ہو لیکن اس نے ان لمحوں کو اتنا خطرناک نہیں سمجھا ہو، جتنا اس کے بارے میں زریجہ کے علم میں تھا۔

بہرحال یہ وقت ایسی باتیں سوچنے کا نہیں تھا۔ وہ بڑی احتیاط کے

ساتھ اپنا عمل کر رہی تھی۔ پھر ریحان کے دماغ نے پہلا جھٹکا اس طرح کھایا تھا جس طرح مچھلی کے منہ مارنے پر شکاری کی اُنگلیاں کھاتی ہیں۔

بظاہر اس وقت ریحان نارمل ہی نظر آ رہا تھا۔ لیکن درحقیقت بہن کی محبت اس کے پورے وجود سے لپٹ کر اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس کا ذہن دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ ایک حصہ مائنڈ کنٹرول آلے کے کنٹرول میں تھا لیکن دوسرا اس کنٹرول میں تھا جو قدرت ایک دوسرے کے خون سے منسلک کر دیتی ہے۔

اس کا ذہن آہستہ آہستہ بہن کی آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی اپنی بہن سے فطری اور پیدائشی محبت جو کسی گہرے کنوئیں کی تہہ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اب آہستہ آہستہ یادداشت کی سطح کی طرف رواں دواں تھی اور اس کی یادداشت کے ذخیروں کی خصوصی حرکت محسوس کرتے ہی زریجہ نے دل کی تمام گہرائیوں سے بھائی کی محبت کو پکارا۔

''میری جان......! میرے ننھے سے بھائی......! میرے بھائی......! میرے پیارے بھائی......! ریحان......! کیا تم میری آواز سن رہے ہو......؟ ریحان......! میں تمہیں کتنا پیار کرتی ہوں...... کیا تم یہ بات جانتے ہو......؟''

جواب میں پہلی بار ریحان کی طرف سے زریجہ کو پیغام موصول ہوا۔

''اور میں بھی تو تم سے پیار کرتا ہوں۔ میری بہن......!''

اس جواب نے زریجہ کے دل میں جتنے پھول کھلائے تھے، شاید موسم بہار میں بھی اتنے پھول نہ کھلتے ہوں۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر رچرڈ لیموس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے مائنڈ کنٹرول پوائنٹ کے پینل پر ایک سرخ بلب نے خطرے کا سگنل دیا اور ایک تیز سیٹی کی آواز فضاء میں پھیل گئی۔ یہ آواز سن

کر نہ صرف رچرڈ لیموس بلکہ پیری اور دانیال بھی چونک پڑے تھے۔

''اوہو......! یہ آواز...... یہ آواز......''

پیری کے منہ سے بے اختیار نکلا اور رچرڈ لیموس کی گردن اس کی جانب گھوم گئی۔

''کیا تم اس آواز کو پہچانتی ہو......؟''

''ہاں......! یہ اس کی بہن کا کام ہے۔ وہ میرے ساتھ بھی میوزیم میں اسی قسم کی مداخلت کر چکی ہے اور اس کے بعد میرا سارا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔''

پیری کے حلق سے پھٹی پھٹی آوازیں نکلیں اور اسے وہ لمحات یاد آنے لگے جب میوزیم کا کھیل زریجہ کی مداخلت پر خراب ہوگیا تھا۔ اسے وہ سب کچھ یاد آگیا تو اس کے پورے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑ گئیں۔

''میں اسے جان سے مار ڈالوں گی۔''

پیری نے کہا اور کنٹرول روم میں کسی ایسی چیز کو تلاش کرنے لگی جس سے وہ زریجہ پر حملہ آور ہو سکے۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف زریجہ کو بھی تلاش کر رہی تھیں اور وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا کر رہی ہو تم......؟''

''میں اسے...... میں...... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے مجھے اربوں ڈالر کے سونے کا مالک بننے سے محروم کر دیا ہے۔''

''خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ......! ایسی کوئی جاہلانہ حرکت نہ کرو جو ہماری زندگی کو بھی خطرے میں ڈال دے۔''

رچرڈ لیموس نے غصے سے پیری کو گھورا اور پھر وہ مائنڈ کنٹرول یونٹ پر

ریحان سے مخاطب ہوا۔

''تمہیں اپنا عمل جاری رکھنا ہے۔ کسی بھی غلط کام کی جانب متوجہ نہ ہونا...... سمجھے......؟''

دوسری طرف زریجہ ریحان کو دوسرے احکامات دے رہی تھی اور عین اسی لمحے جب ریحان کولنگ سسٹم کو اسٹارٹ کرنے جا رہا تھا اور اس کے ذہن پر زریجہ کی محبت کے اثرات قائم ہو رہے تھے اور وہ زریجہ کے احکامات پر اپنی محبت کے ہاتھوں عمل کرنے پر مجبور تھا، اس بات سے بھی اب صرف ریحان ہی واقف تھا کہ کولنگ سسٹم کس طرح اسٹارٹ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ٹھیک اسی وقت اس کے کانوں میں گویا پٹاخہ سا پھٹ گیا۔ رچر لیموس کی آواز...... گونجتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور یادداشت کا سرکٹ ایک بار پھر شارٹ ہو گیا۔

''ریحان......! اگر اس وقت تمہاری بہن کولنگ سسٹم میں مداخلت کر رہی ہے تو یہ مداخلت ہمارے لئے بے حد خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ تم اپنی پوری قوت صرف کر کے اس کو ایسا کرنے سے روک دو۔''

حکم ملتے ہی ریحان نے اپنے سر کو ایک شدید جھٹکا دیا۔ اس جھٹکے کے ساتھ ہی مائنڈ کنٹرول یونٹ پر خطرے کی نشاندہی کرنے والا بلب بجھ گیا اور کنٹرول روم کے باہر زریجہ کا توازن بگڑ گیا۔

وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اگر شیری اسے آگے بڑھ کر تھام نہ لیتا تو یقیناً وہ چکرا کر گر ہی پڑتی۔

''ارے......! کیا ہوا......؟ کیا ہو گیا......؟ زریجہ......! کیا ہو گیا......؟ مجھے بتاؤ......!''

شیری نے پریشان لہجے میں زریجہ کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ لیکن زریجہ کے پاس اس وقت شیری کو کچھ سمجھانے کا وقت نہیں تھا۔ کیونکہ یہ انتہائی خوفناک لمحات تھے۔

اچانک ہی شیری کے جسم کو ایک جھٹکا لگا اور وہ زریجہ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ زریجہ کے غصے سے بکھری ہوئی ذہنی قوت اب ریحان سے مقابلے کے لئے تیار ہو گئی تھی اور شیری اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عجیب وغریب مشین کے ہموار ہموار سطح پر ایک فولادی دروازے کو کھلتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

''زریجہ......! پیچھے ہٹو......! جلدی سے پیچھے ہٹو......!''

شیری نے ہمت کر کے زریجہ کے ایک بازو کو اپنی طرف گھسیٹنے کی کوشش کی مگر زریجہ پتھر کی چٹان بنی ہوئی تھی۔ شیری اچھے خاصے جسم کا مالک تھا۔ طاقتور بھی تھا۔ لیکن ایک لڑکی کو ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ کھسکا سکا تو ناکام ہو کر اس نے زریجہ کا بازو چھوڑ دیا۔

ادھر رچر لیموس مائنڈ کنٹرول یونٹ پر ایک بار پھر سرخ بلب کو جلتا بجھتا دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لمحے خود اس کا چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو گیا۔

''ریحان......! تمہاری بہن نے مشین روم کے فولادی دروازے پر تمہاری طاقتور لہروں کی سلاخوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے لیکن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اب وہ کسی طرح بھی کنٹرول روم میں داخل نہ ہونے پائے۔''

رچر لیموس کی تیز آواز میں حاکمانہ سختی تھی اور اس کے بعد اس کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے تھے اور دانتوں کی کڑکڑاہٹ کی آواز پیری اور دانیال نے بھی سنی تھی۔

''کیا تم میری بات کا مطلب سمجھ گئے ہو ریحان......؟''

رچر لیموس نے غصے سے ریحان کی طرف دیکھا۔ رچر لیموس کی آواز ڈرل مشین کی طرح ریحان کی سماعت میں سوراخ کرتی ہوئی ذہن کے پردے سے ٹکرائی تھی اور ریحان کے ذہن میں چلنے والی تمام روشنیوں کو گھپ اندھیرے مین تبدیل کر گئی تھی۔

دوسرے ہی لمحے ریحان کے چہرے سے اب زندگی کے آثار ختم ہو کر اس کے چہرے کو ایک پتھر کا چہرہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ اس وقت ایک بے جان اور بے روح جسم تھا جو مکمل طور پر رچر لیموس کے قبضے میں تھا۔ اس کے حلق سے پتھریلی آواز نکلی۔

”یس...... سر......!“

اور وہ اپنی جگہ سے حرکت کرتا ہوا کھلے دروازے سے باہر جانے لگا۔ اس کی چال اس لمحے کسی مشینی ربوٹ جیسی تھی اور آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اچانک ہی پیری نے کہا۔

”سنو رچر......! بے شک ریحان اپنی بہن کے لئے کافی ہوگا۔ لیکن میں اس کے ساتھ ان چاروں شیطانوں کو بھی دیکھ چکی ہوں جو اس کے لئے جان کی بازی لگا دیا کرتے ہیں۔ یہ بڑی خطرناک صورتِ حال ہے۔“

”مجھے اس کا اندازہ ہے۔ جاؤ......! تم دونوں جا کر ان سے مقابلہ کرو۔“

رچر لیموس نے ایک عجیب وغریب حکم دیا۔ چونکہ پیری ایک بوڑھی عورت تھی اور دانیال ایک امن پسند شخص۔

پیری نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

”لیکن رچر......! یہ لڑکی ہم دونوں پر اپنی مالیکیولر پاور استعمال کر سکتی

ہے۔“ اس کے ان الفاظ پر رچر لیموس کے چہرے پر نفرت کی لکیر سی پہنچ گئی۔

”تم نے سنا نہیں...... میں کیا کہہ رہا ہوں تم سے......؟ جاؤ......! دفع ہو جاؤ......! اور ان نوجوانوں کو پکڑنے کی کوشش کرو۔ وہ لڑکی تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔“

کولنگ سسٹم اس وقت مکمل طور پر رچر لیموس کے کنٹرول میں تھا اور وہ ریحان کو آہستہ آہستہ زریجہ کی طرف بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ریحان اب اپنی بہن کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ادھر دانیال اور پیری اس طرف چل پڑے تھے اور ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ ان لڑکوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ اچانک ہی شیری کی آواز اُبھری۔

”ہوشیار......! یہ لوگ ہمیں سائنسی طور پر مفلوج کر سکتے ہیں۔“

پھر ان کے درمیان بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔ ایٹمی فرنس کے ٹھوس فرش پر وہ چاروں اور ان کے پیچھے پیری اور دانیال کے پیروں کا بے ہنگم شور اور چیخ و پکار ایک عجیب وغریب منظر پیش کر رہا تھا۔

حیرت کی بات بوڑھی پیری پر تھی جو بے حد پھرتی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ نہ صرف اس نے بے پناہ پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بلکہ اچانک ہی وہ ایک خونخوار بلی کی طرح غراتی ہوئی ان چاروں میں سے ایک نوجوان پر حملہ آور ہوئی تھی اور اس نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

وہ نوجوان جو چند لمحے تک اس کے بڑھاپے کا خیال کر رہا تھا، اپنی گردن کو اس کے شکنجے میں دیکھ کر ایک دم سے ہوش میں آ گیا۔ پھر جو کچھ ہوا وہ مجبوری تھی۔ اس نے پیری کے بڑھاپے کا خیال کئے بغیر ہی پوری قوت سے

ایک گھونسہ اس کے پیٹ میں مارا۔

پیری نے البتہ ایک لمحے کے لئے دوہرا ہو کر نوجوان کی گردن چھوڑ دی تھی۔ لیکن نوجوان کی توقع کے خلاف دوسرے لمحے وہ پھر اس پر حملہ آور ہوگئی۔

ادھر دانیال نے بھی اپنا کام کرلیا تھا اور ایک لڑکے کو پکڑ ہی لیا تھا۔ عین اسی وقت شیری نے دانیال کو پیچھے سے پکڑا اور اُٹھا کر دُور پھینک دیا۔ مگر اس کے بعد وہ دونوں پہلے سے بھی زیادہ غصے سے بھر کر ان کو پکڑنے کے لئے دوڑ پڑے تھے۔

زریجہ کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ لیکن زریجہ انہیں بھی دیکھ رہی تھی کہ اس کے ذہن نے شیری کو آواز دی۔ شیری نے اگرچہ کوئی آواز نہیں سنی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ وہ بے اختیار زریجہ کی طرف دوڑا۔

''کیا بات ہے زریجہ......؟''

اس نے قریب آکر سوال کیا۔ جواب میں زریجہ کے ہونٹ ہلنے لگے تھے۔ اگرچہ آواز واضح نہیں تھی لیکن شیری کا ذہن ایک ایک لفظ کو سن اور سمجھ رہا تھا۔

زریجہ کہہ رہی تھی۔

''اس مشین کے اندر ایک اور دروازہ بھی ہے۔ تم کو اسے تلاش کرنا ہے۔ وہ دروازہ تمہیں کولنگ مشین تک لے جائے گا۔ تم صرف اس راستے کو تلاش کرو شیری......! سمجھ گئے......؟''

''ہاں......!''

جس طرح زریجہ نے ذہنی طور پر سوال کیا تھا، شیری کے ذہن نے اسی طرح جواب دیا۔ لیکن اس کے بعد بھی اس نے سر ہلا کر سمجھ لینے کا اقرار کیا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ گھوما اور دانیال جو اسے دبوچنے کے لئے جا رہا تھا، پوری قوت سے اسے دھکا دے کر گراتا ہوا مشین کے دوسری طرف دوڑتا چلا گیا تھا۔

ادھر زریجہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ وہ اپنے بھائی سے مقابلہ کرنے کے لئے فی الحال دیر کر رہی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ وہ اور ریحان بالمقابل ہوں۔ بالآخر وہ دیوار سے جا کر رُک گئی اور اس کے حلق سے پوری قوت سے آواز نکلی۔

''ہوش میں آؤ ریحان......! میں اور تم...... ہم دونوں بہن بھائی ہیں...... کیا تم اپنی بہن کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرو گے......؟''

ریحان مسلسل آگے بڑھ رہا تھا اور وہ مسلسل ریحان کو سمجھائے جا رہی تھی۔

''رُک جاؤ ریحان......! میرے پاس بھی طاقت ہے...... میں بھی تمہارے خلاف اپنی طاقت کا استعمال کر سکتی ہوں۔''

ریحان نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی پلکوں کو جھپکانے لگا۔

دوسرے لمحے ایک خوفناک شعاع زریجہ کے جسم سے ٹکرائی۔ زریجہ شدید اذیت سے تقریباً دوہری ہوگئی تھی۔ پھر اس کے جسم پر جیسے کسی نے مشین گن کا برسٹ کھول دیا ہو۔

شعاعیں مسلسل فائروں کی طرح اس کے بدن پر فائر ہو رہی تھیں۔ وہ چند لمحوں تک اس اذیت کو جھیلتی رہی۔ لیکن ناقابل برداشت اذیت نے اسے

آخرکار مقابلے کے لئے مجبور کر دیا اور پھر دوسرے ہی لمحے زریجہ اور ریحان کے درمیان حائل فاصلے کے عین درمیان کوئی شعلہ سا لپکا تھا۔ گویا دو تلواریں آپس میں ٹکرا گئی تھیں۔

ریحان نے تکلیف سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔ اسی وقت شیری کی آواز اُبھری۔

''میں نے کولنگ چیمبر کا راستہ معلوم کرلیا ہے زریجہ......!''

شیری ایک کنٹینر نما مشین کے اوپر چڑھا ہوا تھا۔ مشین پر چڑھنے کے لئے ایک طرف لوہے کی سیڑھیاں موجود تھیں اور سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ریلنگ کے ساتھ ساتھ اتنا راستہ تھا کہ دو آدمی اس پر بآسانی چل سکتے تھے۔ یہ ہی راستہ مشین کے اندر گول سیڑھیوں پر گھومتا ہوا انڈر گراؤنڈ چلا گیا تھا جہاں ایک بہت بڑے ہال میں کولنگ مشین موجود تھی۔

زریجہ شیری کی راہنمائی میں سیڑھیاں چڑھ کر کولنگ چیمبر میں پہنچ گئی۔ کولنگ مشین اس پہلی عجیب وغریب مشین سے تقریباً دوگنا بڑی تھی۔ جس پر اس وقت سینکڑوں بلب جل بجھ رہے تھے۔ نہ جانے کتنی تعداد میں بٹن ڈائل اور میٹر تھے۔ شاید شیری پہلے ہی مشین کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی ایک پینل کی جانب زریجہ کو متوجہ کیا۔

زریجہ نے ایک لمحے کو رُک کر پینل کے مختلف بٹنوں پر چھپے ہوئے الفاظ پڑھے اور پھر سکون کا ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے ایک بٹن پر دباؤ ڈالا۔ پھر دوسرے اور تیسرے بٹن کو دبانے کے بعد بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ کولنگ کنٹرول پینل جام ہو چکا تھا۔

زریجہ نے آنکھیں بند کر کے اپنی پوری توجہ ذہنی کنٹرول پینل کی

طرف مبذول کر دی۔ اس کی ایک اُنگلی مسلسل ایک بٹن پر دباؤ ڈال رہی تھی اور آہستہ آہستہ بٹن دباؤ قبول کر رہا تھا۔ بٹن کے مکمل طور پر دبتے ہی کولنگ سسٹم دوبارہ اسٹارٹ ہوگا اور فرنس روم کی طرف سے آنے والی ''گڑ، گڑ'' کی آواز جس میں ایک ناگوار سی ''گھوں، گھوں'' شامل تھی، آہستہ آہستہ ہموار ہو کر صرف ''گڑ، گڑ'' کی آواز رہ گئی۔

ادھر رچرڈ لیموس بڑے پُرسکون انداز میں چلتا ہوا کنٹرول روم سے باہر آیا تھا۔ وہ اتنی جلدی ایک لڑکی کے ہاتھوں شکست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریحان ہال کے فرش پر اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ رچرڈ لیموس نے ایک جھٹکے سے اسے اُٹھا کر اپنے قدموں پر کھڑا کیا اور مائنڈ کنٹرول یونٹ پر اس سے مخاطب ہوا۔

''تم ابھی ہارے نہیں ہو ریحان......! اور نہ ہی تم ہار سکتے ہو۔ اس لڑکی نے تمہاری غلطی سے فائدہ اُٹھا کر کولنگ دوبارہ شروع کر دی ہے۔ لیکن تم اس وقت بھی اسے روک سکتے ہو۔ تم اس سے دُگنی طاقت کے مالک ہو۔ میرے پیچھے آؤ......!''

ادھر پیری اور دانیال کمال کر رہے تھے۔ انہوں نے کسی طرح زریجہ کے تین ساتھی لڑکوں کو پکڑ لیا تھا۔ لیکن اس مار دھاڑ اور بھاگ دوڑ کے بعد اب ان کے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ چوتھے لڑکے شیری کو بھی تلاش کرتے۔

ویسے بھی وہ دیکھ چکے تھے کہ شیری اپنے تینوں ساتھیوں سے زیادہ قدآور اور طاقتور اور مضبوط ہے۔ وہ ان تینوں نوجوانوں کو کنٹرول روم میں بند کر کے گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔

ادھر ڈاکٹر رچرڈ لیموس ان لوگوں کی کارروائی سے بے نیاز مطمئن اور پُراعتماد انداز میں اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھا۔ ریحان مسلسل اس کے ٹرانس میں تھا۔ آخرکار رچرڈ نے ایک وزنی ٹرانسفارمر کی جانب اشارہ کر کے ریحان سے کہا۔

"اس ٹرانسفارمر کا وزن تقریباً دو ہزار پونڈ ہے۔ ریحان ٹرانسفارمر کو دیوار سے اُکھاڑو اور اس لڑکی پر گرا دو۔"

ریحان نے ٹرانسفارمر پر نگاہیں جما دیں۔ دوسرے لمحے دو ہزار پونڈ وزنی ٹرانسفارمر کے تاروں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور وہ نیچے گرنے لگا۔

اسے گرتے دیکھ کر شیری کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ اسے اندازہ ہوا کہ اب زریجہ کی زندگی کے آخری لمحات ہیں۔ لیکن پھر اس نے پھٹی

پھٹی آنکھوں سے دیکھا کہ زریجہ نے صرف اپنے ہاتھ اُٹھائے تھے اور ٹرانسفارمر کا رُخ تبدیل ہو گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ زریجہ سے کچھ فاصلے پر چکنے فرش پر گرا اور پھسلتا چلا گیا۔ رچرڈ لیموس کا یہ وار خالی گیا تھا اور وہ تلملا کر رہ گیا تھا۔ لیکن ہار وہ بھی نہیں مان سکتا تھا۔ اس نے مائنڈ کنٹرول یونٹ کو ہونٹوں سے چپکا ہی لیا تھا۔ پھر اس کی آواز اُبھری۔

"اس وزنی پائپ کو جو زریجہ کے سر پر سے گزر رہا ہے، اس لڑکی زریجہ کے سر پر گرا دو۔ لیکن اس مرتبہ تمہارا نشانہ خالی نہیں ہونا چاہئے۔"

کولنگ مشین سے چھت اور باہر کی طرف جانے والے پائپوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس قطار میں ایک بے حد موٹا وزنی پائپ اپنی جگہ سے الگ ہوا تھا۔ لیکن جوں ہی وہ اپنی جگہ سے الگ ہوا، اس کے اندر سے نکلنی والی بھانپ کے شور نے زریجہ کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے پائپ اپنی جگہ فٹ ہو گیا اور رچرڈ لیموس کو خود اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا۔ اب وہ بدلے ہوئے لہجے میں ریحان سے مخاطب ہو گیا۔

"اور اب تم وہی کرو گے جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔ تم اپنی بہن کو باتوں میں لگا کر ٹھیک بیس قدم آگے لے آؤ...... اب تم اوپر کی طرف نہیں دیکھو گے۔ اوپر ایک فولادی کرین ہے۔ جب تم اس لڑکی کو میری بتائی ہوئی جگہ کی طرف لے آؤ گے تب میں تمہیں دوسرا حکم دوں گا۔ تم اس کرین کے ذریعے فولاد کنٹینر اُٹھاؤ گے اور اس لڑکی کے سر پر گرا دو گے۔ اسے پیار سے اپنی بہن کہہ کر مخاطب کرو۔"

زریجہ اب بھی ریحان ہی کو دیکھ رہی تھی اور پتہ نہیں اسے صحیح صورت

حال کا اندازہ ہوا تھا یا نہیں...... ریحان اسی وقت اس انداز میں چونکا تھا جیسے اچانک ہی نیند سے بیدار ہوگیا ہو۔ اس کے منہ سے نکلا۔

''زریجہ......!''

اور زریجہ اسے دیکھنے لگی۔ خود ریحان کو کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ اس وقت بھی اس کے لئے مکمل اجنبی اور غیر مانوس تھا۔ زریجہ اس بار شاید دھوکہ کھا گئی اور بے اختیار بانہیں پھیلا کر آگے بڑھی۔

''ریحان......! میرے بھائی......!''

جواب میں ریحان کو بھی دوڑ کر بہن کی طرف بھاگنا چاہئے تھا لیکن وہ مشینی انداز میں چند قدم آگے چل کر رُک گیا اور اس کا یہ انداز ہی زریجہ کو چونکا دینے کا باعث بنا تھا۔

''کیا ہوا ریحان......؟ تم رُک کیوں گئے......؟''

اس کے ذہن نے سوال کیا۔

''میں تمہیں اپنے ذہن میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

زریجہ نے یہ الفاظ سنے اور چونک کر غور سے ریحان کی آنکھوں میں دیکھا لیکن وہ ریحان کی یادداشت کو نہیں ٹٹول سکی اور چند قدم مزید آگے بڑھ آئی۔

''تمہاری آواز اس قدر اجنبی کیوں ہے......؟ میرے پیارے بھائی......! تمہارے ساتھ ہوا کیا ہے......؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

ریحان کی بھرائی ہوئی آواز جذبات سے عاری تھی۔ اسی وقت رچہ

لیموس کی سرگوشی اسے اپنے کانوں میں سنائی دی۔

''اس سے کہو کہ تمہارے قریب آئے......!''

جواب میں ریحان نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے پھیلا دیئے۔

''مجھے یہاں سے باہر نکالو......زریجہ......!''

زریجہ بے اختیار بانہیں پھیلا کر آگے بڑھی تھی۔ اس لمحے اس کے دل میں بھائی کی محبت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

''بس......! اسی جگہ رُک جاؤ......! اب ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا۔''

ریحان کا لہجہ ایک دم ہی خوف ناک ہوگیا تھا اور دونوں ہاتھ جو بہن کو سینے سے لگانے کے لئے پھیلے تھے، اچانک ہی دھمکی آمیز انداز میں اسے اسی جگہ رُک جانے کا اشارہ کر رہے تھے۔

زریجہ کے قدم جم گئے۔ اس نے حیران لہجے میں کہا۔

''کیا ہوگیا ہے ریحان......؟''

اس کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔ اگر وہ اسی لمحے اوپر چھت کی طرف دیکھ لیتی تو اسے اپنے سوال کا فوراً ہی جواب مل جاتا۔ اس کے سر پر کرین کے پنجوں میں اُٹھا ہوا بے پناہ وزنی فولادی کنٹینر کسی بھی لمحے اس کے سر پر گرنے کے لئے جھول رہا تھا۔

''تم مجھے اپنے قریب آنے سے کیوں روک رہے ہو......؟''

زریجہ نے اپنا سوال دہرایا۔

''اس لئے کہ میرے جسم سے خطرناک شعاعیں خارج ہو رہی ہیں۔''

ریحان کی آواز سنائی دی۔

"لیکن یہ تو ہم دونوں کے لئے ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

زریجہ نے یہ بات روانی میں کہہ تو دی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے خوف کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی سے اُٹھی اور دماغ تک سرائت کرتی چلی گئی۔ وہ بے حد تیزی سے سوچ رہی تھی۔ آخر ریحان نے اس کے سوال کے جواب میں یہ فضول سی بات کیوں کہی......؟

"اس فولادی پائپ کو فوراً زریجہ پر گرادو......!"

رچرڈ لیموس کی چیخ نے ریحان کے کانوں میں گویا سوئیاں چبھو دی ہوں۔ دوسرے لمحے زریجہ نے محسوس کیا کہ جس جگہ وہ کھڑی ہوئی ہے، وہاں چھت اور فرش کے درمیان موجود ہوا کے اندر مقناطیسی لہروں میں اچانک ہی کئی سو گنا اضافہ ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنی گردن اور کندھوں پر ہوا کا شدید دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے فوراً ہی سر اُٹھا کر چھت کی طرف دیکھا تھا لیکن سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اسے یقین آگیا کہ اس نے بھاگنے کی بھی کوشش کی تو بے مقصد ثابت ہوگی۔ وہ بھاگ کر بھی اس فولادی کنٹینر کی حدود سے باہر نہیں جاسکے گی۔

زریجہ کی آنکھوں کے ڈیلے گویا باہر یہ نکل پڑے تھے۔ اس نے سیکنڈ کے لاکھویں حصے میں اپنے جسم اور دماغ کی تمام قوتوں کو یکجا کر کے کنٹینر کو روکنے کے لئے صرف کر دیا اور کنٹینر اس سے صرف چند انچ کے فاصلے پر رُک گیا۔

رچرڈ لیموس کی خوف ناک آواز کولنگ چیمبر میں گونجی۔

"ریحان......! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بہن سے دُگنی طاقت صرف کرو اور اس کو کچل کر رکھ دو......!"

اس کے ساتھ ہی زریجہ نے محسوس کیا کہ کنٹینر کا وزن بڑھنے لگا ہے۔ اب اسے ایک ساتھ دو قوتوں کا سامنا تھا۔ ایک زمین کی بے پناہ قوتِ کشش اور دوسری کنٹینر پر ریحان کی بے پناہ قوت۔

زریجہ چند لمحوں تک ان دونوں قوتوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ اس وقت کنٹینر اس کے عین سر پر آکر ٹک گیا تھا۔ جسے وہ دونوں ہاتھوں سے روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ پسینے کے ننھے قطروں سے بھیگتا جا رہا تھا۔

"نہیں نہیں......! ریحان......! میرے بھائی......! میری زندگی کے ساتھی......!"

وہ بے اختیار ریحان سے التجا کرنے لگی۔ وہ اپنی تمام قوت اس وزنی کنٹینر کو روکنے کے لئے صرف کر رہی تھی۔ لیکن زمین کی قوتِ کشش نے ریحان کی قوت کے ساتھ مل کر اس کی قوت کو بے بس ہی کر دیا تھا اور اب کسی بھی حد تک خوف ناک وزنی کنٹینر اس کے اوپر گر کر اس کی ہڈیوں کو بھی پیس کر رکھ سکتا تھا۔ وہ بے بسی سے ریحان سے اپنی زندگی کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوگئی۔

"خدا کے لئے......رُک جاؤ......! ریحان......! مجھے مت مارو......! میں تمہاری بہن ہوں......ریحان......! رُک جاؤ......!"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"مار ڈالو......اسے پیس کر ختم کر دو ریحان......!"

دوسری طرف ڈاکٹر رچرڈ لیموس گلے کی پوری قوت سے چیخ چیخ کر ریحان کو حکم دے رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس وقت اس کے سامنے اس کا سب سے طاقتور دُشمن ہے اور اس دُشمن سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ

سنہری اور آخری موقع ہے۔ اگر اس وقت اس موقع سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکا تو پھر کبھی اتنا شاندار موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔

''ریحان......! ریحان......! ریحان......!''

زریجہ کے لبوں سے خارج ہونے والی سسکیاں اب آہستہ آہستہ ڈوب رہی تھیں۔ ریحان نے اس کی ہر التجا، ہر فریاد بے رحمی سے ٹھکرا دی تھی۔

شیری جو اب تک تماشائی بنا ہوا بے بسی سے یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا، اچانک ہی جنون کا شکار ہو گیا۔ اس کے دل نے گویا اسے دھڑک کر آگاہ کیا۔

''زریجہ......! زریجہ......!''

''وہ حسین لڑکی جو نہ جانے کس طرح میری آنکھوں کے راستے میرے دل میں اُتر چکی ہے، مر رہی ہے......نہیں......! میں اسے مرنے نہیں دوں گا۔''

اس نے فوراً ہی اپنے دل کی نفی کی۔ اتنی دیر میں وہ بہرحال اتنا تو جان ہی گیا تھا کہ زریجہ کی موت کا ذمہ دار اس کا بھائی ریحان ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص ہے جو اسے چیخ چیخ کر ہدایت دے رہا ہے اور کسی ایک آلے پر ریحان کو اسے کچلنے کا حکم دے رہا ہے۔

شیری جانتا تھا کہ وہ خود ریحان سے نہیں لڑ سکے گا۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ وہ زریجہ کا بھائی ہے اور زریجہ کی قوت بہرحال اس کے علم میں آ چکی تھی۔

اس نے اپنے ذہن میں تابڑ توڑ خیالات کا مقابلہ کیا۔ اس کا ذہن کہہ رہا تھا۔

''لیکن میں اس منحوس ڈاکٹر سے تو لڑ ہی سکتا ہوں۔''

یہ فیصلہ کرتے ہی اچانک ہی اس نے ڈاکٹر رچہ لیموس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ رچہ لیموس اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس عجیب وغریب

حملے پر مائنڈ کنٹرول یونٹ اس کے ہاتھ سے گر کر فرش پر دُور تک پھسلتا چلا گیا۔

رچہ لیموس ایک لمحے کے اندر سنبھلا اور شیری کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے وہ تیزی سے مائنڈ کنٹرول یونٹ کی طرف جھپٹا اور خود بھی اس کے پیچھے فرش پر پھسلتا چلا گیا۔

لیکن نوجوان جمناسٹر کی پھرتی کا مقابلہ رچہ لیموس نہیں کر سکا تھا۔ وہ اس سے پہلے مائنڈ کنٹرول یونٹ تک پہنچا اور اس نے پوری قوت سے اس آلے میں لات مار کر دُور پھینک دیا اور اس کے فوراً بعد اس نے پلٹ کر رچہ لیموس پر حملہ کیا۔

رچہ لیموس جو اس وقت کامیابی کی منزل سے قریب تر پہنچتا جا رہا تھا، خود بھی دیوانہ وار شیری سے جنگ کرنے لگا۔ اس نے شیری پر گھونسوں اور تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی۔

شیری جوابی حملے کے لئے تیار تھا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دُوسری طرف زریجہ جو موت سے آخری پنجہ آزمائی کر رہی تھی، شیری کی چیخ پر بمشکل آنکھیں کھول سکی۔

شیری اور ڈاکٹر رچہ لیموس کی جنگ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی مصداق تھی۔ لیکن شاید یہ سہارا بھی اسے اب موت کے منہ سے نہیں بچا سکے گا۔

زریجہ نے مایوس ہو کر پھر آنکھیں بند کر لیں لیکن شیری کی دوسری چیخ بڑی بھیانک تھی۔ اس چیخ نے نہ صرف زریجہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا بلکہ زندگی کی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے ایک نئی روح بھی پھونک دی تھی۔

اس کے ساتھ ہی اس کی نگاہ جلتی بجھتی روشنیوں پر پڑی۔ ایک عجیب

وغریب الیکٹرونک آلہ اس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا لیکن زریچہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ ہاتھ بڑھا کر اس آلے کو اُٹھا لیتی۔ وہ اس وزنی کنٹینر کے وزن سے زمین پر بیٹھتی چلی جا رہی تھی اور اس وقت وہ اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی اور سینکڑوں ٹن وزنی کنٹینر کو جو لمحے لمحے اس کو کچلنے کے لئے نیچے آ رہا تھا، اپنی دماغی قوت اور اپنے بازوؤں کی قوت سے اسے روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

اس آلے کی اہمیت سے وہ خود بھی کسی حد تک واقف ہوگئی تھی۔ پھر بجلی ہی کی تیزی سے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے کھسکنے لگی تھی۔

اگرچہ اس کوشش میں کنٹینر کچھ اور نیچے آ گیا تھا اور زریچہ تقریباً دب کر ہی رہ گئی تھی۔ اگرچہ وہ اب بھی اس آلے کو اُٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ لیکن اب اس کے اتنے نزدیک ضروری تھی کہ ایک کوشش ضرور کر سکتی تھی۔ اگرچہ یہ کوشش بے حد خطرناک تھی اور اس کو فرش پر لیٹ جانا پڑا تھا۔ لیکن قسمت اس پر مہربان ہوگئی تھی۔

اس نے اس آلے کو اُٹھا کر بمشکل لبوں سے لگایا اور مردہ سی آواز میں ریحان کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''رُک جاؤ......! ریحان......! رُک جاؤ......! رُک جاؤ......! اسے اوپر اُٹھاؤ......!''

دوسرے ہی لمحے ایک ناقابلِ یقین سے احساس کے ساتھ کنٹینر ایک جھٹکے سے اوپر اُٹھتا چلا گیا۔ یہ کنٹینر ریحان سے درخواست کے نتیجے میں اوپر نہیں اُٹھا تھا۔ بلکہ ریحان کی قوت دباؤ کنٹینر کے اوپر سے ہٹ گئی تھی اور یہ

زریچہ کی بے پناہ قوت تھی جس نے کنٹینر کو اوپر اُٹھا دیا تھا۔

زریچہ اگرچہ تھک چکی تھی لیکن یہ حیرت اور خوشی کا اتنا بڑا جھٹکا تھا کہ جس نے اس کے ذہن میں کرنٹ پیدا کرنے والے غدود کو گویا دوبارہ چارج کر دیا تھا۔ اس نے اُٹھ کر کنٹینر کو دوسرا دھکا پوری طاقت سے دیا تھا اور وہ چھت تک گویا لڑھکتا چلا گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک اس عجیب وغریب آلے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتی رہی تھی۔

ریحان اس وقت اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا۔ پھر شیری کے حلق سے برآمد ہونے والی ''خرخر'' کی آواز سن کر زریچہ گویا نیند سے جاگ اُٹھی۔

ڈاکٹر رچر لیموس نے شیری کی گردن دونوں ہاتھوں سے جکڑ رکھی تھی اور اس کے سینے پر بیٹھا ہوا اسے جان سے مار دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت اس کا یہ کمزور دُشمن اس کے لئے سب سے زیادہ خوف ناک ثابت ہوا تھا۔ یہ دُشمن اس لڑائی کے دوران خواہ مخواہ ہی آ گیا تھا اور اس نے اچھا خاصا کام خراب کر دیا تھا۔

زریچہ کے جسم کے تمام رونگٹے سخت کانٹوں میں تبدیل ہوگئے تھے۔ اس کے لئے یہ لمحہ خود اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی تھا۔ اس وقت اس کے جسم کی تمام طاقت گویا اس کے پیر کے پنجے میں آ گئی تھی۔

وہ برق رفتاری سے آگے بڑھی اور اس کی پہلی ہی ٹھوکر نے رچر لیموس کی آدمی پسلیوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

''شیری......!''

اس نے تیز آواز میں کہا اور ہر [illegible] سے بے پرواہ [illegible] ان پر جھپٹتی چلی گئی۔ وہ سمجھی تھی کہ اس وقت شیری کو سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔

لیکن شیری نے اس کے سانسوں کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں۔

''شیری......! شیری......!''

خود زریجہ کو یہ لمحے اپنی زندگی کے سب سے عجیب لمحے محسوس ہوئے تھے۔ جب اس کی سانسیں شیری کے چہرے پر ٹکرا رہی تھیں اور اس کے بدن کا دباؤ شیری کے بدن پر تھا۔ شیری میں جیسے نئی زندگی دوڑ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں زریجہ......! بالکل ٹھیک ہوں......!''

اس نے کہا اور زریجہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

شیری نے کہا۔

''جس طرح تمہارے اندر ایک حیرت انگیز طاقت ہے، ویسے میرے اندر یہ حیرت انگیز خوبی بھی ہے کہ کوئی شخص آسانی سے مجھ پر قابو نہیں پا سکتا......کیا سمجھیں......؟''

''کچھ نہیں سمجھ رہی......شیری......!''

زریجہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔ پھر اس نے پلٹ کر ریحان کی طرف دیکھا۔ ریحان ابھی تک اپنی جگہ ساکت کھڑا ہوا تھا۔ زریجہ نے اسے دو تین آوازیں دیں۔ لیکن کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا تھا۔ اچانک ہی زریجہ کو ایک خیال آیا اور اس مرتبہ اس نے مائنڈ کنٹرول یونٹ پر ریحان کو مخاطب کیا۔

''ریحان......!''

آواز سنتے ہی ریحان فوراً ہی گھوم گیا اور زریجہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ریحان کی آنکھوں میں اس وقت بھی اجنبیت تھی۔

اسی وقت شیری کو صورتِ حال کا اندازہ ہوگیا اور یہ پتہ چل گیا کہ ریحان کا کنٹرول اس وقت اس پُراسرار آلے میں ہے۔ اس نے جھپٹ کر زریجہ کے ہاتھ سے مائنڈ کنٹرول یونٹ لے لیا اور اسے پوری قوت سے فرش پر دے مارا۔

فرش سے ٹکراتے ہی مائنڈ کنٹرول یونٹ سے رنگ برنگی روشنیوں کے اسپارک ہوئے اور دُھواں پھیل گیا۔ زریجہ کی ہسٹریائی چیخ نے شیری کو دہلا کر رکھ دیا۔ وہ تیزی سے اپنے بھائی کی طرف دوڑ گئی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

ادھر مائنڈ کنٹرول یونٹ کے فرش سے ٹکراتے ہی ریحان کے دونوں کان جھنجھنا اُٹھے تھے۔ پھر ان سے دُھواں سا نکلا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے کانوں کو دبا لیا اور درد سے دوہرا ہوگیا۔

زریجہ بھائی سے لپٹ کر زار و زار رو رہی تھی۔ ادھر شیری جو اس تمام صورتِ حال سے واقف ہوگیا تھا، ریحان کے کانوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں کانوں کے اندر انتہائی باریک تاروں کی گیند نما کوئی چیز پھنسی ہوئی تھی۔ شیری نے بمشکل ان گیندوں کو باہر نکالا تھا۔ اس وقت ریحان کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن اس کے کان جن سسکیوں کو سن رہے تھے، وہ ان سے واقف تھا۔ یہ سسکیاں تو اس کے شعور، لاشعور اور تحت الشعور بلکہ اس سے بھی آگے دماغ کے ہر خانے اور ہر حصے میں محفوظ تھیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر زریجہ کو دیکھا اور معصوم سے لہجے میں بولی۔

''کیا ہوا زریجہ......! کیوں رو رہی ہو......؟''

بہن کو روتا دیکھ کر خود اس کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور زریجہ بھائی کی

آنکھوں میں محبت کا سمندر دیکھ کر دیوانہ وار بھائی سے لپٹ گئی۔ بڑا دلدوز منظر تھا۔

ریحان نے حیرت سے کہا۔

''مجھے کیا ہوگیا تھا زریجہ......؟''

جواب میں زریجہ نے ریحان کے بالوں کو ایک مخصوص جگہ سے پکڑ کر ایک خفیف سا جھٹکا دیا۔ وہ ریحان کی آنکھوں میں مسلسل دیکھ رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے ریحان کی ٹیلی پیتھک کمیونیکشن واپس لوٹ آئی۔ پھر زریجہ نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں گزشتہ پانچ روز میں پیش آنے والے حادثے کی ایک ایک تفصیل ریحان کی یادداشت کے ٹیپ پر منتقل کر دی اور ریحان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''مجھے معاف کر دو زریجہ......! میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''میں جانتی ہوں ریحان......! مجھے ہلاک کرنے کی کوشش تم نے نہیں...... اس ذلیل انسان نے کی تھی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ یہ صرف ہمارا نہیں، پوری انسانی کا مجرم ہے۔''

ریحان نے تائید میں سر ہلا دیا۔

رچہ لیموس تقریباً پاگل ہوگیا تھا۔ اس وقت بھی اسے اپنی ٹوٹ ہوئی پسلیوں سے زیادہ مائنڈ کنٹرول آلے کی فکر تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مائنڈ کنٹرول یونٹ کو ہاتھوں میں لئے بیٹھا اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی اس زبردست ایجاد کی تباہی پر سکتے کی سی حالت میں تھا۔

''میں اسے ٹھیک کرتی ہوں۔''

زریجہ نے ڈاکٹر لیموس کو گھورنا شروع کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس

کے حلق سے پھٹی پھٹی آواز نکلی اور اس کا سارا پاگل پن دُور ہوگیا۔ اس کا جسم فرش پر بلند ہو رہا تھا۔ پھر چھت کے قریب پہنچ کر وہ رُک گیا۔ اب اس کے حلق سے دل خراش چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ مدد کے لئے چیخ رہا تھا۔ لیکن اس کی یہ چیخیں ایک لمبی لکیر کی شکل اختیار کر گئیں۔

وہ کسی ایسے جہاز کی طرح فرش کی طرف آ رہا تھا جس کے اندر انجن اچانک ہی بند ہو گئے ہوں۔ لیکن فرش سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر اس کا جسم معلق ہوگیا تو زریجہ نے حیرانی سے ریحان کی طرف دیکھا۔

ریحان نے مسکرا کر کہا۔

''یہ صرف تمہارا نہیں...... میرا بھی مجرم ہے زریجہ......! اور اسے اس طرح آسانی سے ختم کر دینا مناسب نہیں ہے۔''

ریحان اسے گھورنے لگا اور ایک بار پھر ڈاکٹر چھت کی طرف محو پرواز ہوگیا۔ وہ گڑگڑا...... گڑگڑا کر ان سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ لیکن وہ دونوں اسے سزا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

اس مرتبہ اس کا جسم قلابازیاں کھا کر نیچے آیا اور اس کی چیخیں بے حد بھیانک ہو گئیں۔ آنکھیں حلقوں سے باہر نکل پڑیں اور زبان کسی پیاسے کتے کی طرح باہر نکل آئی۔ لیکن اس بار بھی وہ فرش سے نہیں ٹکرایا تھا۔

پھر اس طرح وہ چھت پر جاتا اور نیچے آ جاتا۔ لیکن آخری بار اس کا جسم پوری قوت سے چھت سے جا کر ٹکرایا تھا اور اس کی باقی پسلیاں بھی ٹوٹ گئیں۔ مگر اس وقت بھی وہ ہوش میں تھا۔ اس کی چیخ و پکار فرش پر واپسی تک برقرار تھی۔

اس بار واپسی بھی بہت خطرناک ہوئی۔ وہ فرش سے ٹکرایا اور ریزہ

ریزہ ہوگیا۔ یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ شیری نے گھبرا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"بس ریحان......! بس......!"

زریجہ کے منہ سے اتنے ہی الفاظ نکلے تھے کہ پیری اور دانیال فرنس روم کے دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ پیری بمشکل آگے بڑھی اور ریحان کے قدموں میں آکر گر پڑی۔

"مجھے معاف کردو......! میں اپنی ساری دولت تمہیں دے دوں گی۔"

لیکن ریحان اس وقت کسی کو بھی معاف نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے اپنے ہاتھوں اس کی بہن کی جو کیفیت ہوئی تھی، وہ قابل معافی نہیں تھی۔ پیری بھی مالیکولر پاوَر کے تحت فضاء میں بلند ہوئی اور اس کے بعد زمین سے آٹکرائی۔

دانیال دہشت سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس دوران شیری کے باقی تینوں ساتھی بھی اندر داخل ہوگئے تھے اور اندر کا منظر دیکھ کر ان کی بری حالت بہتر ہوگئی تھی۔

ایٹمی فرنس بلڈنگ کے باہر سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ وہ سب لوگ ٹہلتے ہوئے باہر نکل آئے۔ لیکن باہر ان کے لئے ایک دوسری مصیبت پہلے سے منتظر تھی۔ بیچارے نعمان کو ایٹمی پلانٹ کے افسران نے گھیر رکھا تھا اور اس پر سوالات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔

اچانک ہی نعمان نے ان لوگوں کو دیکھا اور مدد کے لئے چیخا۔ لیکن پلانٹ سیکورٹی گارڈ کے گھیرے سے نہیں نکل سکا۔ بلکہ سیکورٹی کے لوگ اب ان سب کو بھی گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ نعمان کی طرح وہ چاروں بھی اس خوف ناک صورتِ حال سے پریشان ہوگئے تھے۔ لیکن زریجہ کے

چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس نے پُر وقار لہجے میں کہا۔

"مسٹر آفیسرز......! تمہارے تمام مجرم اندر ہیں۔ میرے ساتھی کو چھوڑ دو......! پیچھے ہٹ جاؤ......!"

یہ حکم جیسے کسی بہت بڑی شخصیت نے دیا تھا۔ وہ سب پیچھے ہٹ گئے اور زریجہ نے ایک اشارہ کیا۔ ان سب کا رُخ اپنی منی بس کی جانب تھا۔ نعمان نے آگے بڑھ کر جلدی سے منی بس کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور وہ آندھی طوفان کی طرح ایٹمی پلانٹ سے باہر جانے والے راستے کی طرف دوڑنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد نعمان کو اندازہ ہوگیا تھا کہ منی بس کا اسٹیئرنگ اس کے پاس ضرور ہے لیکن اس کا کنٹرول اس کے پاس نہیں ہے۔ منی بس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ بھی ذرا مختلف قسم کا تھا اور اس کا اختتام اس اسٹیڈیم کے پاس ہوا جہاں سے زریجہ اور ریحان نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

ان کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اسٹیڈیم کے باہر انہوں نے احمد صلاغی کو دیکھا تھا جو بڑے آرام سے درخت کے ایک تنے سے ٹیک لگائے ان کا منتظر تھا۔ راستے ہی میں زریجہ اور ریحان کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ اب ان کی ذہنی قوتیں کسی اور کے قبضے میں چلی گئی ہیں اور جس کے قبضے میں وہ گئی تھیں، اس سے بھی وہ ناواقف نہیں رہے تھے۔ وہ ان کا دادا احمد صلاحی تھا جو انہیں اپنے پاس طلب کر رہا تھا۔

اس کا مقصد ہے کہ ان کی واپسی کا وقت قریب آگیا ہے۔ ریحان اور زریجہ احمد صلاغی کے پاس پہنچ کر بس سے اُتر گئے۔ زریجہ نے ان سب کا تعارف اپنے دادا سے کرایا تو احمد صلاغی نے ایک بہت بڑی تھیلی شیری کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے جس طرح میرے بچوں کی مدد کی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھولوں گا۔ بس ہمارا تمہارا ساتھ اتنا ہی تھا۔ جاؤ اور اپنی بس میں بیٹھ کر واپسی کا سفر اختیار کرو......!''

شیری اور اس کے ساتھ حیران رہ گئے تھے۔ لیکن زریجہ نے آگے بڑھ کر شیری کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی شیری......! اور میرے پیارے دوستو......! تم نے جس طرح میری مدد کی ہے، اس کا کوئی صلہ نہیں ہے۔''

زریجہ کے الفاظ شیری کے لئے غم کا پہاڑ توڑنے کے برابر تھے۔ اس نے روتی ہوئی آنکھوں سے زریجہ کو دیکھا تو زریجہ کی آنکھوں میں بھی نمی آگئی۔

''ہاں ہاں......! شیری......! اگر زندگی نے کبھی ساتھ دیا تو شاید میں تمہیں دوبارہ تلاش کرلوں......بس اب جاؤ......!''

یہ الفاظ بھی مالیکیولر پاؤر کے زیر اثر ہی کہے گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بس نگاہوں سے دُور ہوگئی تو احمد صلاغی نے غم ناک لہجے میں کہا۔

''آؤ بچو......! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اب تم مجھے اپنی داستان سناؤ گے تو اس میں وقت ضائع مت کرنا۔ کیونکہ میں لحہ لحہ تم سے باخبر رہا ہوں۔ میں نے خود بھی بہت سے کام کئے ہیں لیکن انتہائی دُکھ سے کہتا ہوں کہ جو کچھ دیکھنے کے لئے ہم نے اپنی زندگی کے سو سال ضائع کئے، ہمیں وہ نظر نہیں آیا۔

اس دور کی سائنس کافی ترقی کر چکی ہے لیکن انسانی ذہن بھٹک گئے ہیں۔ پتہ نہیں کون سی طاقت ان پر حاوی ہوگئی ہے اور اس نے انہیں نیگیٹو سوچیں ہی دیں ہیں۔ دُنیا کی آبادی سو سال میں بہت بڑھ چکی ہے لیکن اسی انداز میں دُنیا والے اسے کم کرنے میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں نے سائنسی

ترقی کے نام پر ایٹم بم بنائے ہیں۔ ایکس کلوسین پاؤر بنائی ہیں۔ ایتھراکس بنائی ہے۔ مالیکیولر ریگویشن سے وہ کوئی تعمیری کام نہیں لے رہے۔ بلکہ کچھ خفیہ سائنس دانوں نے جن کے نام منظر عام پر نہیں ہیں، مالیکیولر ریگویشن پاؤر سے کام لیتے ہوئے دُنیا کو تباہ کرنے کے بہت سے منصوبے بنا لئے ہیں۔

زمین کی گہرائیوں میں زلزلے کی پلیٹوں کو متحرک کر کے زمین پر بچھے ہوئے پہاڑی سلسلہ کو تہہ و بالا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ دوموسموں کے ٹکراؤ سے زمین پر سیلاب پیدا کیا ہے۔ مالیکیولر ایکسپلا ئزیشن سے انہوں نے ایک ملک کے بہت بڑے خطے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور بے شمار انسان خوف ناک زلزلے کا شکار ہو کر زمین کی گہرائیوں میں دفن ہوگئے۔ اس پاؤر سے کام لے کر حالیہ طور پر انہوں نے اسی علاقے میں سیلابی ریلوں سے تباہی کے طوفان نازل کر دیئے ہیں۔

آہ......! یہ دُنیا دیکھنے کے قابل نہیں رہی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ انسانی سوچ کا یہ خوف ناک انداز اس دُنیا کی بقاء کے لئے کس طرح اور کب خطرہ بن جاتا ہے۔ ہم تو ان سائنسی قوتوں کا استعمال اس طرح سے چاہتے تھے کہ یہ لوگ سمندر کی گہرائیوں سے انسانوں کے لئے خوراک تلاش کریں۔ دوائیں تلاش کریں۔

یہ سیاروں میں گھوم رہے ہیں۔ چاند پر پہنچ گئے ہیں۔ انہیں زمین سے زیادہ خلاء کی فکر ہے۔

یہ کیا چاہتے ہیں......؟

کچھ نہیں معلوم......!

مالیکیولر ریگویشن کو جسے ''یارپ'' کا نام بھی دیا گیا ہے، یہ تخریب کے

لئے استعمال کر رہے ہیں۔ جب کہ اس سے مکمل تعمیر بھی ہو سکتی ہے۔

دُنیا کو فناء کرنے کے لئے انہوں نے جو کچھ کر ڈالا ہے۔ بس یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس کائنات کو محفوظ رکھے اور وہ رکھے گا۔ یہ کائنات اس کی تخلیق ہے۔ اس کی ملکیت ہے۔ جب بھی اس کا جوش اور جلال غضب کی شکل اختیار کر گیا، سارے تخریبی عمل فضاء ہو جائیں گے۔ تخریب کار فنا ہو جائیں گے اور دُنیا پھر ایک پھول کی طرح کھل اُٹھے گی۔ کیونکہ یہ ذرّے آفتاب کی طرف آنکھ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ آفتاب کا کیا بگاڑ سکیں گے......؟

لیکن میرے بچو......! میں مایوس نہیں ہوں۔ ہماری زندگی ابھی ایک اور تجربہ مانگتی ہے۔ فیصلہ میں نے کیا ہے۔ تصدیق تم کرو گے اور میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے۔

ہم لوگ آئندہ سو سال کے لئے پھر اپنی اسی عمارت میں چلے جاتے ہیں اور آپ کو سو سال کی نیند دے کر سلا لیتے ہیں۔"